ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک

وقار الفتاویٰ

حضرت علامہ مفتی
محمد وقار الدین
قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک

اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ
عطا فرماتا ہے ——— (سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء)

وقار الفتاویٰ

مفتی اعظم پاکستان

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تبویب
مولانا محمد شعیب قادری رضوی

بزم وقار الدین
گلفشاں لائبریری، بلاک ۴، گلستان مصطفٰے کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب .... وقار الفتاوی (جلد اول)

مولف .... حضرت علامہ مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین قادری

ترتیب و تدوین ...... مولانا محمد شعیب قادری رضوی ۔ فاضل دار العلوم امجدیہ

کمپوزنگ .... سید محمد عارف بخاری ۔ محمد عامر قادری

اشاعت اول .... جولائی 1997ء

تعداد 1000

قیمت .... روپے

ناشر .... بزم وقار الدین ، گلفشاں لائبریری ، بلاک ۴ ، گلستان مصطفیٰ ، کراچی

التماس

اس کتاب کو مرتب کرنے میں انتہائی محنت اور کوشش کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی یا خامی رہ گئی ہو۔

لہذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی نوٹ کریں تو ادارے کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی تصحیح کی جا سکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ " وقار الفتاوی " کو مقبول عام بنائے اور مؤلف کے لیے صدقہ جاریہ اور ترقی درجات کا ذریعہ ہو۔ آمین

بزم وقار الدین

فہرست وقار الفتاویٰ

(جلد اول)

۱... پیش لفظ
۲... حالاتِ زندگی ۱
۳... مقدمہ ۳۹

۱ اسلام

۴... کلمہ طیبہ کا قرآن سے ثبوت ۵۳
۵... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ شہادت ۵۵
۶... مجہول (وہ شخص جس تک اسلام کا پیغام نہ پہنچ سکا) کا حکم ۵۶
۷... کیا اسلام ایک سناتنا مذہب ہے؟ ۵۸
۸... مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا ۵۹
۹... اسلام کو چھوڑنے کا ارادہ کرنا ۶۰
۱۰... اسلام سے خارج ہونے کا ارادہ کرنا ۶۱

۲ توحید

۱۱... اسم باری تعالیٰ کا احترام ۶۳
۱۲... اللہ تعالیٰ کے لیے "تو" یا "تم" کا استعمال ۶۳

۱۳ ... اسم جلالت کے طور پر لفظِ "خدا" کا استعمال ۶۵
۱۴ ... اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا ۶۶
۱۵ ... اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا ۶۷
۱۶ ... اللہ تعالیٰ کی طرف کسی عیب کی نسبت کرنا ۶۸
۱۷ ... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی سنت ۶۸

۲ انبیائے کرام

۱۸ ... حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی قربانی کا گوشت ۷۰
۱۹ ... حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر ۷۱
۲۰ ... حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا کی شادی ۷۱
۲۱ ... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ، آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور دوبارہ اترنا ۷۲
۲۲ ... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کی آمد کا انکار ۷۳
۲۳ ... انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم ۷۳
۲۴ ... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کا حکم ۷۶

۳ رسالت

۲۵ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کا بیان ۸۷
۲۶ ... "اغثنی یارسول اللہ" کہنا ۸۸
۲۷ ... "یارسول اللہ" کہنا ۹۰
۲۸ ... "یا محمد" کہنا ۹۳
۲۹ ... "صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے "ؐ" یا "صلعم" لکھنا ۹۶
۳۰ ... رسول پاک کہنا ۹۶
۳۱ ... "سنت رسول اللہ کی" کہنا ۹۸
۳۲ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علم غیب ۱۰۰

۳۳ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر ۱۰۳
۳۴ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ۱۰۵
۳۵ ... انگوٹھے چومنے کا مسئلہ ۱۰۶
۳۶ ... وسیلے کا بیان ۱۰۷
۳۷ ... غیر خدا کو مشکل کشا کہنا ۱۰۸
۳۸ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز ۱۱۱
۳۹ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا بیان ۱۱۱
۴۰ ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کا بیان ۱۱۲
۴۱ ... نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلِ مبارک کے عکس پر لکھنا ۱۱۳
۴۲ ... مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ ۱۱۳
۴۳ ... ختم نبوت ۱۱۵

۵ درود و سلام

۴۴ ... اذان و اقامت سے پہلے "صلوٰۃ وسلام" پڑھنا ۱۱۸
۴۵ ... نماز کے بعد "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا ۱۱۹
۴۶ ... جمعہ کے دن اجتماعی طور پر "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا ۱۲۰
۴۷ ... جمعہ کی نماز کے بعد اور اذان سے پہلے "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا ۱۲۲
۴۸ ... دعا میں "آیتِ درود و سلام" کا پڑھنا ۱۲۳
۴۹ ... دعا کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھنا ۱۲۳
۵۰ ... نماز فجر کے بعد جہر کے ساتھ "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا ۱۲۳
۵۱ ... کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا ۱۲۳
۵۲ ... "صلوٰۃ و سلام" میں قیام کا حکم ۱۲۵
۵۳ ... "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" کہنے کی حقیقت ۱۲۷
۵۴ ... "درود رضویہ" کی حقیقت ۱۲۸
۵۵ ... درود تاج کے منکر کا حکم ۱۳۱

۵۶ ... غیر نبی پر سلام بھیجنے کا حکم ۱۳۴
۵۷ ... کسی حنفی المسلک کا تثویب سے انکار کرنا ۱۳۵
۵۸ ... " صلوٰۃ و سلام " کو بدعت کہنے والے کا حکم ۱۳۶
۵۹ ... درود شریف کو لعنت کہنے والے کا حکم ۱۳۷

۶ داڑھی

۶۰ ... داڑھی کا شرعی حکم ۱۳۸
۶۱ ... داڑھی کی مقدار ۱۳۹
۶۲ ... داڑھی کی حدود ۱۴۰
۶۳ ... داڑھی کی حدود اور خط بنانے کی اجازت ۱۴۱
۶۴ ... داڑھی کی بچی کے طرفین کے بال مونڈنے کا حکم ۱۴۲
۶۵ ... داڑھی کے بارے میں حکم ۱۴۳
۶۶ ... داڑھی کا ایک مشت سے کم ہونا ۱۴۳
۶۷ ... داڑھی منڈوانے یا کتروانے والوں کا حکم ۱۴۴
۶۸ ... داڑھی رکھوانے میں والدین کی ذمہ داری ۱۴۶
۶۹ ... شادی کے لیے داڑھی منڈوانا ۱۴۷

۷ محافل

۷۰ ... محفل میلاد اور قیام میلاد ۱۴۹
۷۱ ... محفل نعت کی شرعی حیثیت ۱۵۰
۷۲ ... گیارہویں اور عرس کی محافل کی شرعی حیثیت ۱۵۱
۷۳ ... مخصوص مذہبی ایام پر چراغاں کرنا ۱۵۳
۷۴ ... مذہبی تہواروں کی خوشی میں فائرنگ ۱۵۶
۷۵ ... بارہ ربیع الاول کے دن لنگر تقسیم کرنا ۱۵۶

۷۶ ... مسجد میں محفل میلاد کا انعقاد ۱۵۹
۷۷ ... مسجد میں محافل منعقد کرنا ۱۶۰
۷۸ ... لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی کرنا ۱۶۰
۷۹ ... محفلِ نعت گوئی ۱۶۱

۸ قوالی

۸۰ ... قوالی کی حقیقت ۱۶۴
۸۱ ... مزامیر کے ساتھ قوالی کے بارے میں اعلیٰحضرت کا فتویٰ ۱۶۶
۸۲ ... قوالی سننے اور کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ۱۶۶

۹ پیری مریدی

۸۳ ... پیر بننے کی شرائط ۱۶۸
۸۴ ... مختلف سلاسل میں بیعت اور تجدید بیعت ۱۶۹
۸۵ ... پیر یا شیخ کے سامنے عورت کا بے پردہ جانا ۱۶۹
۸۶ ... جعلی پیر ۱۷۰
۸۷ ... قطع تعلق کروانے والے پیر کا حکم ۱۷۱
۸۸ ... پیر اور مرید کا شریعت کی خلاف ورزی کرنا ۱۷۳
۸۹ ... پیر کا جھوٹ بولنا ۱۷۳
۹۰ ... مصلی پر بیٹھ کر ٹکے بجانا ۱۷۶
۹۱ ... بے عمل پیر کی بیعت توڑنا ۱۷۶
۹۲ ... ہاتفِ غیبی ۱۷۷
۹۳ ... بزرگ کی سواری آنا ۱۷۷
۹۴ ... پیر کے وضو کے پانی کو منہ پر ملنے کا حکم ۱۷۸

۱۴ فرقے

۱۸۹ ... اہل سنت وجماعت اور دیگر فرقوں کے درمیان اختلاف اصولی ہے یا فروعی ۲۸۵
۱۹۰ ... کیا صرف اہلسنت ہی جنت میں جائیں گے ؟ ۲۸۶
۱۹۱ ... بدمذہب کو کافر کہنے کا حکم ۲۸۷
۱۹۲ ... خارجی کون لوگ ہیں ؟ ۲۸۸
۱۹۳ ... اہل تشیع سے تعلقات رکھنے اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ۲۸۹
۱۹۴ ... یزید کا فسق و فجور ۲۹۳
۱۹۵ ... اثناء عشری اور اسماعیلیوں کا حکم ۲۹۵
۱۹۶ ... اسماعیلی / آغا خانی ۲۹۶
۱۹۷ ... توحیدی فرقہ ۲۹۶
۱۹۸ ... منکرِ حدیث کا حکم ۲۹۸
۱۹۹ ... دین دار انجمن ۲۹۹
۲۰۰ ... انجمن سرفروشانِ اسلام ۳۰۳
۲۰۱ ... کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت ۳۰۶
۲۰۲ ... وہابی کی نشانی ۳۰۷
۲۰۳ ... وہابی کے لیے حسن ظن ۳۰۷
۲۰۴ ... حفظ قرآن کو صحیح العقیدہ ہونے کی دلیل بنانا ۳۰۸
۲۰۵ ... کیا وہابی مسلمان ہیں ؟ ۳۰۹
۲۰۶ ... وہابیوں کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنا ۳۱۰
۲۰۷ ... وہابی استاد رکھنا ۳۱۱
۲۰۸ ... دیوبندیوں کو سلام کرنا اور ان سے تعلقات رکھنا ۳۱۲
۲۰۹ ... کافرہ عورت کو عزت دینا ۳۱۳
۲۱۰ ... تبلیغی جماعت کا اصل روپ ۳۱۶
۲۱۱ ... تبلیغی جماعت کی چلہ کشی ۳۱۹
۲۱۲ ... احکام تبلیغ ۳۱۹
۲۱۳ ... مودودی کی تفسیر " تفہیم القرآن " کا درس سننا ۳۲۰

میری والدہ ماجدہ کے ماموں مولانا عبدالحق صاحب پیلی بھیت میں قیام پذیر تھے اور اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت جب بھی پیلی بھیت تشریف لاتے تو ان کے یہاں ہی قیام فرماتے۔ "

مدرسہ آستانہ شیریہ میں آپ کے اساتذہ کرام :

اس مدرسہ میں آپ کے اساتذہ میں ایک مولانا حبیب الرحمٰن تھے جو کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور دوسرے مولانا عبدالحق تھے۔ یہ انتہائی قابل استاد تھے اور اکثر کتابوں کی عبارات آپ کو زبانی یاد تھیں۔ حضرت نے چار سال اس مدرسہ میں تعلیم پائی۔ اسکے بعد آپ کے استاد محترم مولانا حبیب الرحمٰن نے آپ کو مشورہ دیا کہ اب آپ مزید تعلیم کے لیے بریلی شریف چلے جائیں۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن نے ہی آپ کو بریلی شریف کے دارالعلوم " منظر الاسلام " میں داخلہ دلوایا۔

منظر الاسلام بریلی شریف میں آپ کے اساتذہ کرام :

بریلی شریف میں اس وقت صدر مدرس صدرالشریعہ حضرت علامہ امجد علی علیہ الرحمہ، مصنف " بہار شریعت " تھے اور دیگر مدرسین میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احسان الٰہی، حضرت مولانا سردار علی خان جو کہ اعلیٰ حضرت کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مہتمم مولانا تقدس میاں تھے۔

مدرسہ سعیدیہ میں حصول علم :

حضرت نے خود بیان فرمایا کہ " صدرالشریعہ بریلی شریف سے ضلع علی گڑھ کے ایک گاؤں " دادوں " چلے گئے تو میں بھی کچھ عرصہ کے بعد مزید تعلیم کے لیے صدرالشریعہ کی خدمت میں دادوں حاضر ہو گیا اور مزید تین سال تک صدرالشریعہ کے پاس تعلیم حاصل کرتا رہا۔ دورہ حدیث میں میرے ساتھ تعلیم حاصل کرنے والوں میں علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا مصطفیٰ علی اور مولانا خلیل صاحب تھے۔

دستار بندی :

۱۹۳۸ء میں آپ نے دورہ حدیث مکمل کیا اور اسی سال آپ کی دستار بندی ہوئی۔ صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت مولانا حکیم امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی دستار بندی فرمائی اور سند فراغ عطا فرمائی۔

منظر الاسلام میں مدت تدریس :

۱۹۳۸ء میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور سند فراغ عطا کی گئی اس کے ساتھ ہی آپ نے " منظر الاسلام " میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی آپ کو ناظم تعلیمات کا عہدہ بھی سونپا گیا۔ اس طرح آپ تقریباً دس سال تک یعنی ۱۹۳۸ تا ۱۹۴۸ء " دارالعلوم منظر الاسلام بریلی " میں تدریسی و انتظامی فرائض سر انجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں سینکڑوں تشنگان علوم نے آپ سے اکتساب فیض کیا، جو کہ آپ کے لیے " صدقہ جاریہ " ہے۔

شادی مبارک :

آپ کی شادی مبارک بھی ایک مذہبی گھرانے میں ۱۹۴۵ء میں ہوئی، آپ کی اہلیہ کے نانا اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اس طرح آپ کا سسرال بھی ایک مذہبی گھرانہ تھا۔ جس طرح آپ متقی و پرہیزگار تھے اسی طرح آپ کی شریکِ حیات بھی متقیہ و پرہیزگارہ ہیں۔

گھریلو زندگی :

آپ اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔

(۱) اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھو کر پہنتے،
(۲) پانی خود لے کر پیتے،
(۳) اہلیہ اگر آرام کر رہی ہوتیں تو کھانا بھی خود گرم کر کے کھا لیتے،
(۴) نمازِ تہجد کے لیے پانی خود گرم کرتے نیز اپنی زوجہ کے لیے بھی پانی رکھ دیتے اور نماز تہجد کے لیے اٹھاتے،
(۵) کبھی اپنی اہلیہ اور بچوں پر سختی نہیں کی،
(۶) ہر روز نمازِ عصر تا مغرب عام ملاقات فرماتے۔ دور دور سے لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے۔ تو گویا اس طرح آپ کا گھر بھی ایک دارالافتاء تھا۔

اولاد :

آپ کے چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔
جمیل وقار، مظہر وقار، نیّر وقار اور سرور وقار
آپ کے تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں شادی شدہ ہیں۔

مشتہر کیا گیا اور ایک انٹرویو لینے والی کمیٹی بنادی گئی۔ اس کمیٹی میں ایک تو حضرت خود تھے، دوسرے شیر بنگال اور تیسرے مولانا فرقان صاحب۔

۳۹ افراد انٹرویو میں شریک ہوئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جو تسلی بخش جواب دے سکتا ہو۔ اسی کو "قحط الرجال" کہتے ہیں۔ بہر حال اس محاورے کے تحت کہ "اندھوں میں کانا راجا"، ہم نے چند افراد کو تدریس کے لیے چھانٹ لیا۔

مدرسین کی اصلاح:

منتخب مدرسین کو آپ نے ایک لیکچر دیا اور فرمایا کہ "دیکھو ہم یہ چاہتے ہیں کہ مدرس کلاس میں کوئی غلط بات کہے نہ پڑھائے، اس سے مدرس کا رعب طلبہ پر کم ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ لوگوں کو دوسرے دن جو پڑھانا ہو اسے رات میں مطالعہ کرلیا کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو نوٹ کرلیں اور صبح کلاس میں جانے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا کریں"۔ حضرت کی ان ہدایات پر عمل کرنے کی وجہ سے دار العلوم احمدیہ سنیہ کے تعلیمی نظام میں بہتری پیدا ہوئی۔

دار العلوم کے طلباء کی نمایاں پوزیشن اور اس کے اثرات:

لیکن اسکے ساتھ ہی دار العلوم کے نام گورنمنٹ کا نوٹس آیا جس میں وہی نصاب پڑھانے کا کہا گیا جو دیگر مدارس میں پڑھایا جاتا تھا یعنی "عالیہ" کا نصاب۔ حضرت قبلہ نے بحیثیت ناظم تعلیمات گورنمنٹ کو جواب دیا کہ نصاب ہم اپنا ہی رکھیں گے لیکن جو امتحان گورنمنٹ کے تحت ہوتا ہے وہ ہمارے طلباء دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ "مولوی فاضل" کا امتحان ہوا۔ اس میں دار العلوم احمدیہ سنیہ کے بارہ طلباء نے شرکت کی تو بارہ کے بارہ نے فرسٹ کلاس پوزیشن حاصل کی اور گیارہ طلباء کو ۲۰ روپے مہینہ کی اسکالرشپ ملی۔

دار العلوم کے طلباء نے جب نمایاں پوزیشن سے امتحان پاس کر لیا تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اور دور دور تک دار العلوم کی شہرت ہو گئی۔ اس طرح دار العلوم کی کمیٹی بھی بڑی مطمئن ہو گئی۔

ہر عروجے را زوال:

اس تمام عرصہ میں مدرسے کے مہتمم ایک پیر صاحب تھے جنکا تعلق ہری پور ہزارہ مغربی پاکستان سے تھا۔ ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے دار العلوم کے مہتمم بنے۔ مدرسہ کمیٹی نے سوچا کہ بورڈ میں اتنی نمایاں پوزیشن حاصل ہوئی لیکن ہمارا نام تک نہیں آیا۔ بہرحال جب ریاکاری کا عمل شروع ہوتا ہے تو اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

وہ پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔

مدرسہ کمیٹی نے مدرسہ کے مہتمم سے کہا کہ دارالعلوم کا نصاب وہی مقرر کیا جائے جو گورنمنٹ کا ہے۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ایسا کرنے سے بہت روکا لیکن ان لوگوں نے اسے "انا" کا مسئلہ بنا کر مضبوط نظام تعلیم کو ناقص بنانا شروع کر دیا اور جھوٹ و فراڈ شروع کر دیا گیا بلکہ بعض چیزوں میں حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جھوٹ بولنے کا کہا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ "میں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم کو شرم آنی چاہیے کہ علماء سے کہتے ہو کہ جھوٹ بولو۔"

دارالعلوم احمدیہ سنیہ سے استعفیٰ:

جب آپ نے دیکھا کہ مدرسہ مکمل طوائف الملوکی کا شکار ہوتا جارہا ہے اور اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو آپ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اس منصب اور مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرلی جائے، اس طرح آپ نے غالباً ۱۹۶۳ء میں استعفیٰ دے دیا۔

دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد آپ کی مصروفیات:

حضرت نے جب دارالعلوم احمدیہ سنیہ سے استعفیٰ دیا تو مغربی پاکستان سے کئی مدارس والوں نے آپ کی طرف خطوط لکھے کہ آپ یہاں آجائیں۔ لیکن مذہبی خدمات کے اعتبار سے آپ نے چاٹگام میں مزید رہنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے متعلق دیوبندی کہا کرتے تھے کہ دیوبند کے عقائد کو جتنا نقصان اس شخص نے پہنچایا اتنا نقصان تو شیر بنگلہ سے بھی نہیں پہنچا۔ اسی لیے حضرت قبلہ نے مناسب سمجھا کہ میں ابھی مزید بنگال میں قیام کروں ورنہ یہاں اہلسنت کا مذہبی نقصان ہوگا۔ یہ ہے علمائے حقہ کا کردار کہ مسلک و عقیدہ کی حفاظت کے لیے اپنے آرام و سکون کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

اسپیکر فضل قادر چوہدری کا قول:

اسپیکر فضل قادر چوہدری کہا کرتے تھے کہ "عالم تو صرف ایک ہے جو مجھ کو مطمئن کر سکتا ہے اور وہ ہیں مفتی محمد وقار الدین۔"

اسپیکر فضل قادر چوہدری کی سنیت:

حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان نے بتایا کہ "فضل قادر چوہدری اسپیکر کے عہدہ پر ہی تھے کہ ان کے والد

کا انتقال ہو گیا۔ چوہدری صاحب کے ماموں وہابی عالم تھے اور وہاں قاعدہ یہ تھا کہ اگر اپنے گھر یا خاندان میں کوئی عالم ہو گا تو نماز جنازہ وہی پڑھائے گا۔ اگر وہ نہ پڑھائے تو یہ اس کی توہین پر محمول کیا جاتا تھا۔ چوہدری صاحب اپنے وہابی ماموں سے نماز جنازہ نہیں پڑھوانا چاہتے تھے۔ وہ اسکی بدمذہبی کی وجہ سے ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ اسپیکر صاحب کے ماموں نے بہن سے جاکر بات کی اور کہا کہ اگر نماز جنازہ میں نے نہ پڑھائی تو اس میں میری رسوائی ہو گی۔ لہذا آپ کوشش کریں تاکہ نماز جنازہ میں ہی پڑھاؤں۔ چنانچہ والدہ نے آپ سے کہا کہ آپ کے ماموں نماز جنازہ پڑھائیں گے تو چوہدری صاحب نے والدہ سے عرض کی کہ وہ وہابی عقائد رکھتے ہیں لہذا میں ان سے نماز جنازہ نہیں پڑھواؤں گا۔ لیکن جب والدہ کی طرف سے اصرار ہوا تو آپ نے والدہ کی بات کا لحاظ رکھا۔ لیکن خود ماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ جب جنازہ ہونے لگا تو پندرہ بیس آدمیوں کے ساتھ آپ الگ کھڑے ہوگئے اور میت کو جہاں دفن کرنا تھا۔ وہاں جا کر آپ نے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی، نماز جنازہ ادا کی اور پھر تدفین کی گئی۔

مشرقی پاکستان میں آپ کے بد مذہبوں سے مناظروں کی اجمالی تفصیل:

آپ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ مشرقی پاکستان میں گزرا۔ تقریباً تیس سال (۱۹۴۸ء تا ۱۹۷۱ء) تک آپ مشرقی پاکستان میں سکونت پذیر رہے۔ اس عرصے میں اہل مشرقی پاکستان نے آپ کی علمی دولت سے خوب استفادہ کیا۔ اس دوران میں آپ کے کئی مناظرے بھی ہوئے جن میں زیادہ تعداد غیر مقلدین (اہلحدیث) اور دیوبندیوں سے مناظروں کی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب لبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل ہر مناظرہ میں آپ کو کامیابی ہوئی۔ آپ کے سب سے زیادہ مناظرے مشرقی پاکستان ہی میں ہوئے۔ ان مناظروں کی تفصیل جاننے کے لیے حضرت کی سوانح "حیات وقار الملت" کی طرف رجوع کیجیے۔

علماء سوء کے خلاف جہاد:

حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ جب مشرقی پاکستان تشریف لے گئے تو وہاں اہلسنت و جماعت کا کوئی عالم ہی نہیں ملتا تھا۔ ہر طرف نجدیت و وہابیت چھائی ہوئی تھی مگر جب آپ نے علمی کام شروع کیا اور دارالعلوم احمدیہ سنیہ میں آپ نے شب و روز محنت کی تو سینکڑوں علماء کرام نے وہابیہ کے عقائد سے متعلق کتب منگوائیں اور جگہ جگہ علماء اہل سنت کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا جن کے ذریعے وہابیہ کے عقائد سے عوام کو آگاہی ہوئی۔

چاٹگام میں تو سنیت کے لیے بہت کام ہوا۔ ڈھاکہ میں ایک مولانا تھے جو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ انھوں نے مفتی صاحب کی کتابوں کا بنگالی میں ترجمہ کر دیا اور وہ کتابیں عوام میں تقسیم کی گئیں۔ اسی طرح مغربی پاکستان سے علامہ مولانا احمد سعید کاظمی اور علامہ عارف اللہ شاہ رحمہما اللہ تعالیٰ کو وہاں بلا کر جلسے

کرائے گئے جس سے کافی حد تک عوام میں شعور پیدا ہوا۔ حضرت قبلہ مذہبی جلسوں وغیرہ میں کسی قسم کا نذرانہ نہیں لیتے تھے۔ لیکن آپ کا موقف یہ تھا کہ عوام کو چاہیے کہ علماء کی مالی اعانت کریں تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد رہ کر مذہب و مسلک کا کام احسن طریقے سے سرانجام دے سکیں۔

الحبیب پریس :

مدرسہ احمدیہ سنیہ چھوڑنے کے بعد آپ نے " الحبیب " نام سے ایک پریس لگانے کا ارادہ کیا اور اسکے لیے قانونی طور پر اجازت لینا چاہی تو علماء سو نے آپ کی بڑی مخالفت کی۔ آخر کار بڑے کٹھن مراحل سے گزرنے کے بعد آپ کو کامیابی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کو سرخرو کیا اور آپ نے پریس لگا لیا۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ کسی جاندار کی تصویر نہیں چھاپیں گے تو احباب نے عرض کیا کہ پریس چلے گا کیسے ؟ تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ ضرور چلے گا۔ چنانچہ آپ کی معاشی ضروریات اس پریس سے پوری ہوتی رہیں۔

پریس میں دارالافتاء :

پریس ہی میں آپ نے افتاء کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا لوگ آتے اور آپ سے اپنے مسائل کا حل دریافت کرتے ، تحریراً اور زبانی آپ فتاوی دیتے رہے اور اسی عرصہ میں مناظرے بھی ہوتے رہے۔ الحمدللہ سب کی ضرورت کے مطابق دین کی خدمت ہوتی رہی۔ آپ کا پریس ۱۹۷۱ء تک چلتا رہا۔ ۱۹۷۱ء کے ملٹری آپریشن میں وہ مارکیٹ تباہ ہو گئی جس میں آپ کا پریس تھا۔ اس طرح آپ کا پریس بھی ختم ہو گیا۔

مغربی پاکستان تشریف آوری :

مشرقی پاکستان کے حالات جب بہت زیادہ خراب ہو گئے تو حضرت نے دوسری مرتبہ ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو آپ نے مغربی پاکستان کے لیے رختِ سفر باندھا۔ پاکستان تشریف لانے کے مرحلے میں آپ کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت سخت بے چینی پائی جاتی تھی ، لوگ افراتفری کا شکار تھے ، جہاز کا ٹکٹ ملنا انتہائی مشکل ہو رہا تھا اور ایسے حالات میں صرف اپنا اور اپنے اہل و عیال کے ٹکٹ کا بندوبست ہی نہیں کرنا تھا بلکہ ایک اور ساتھی تھے جنکی فیملی کے ٹکٹ کا بھی انتظام کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مرحلہ آپ کے لیے آسان ہوا اور آپ کو ٹکٹ مل گئے۔ اب گھر سے بندرگاہ تک پہنچنے کا مشکل مرحلہ درپیش تھا ، کیونکہ راستے میں ہنگامے ، بلوا ، لوٹ مار کے واقعات عام تھے ، بہرحال ان تمام مشکلوں کے باوجود آپ ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو مغربی پاکستان کے لیے روانہ ہوئے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بارے میں آپ کے تاثرات :

آپ نے فرمایا کہ اسلام مسلمانوں کو اتحاد و اخوت کا درس دیتا ہے اور تقاضاءِ ایمان ہے کہ اس کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ جیسا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا گیا اور انہوں نے اس رشتہ کو بڑی خوبصورتی سے نبھایا۔ اسلام تمام لسانی، قومی، وطنی، علاقائی اور طبقاتی کشمکش کا خاتمہ چاہتا ہے۔ مسلمان قوم کی ترکیب کلمہ اور ایمان پر ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

جب آپ کسی قوم یا شخص سے انتہائی نفرت کرنے لگیں تو ایک نہ ایک دن ضرور اس نفرت کے برے نتائج دیکھنے میں آتے ہیں بس اسی نفرت کی وجہ سے ہم وطن عزیز کے ایک بڑے اور اکثریت والے حصہ سے محروم ہو گئے۔

دارالعلوم امجدیہ سے وابستگی :

حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ مغربی پاکستان پہنچے تو پہنچتے ہی جب دارالعلوم امجدیہ کے مہتمم حضرت قبلہ علامہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت شیخ الحدیث عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپ کی پاکستان آمد کی اطلاع ہوئی تو دونوں احباب آپ کے پاس تشریف لائے اور دارالعلوم امجدیہ کی علمی سرپرستی فرمانے کی درخواست کی۔ حضرت نے ان حضرات کو جواب دیا کہ " علامہ ازہری میرے ہم سبق ہیں اور بھر بریلی میں ایک ساتھ تدریس کی اور اسکے علاوہ استاد زادے بھی ہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک جگہ رہنے سے اتنے عرصہ کی دوستی میں کسی قسم کی فکر رنجی پیدا ہو جائے "۔ علامہ ازہری نے فرمایا کہ آپ مجھے جانتے ہیں اور میں آپ کو، انشاء اللہ ہمارے درمیان دوستی میں مزید پختگی آئے گی۔ چنانچہ ان حضرات کے اصرار پر حضرت نے ۱۹۷۱ء ہی میں امجدیہ میں اپنی خدمات پیش کریں۔ "

دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت ناظم تعلیمات :

ناظم کے معنی ہیں انتظام کرنے والا، جہاں اور جس کے لیے یہ لفظ استعمال ہو گا وہاں خود بخود یہ احساس ہو جاتا ہے کہ یہ شخص بڑی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اور پھر ناظم تعلیمات ہونا، یہ بڑے کمال کی بات ہے۔ قوموں

کی ترقی اور سربلندی میں یہ منصب بڑا مرکزی کردار ادا کرتا ہے جہاں بھی نظام تعلیم بہتر ہوگا وہاں کی اخلاقی قدریں بلند ہونگی ، قوم سربلند ہوگی اور ماہرین پیدا ہوں گے جو ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ حضرت قبلہ کی زندگی کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب کے لیے چن لیا تھا کیونکہ آپ کی حیات مبارکہ تین ملکوں میں گزری ، ہندوستان ، بنگلہ دیش اور پاکستان ۔ اور ان تینوں ممالک میں آپ نے مختلف اداروں میں بحیثیت ناظم تعلیمات فرائض منصبی سرانجام دیے ۔ ہم پہلے اس جانب اشارہ دے چکے ہیں کہ چاٹگام میں مدرسہ احمدیہ سنیہ میں آپ نے جو اصلاحات کیں ان کی وجہ سے دارالعلوم کے طلباء بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لینے میں کامیاب ہوئے اور حکومت کی طرف سے ان کے لیے وظائف بھی مقرر ہوئے ۔ اسی طرح دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت ناظم تعلیمات آپ کی جو خدمات ہیں ان کا کسی حد تک اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ شیخ الحدیث حضرت علامہ افتخار احمد قادری اور حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز حنفی دامت برکاتہم دارالعلوم امجدیہ ہی کے فیض یافتگان ہیں ۔ ان کے علاوہ دارالعلوم امجدیہ کے اکثر مدرسین بھی یہیں سے فیض یاب ہیں ۔

بحیثیت مفتی اعظم آپ کی خدمات :

ناظم تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ سے دارالافتاء کی سرپرستی کرنے کی بھی درخواست کی گئی ۔ افتاء کے شعبہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مہارت تامہ عطا فرمائی تھی ۔ دارالعلوم امجدیہ میں جب آپ نے افتاء کا شعبہ سنبھالا تو سائلین کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا اور دنیا کے کونے کونے سے آپ کے پاس سوالات آتے تھے ۔ اس بات کا اندازہ آپ " وقارالفتاوی " کے سائلین سے لگا سکتے ہیں ۔ آپ کے دیئے گئے جوابات کو کوئی بھی مفتی چیلنج نہیں کر سکا ۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے پرائز بانڈ پر ملنے والے انعام کو جائز قرار دیا ۔ یہ آپ کا اجتہاد ہے ۔ آپ نے حدیث کی روشنی میں اس کا حکم متعین کیا اور مزید دلائل دے کر گیارہ روپے والے بانڈ کے علاوہ باقی تمام بانڈز اور ان پر ملنے والے انعام کو جائز رکھا ۔ مکمل تفصیل آپ باب " حلال " میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔

آپ کی طرف سے جاری کردہ یہ فتویٰ آپ کی حیات مبارکہ میں چھپ کر منظر عام پر آیا اور لوگوں میں تقسیم ہوا تو جو لوگ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے فتویٰ کے رد میں جواب لکھ سکے ۔ الا یہ کہ مفتی ولی حسن ٹونکی مفتی دارالعلوم بنوریہ ٹاؤن نے کسی سائل کے جواب میں دو دلیلیں دیکر اسکا جواب دیا ، پھر جب وہ فتویٰ حضرت قبلہ مفتی اعظم کے پاس آیا تو آپ نے ان کی دی گئی دونوں دلیلوں کو قواعدِ فقہ کی روشنی میں رد کردیا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جامع معقول و منقول مفتی اعظم پاکستان حضرت قبلہ علامہ مولانا مفتی محمد وقارالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفتی دارالعلوم امجدیہ اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے اور اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ۔

فقہ میں آپ کا مقام :

یوں تو ہر صاحب علم آدمی کا مقام و مرتبہ عام آدمی سے بہت بلند ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا :

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

(سورۃ (۳۹) الزمر ، آیت : ۹)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجیے کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں ؟
یعنی برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سورۃ (۵۸) مجادلہ ، آیت : ۱۱ ، میں ارشاد ہوا۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت واللہ بما تعملون خبیر ۝
اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ارشاد ہوا :

عن امامۃ الباھلی قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلان احدہما عابد والاخر عالم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ و ملائکتہ و اھل السموٰت والارضین حتی النملۃ فی جحرھا و حتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر

(ترمذی ، حصہ دوم ، ابواب العلم ، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادہ)

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عابد اور ایک عالم کا ذکر کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے معمولی شخص پر ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی (پانی میں) لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔

ان آیات اور احادیث سے علم والے کی فضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہے لیکن علم فقہ میں کمال حاصل کرنے والے کی فضیلت کہیں زیادہ ہے یعنی فقیہ کا مقام و مرتبہ محدث ، عالم اور حافظ وغیرہ سب سے بلند ہے۔

فقاہت فی الدین حاصل کرنے کا حکم :

قرآن کریم میں ارشاد ہوا :

وما کان المومنون لینصروا کافۃ فلو لا نفر من کل فرقۃ منهم طآئفۃ لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون (سورۃ (۹) التوبۃ ، آیت : ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کرلے اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قبائل عرب میں سے ہر ہر قبیلہ سے جماعتیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے مسائل سیکھتے اور فقہ حاصل کرتے اور دریافت کرتے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا حکم دیتے اور نماز و زکوٰۃ کی تعلیم کے لیے انہیں ان کی قوم پر مامور فرماتے۔ جب وہ لوگ اپنی قوم میں پہنچتے ، تو اعلان کردیتے کے جو اسلام لائے وہ ہم میں سے ہے اور لوگوں کو خدا کا خوف دلاتے اور دین کی مخالفت سے ڈراتے یہاں تک کہ لوگ (دین کی محبت میں) اپنے والدین تک کو چھوڑ دیتے۔

حدیث میں فرمایا گیا :

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (ابن ماجہ ، صفحہ : ۲۰ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور علوم میں فقہ افضل ترین علم ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا :

اللہ تعالیٰ جس کے لیے بہتری چاہتا ہے اسکو دین میں فقیہ بناتا ہے ، میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔

(بخاری ، جلد اول ، کتاب العلم ، باب : من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین)

ایک اور حدیث میں یوں فرمایا گیا :

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابد

(ترمذی ، حصہ دوم ، کتاب العلم ، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)

ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے فرماتے ہیں : فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے : ایک فقیہ ، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

ان آیات و احادیث سے پتہ چلا کہ علم فقہ اور فقیہ کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ اللہ جل مجدہ نے حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو علم فقہ میں بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ یوں تو وہ تمام علوم و فنون جو درس نظامی میں رائج ہیں ان میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ لیکن علم فقہ سے آپ کو خاص شغف تھا۔ جب آپ کسی مسئلہ کا جواب

دیتے تو ہمیشہ معتبر اور راجح کتب فتاوی سے حوالہ رقم فرماتے۔ فتاوی شامی تو گویا آپ کو ازبر تھا۔ اسی طرح آپ جواب میں دلائل کا انبار لگا دیتے تھے۔

اقامت میں "حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح" پر کھڑے ہونے سے متعلق آپ سے تفصیلی فتوی دلائل کے ساتھ مانگا گیا اسی طرح مدرسہ نیو ٹاؤن گرو مندر والوں سے بھی اسی مسئلہ پر فتوی مانگا گیا۔ تو نیو ٹاؤن والے (جو اپنے آپکو حنفی کہلاتے ہیں اور اقامت میں شروع ہی سے امام و مقتدی کے کھڑے ہونے کے قائل ہیں۔) اپنے موقف میں ایک بھی دلیل فقہ حنفی سے پیش نہ کر سکے اور آپ نے فقہ حنفی کی معتبر کتب فتاوی سے تقریباً تیس (۳۰) سے اوپر عبارات درج فرمائیں۔ جن سے یہ ثابت ہے کہ اقامت میں شروع ہی سے کھڑا ہونا امام و مقتدی دونوں کے لیے مکروہ ہے اس کے بجائے حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے۔

اسی طرح سے سائل کی بات کو آپ فوراً سمجھ جاتے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ علماء آپ کی محفل میں موجود ہوتے اور کوئی سائل سوال لیکر آتا جب وہ اپنا سوال بیان کرتا تو آپ اس کا ایسا جواب دیتے کہ سب کے سب سبحان اللہ پکار اٹھتے۔ ایک مرتبہ طلاق کا ایک مسئلہ آپ کے سامنے آیا اور وہ دونوں سابق میاں بیوی آپ کے پاس آئے اور آکر اس کیفیت کو بیان کیا کہ جس میں اس شخص نے طلاق دی تھی۔ شوہر کا بیان کچھ یوں تھا کہ "میرا، والد صاحب سے کاروبار کے سلسلہ میں تنازع ہوا اور میں سخت غصے میں تھا اور ایسی کیفیت میں کہ میرے منہ سے غصہ کی وجہ سے تھوکیں وغیرہ بھی نکل رہی تھیں، میری والدہ وغیرہ نے مجھے سمجھایا لیکن میں آپے سے باہر ہو رہا تھا اور بالکل جنون طاری تھا۔ اسی اثنا میں میری بیوی آگئی اور وہ بھی مجھے سمجھانے لگی تو میں نے اس کو طلاق دے دی یعنی حالت جنونیت میں۔"

اس وقت جو علماء و طلباء بیٹھے ہوئے تھے بڑے متفکر تھے کہ ایسی حالت میں کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ یہ شخص طلاق دینے کے وقت اپنے ہوش و حواس سے عاری ہونے کا بیان دے رہا ہے اور اسکی سابقہ بیوی بھی اس کی کیفیت کو تسلیم کر رہی ہے۔ تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ جب تمہاری والدہ سمجھانے کے لیے آئیں تو تم نے وہاں یہ الفاظ استعمال نہیں کیے، بہنیں اور بھائی تمھیں سمجھانے آئے تو پھر بھی تم نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا لیکن جب بیوی آئی تو اسکے لیے لفظ طلاق استعمال کیا تو معلوم ہوا کہ تم مجنون نہیں تھے کیونکہ بیوی کے سامنے آنے پر تم نے اس کو پہچانا اور سمجھا کہ طلاق کا حق میں اسی پر استعمال کر سکتا ہوں اور تم نے کیا۔ چنانچہ اس طرح سمجھانے اور جواب دینے سے وہ دونوں بھی مطمئن ہوئے اور دیگر جو علماء و طلبہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی آپ کی اس عظیم فقاہت سے محظوظ ہوئے۔

دیت کے مسئلہ میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کی گرفت :

ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے جنرل ضیاء کے دور حکومت میں عورت کی دیت کے معاملے میں کافی بڑھ چڑھ کر بیانات دیئے کہ عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کے برابر ہے اس سلسلہ میں کئی اخبارات میں ڈاکٹر صاحب کے بیانات آئے ۔ نوائے وقت کراچی نے تو پورا ایک ایڈیشن طاہر القادری صاحب کے بیان کا چھاپا ۔ اور پاکستان بھر میں کئی علماء کرام سے بھی اس سلسلہ میں طاہر القادری صاحب کی بات چیت ہوئی ، مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا ۔ پروفیسر صاحب نے دارالعلوم امجدیہ میں شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری اور وقار الملت والدین حضرت قبلہ مفتی محمد وقار الدین رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما سے رابطہ کیا کہ میں آپ حضرات سے عورت کی دیت کے مسئلے میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں ۔ چنانچہ ان بزرگوں نے قادری صاحب کو دارالعلوم میں وقت دیا اور بند کمرہ میں گفتگو شروع ہوئی ۔ دوران گفتگو بحیثیت سامع دارالعلوم امجدیہ کے چند اساتذہ کرام بھی موجود تھے ۔ قادری صاحب اپنے موقف میں دلائل کے انبار لگاتے رہے اور یہ حضرات سنتے رہے ۔ علامہ ازہری نے ازراہ تفنن فرمایا کہ پروفیسر صاحب ویسے عورت کی دیت تو اجماع سے ثابت ہے کہ آدھی ہے لیکن ہم آپ کی بیوی کی پوری دیت دلوا دیں گے ۔

حضرت مفتی اعظم کا موقف :

اپنے وقت کے فقیہ اعظم جامع معقول و منقول حضرت قبلہ علامہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ و نور اللہ مرقدہ ، اللہ تعالیٰ اپنی کروڑوں رحمتیں آپ کی قبر انور پر نازل فرمائے ۔ آپ نے ڈاکٹر صاحب کی تمام گفتگو سننے کے بعد کے بعد پوچھا کہ " آپ نے جو دلائل دیئے ہیں بحیثیت مقلد کے دیئے ہیں یا مجتہد ؟ اگر آپ نے مجتہد کی حیثیت سے دیئے ہیں تو ہم آپ کو مجتہد نہیں مانتے کیونکہ آپ میں وہ شرائط نہیں پائی جاتیں جو ایک مجتہد میں پائی جانی چاہئیں اور اگر آپ نے مقلد کی حیثیت سے دیئے ہیں تو مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے امام کے مقابل اجتہاد کرے ۔ " پروفیسر صاحب نے اپنے موقف میں قرآن کی یہ آیت بطور دلیل پیش کی :

ومن قتل مؤمناً خطأً فتحرير رقبة مؤمنة و دية مسلمة الى اهله

(سورۃ (۴) النساء ، آیت : ۹۲)

اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کے سپرد کیا جائے ۔

کہ یہ آیت مطلق ہے اور اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے " المطلق یجری علی اطلاقہ " ۔ یعنی مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو دیت مرد کی ہے وہی عورت کی ہے ۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم نے فرمایا کہ یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور اس کی تشریح صحابہ کے عمل سے معلوم ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ " مقادیر شرعیہ " کا تعین تعامل صحابہ سے ہوتا ہے اور اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ۔ لہٰذا آپ نے

جو عورت کی دیت کو مرد کی دیت پر قیاس کیا وہ اس اصول کے خلاف ہے۔

آپ کی اس بات کا قادری صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور نہ بن سکا اور یہ اصول ہے کہ وہ مسئلہ جس میں اجتہاد ہو چکا ہو تو بعد والوں کے لیے اسی اجتہاد کو اپنانا ضروری ہے۔ علامہ ابن خلدون نے بھی فصل ششم میں علم فقہ کے زیر عنوان اس امر کی تصریح کی ہے۔ ہاں جو جدید مسئلہ ہو اس میں اس وقت کے اہل علم جو مجتہد کی شرائط پر پورے اترتے ہوں مل کر اجتہاد کریں اور اس کا کوئی ایسا حل نکالیں جو قرآن و سنت کی روح کے خلاف نہ ہو تو یہ جائز ہے اور ایسا ہونا چاہیے۔

نوٹ :

عورت کی دیت مرد کے مقابل میں آدھی ہے اس حقیقت کو جاننے کے پروفیسر طاہر القادری صاحب نے جس آیت کو اپنے موقف کی دلیل بنایا اس آیت کی تفسیر کو تفسیر مظہری میں ملاحظہ فرمائیے۔ تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ:

> قتل کے معاملہ میں (عورت کی) دیت کا آدھا ہونا (مرد کے مقابل) اجماعاً ثابت ہے۔

(جلد سوم، صفحہ: ۲۰۹، مطبوعہ: ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، کراچی)

اور اہل علم پر واضح ہے کہ جو اجماع کی مخالفت کرے اسکے لیے کیا حکم ہے۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ

اسی طرح جدید مسائل کے جوابات دینے میں آپ کو ید طولیٰ تھا۔ جدید مسائل میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے مسئلے میں آپ کا موقف یہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا، پڑھانا درست نہیں۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں مکمل تحقیق فرمائی اور انجینئر حضرات سے رابطہ کیا کہ لاؤڈ اسپیکر اسی آواز کو بڑھا کر پیش کرتا ہے یا کہ نئی آواز پیدا کرتا ہے۔ تو انجینئر حضرات نے آپ کو جواب دیا کہ وہ نئی آواز اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے سے نماز نہیں ہوتی۔ اور آپ اس موقف پر بدستور قائم رہے اور کبھی بھی آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز نہیں پڑھائی اور نہ پڑھی۔

لاؤڈ اسپیکر سے متعلق آپ کی کرامت

حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان مسجد ابراہیم بلاک ۶ گلستان مصطفیٰ (فیڈرل بی ایریا) میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علاقہ کونسلر نے کہا کہ بلاک ۴، ۵ اور ۶ والے ایک ساتھ نماز عیدین شاہد پارک بلاک ۶ میں

ادا کیا کریں اور خطابت اور امامت حضرت قبلہ مفتی محمد وقار الدین فرمایا کریں گے۔ چنانچہ ایک نماز عید الفطر حضرت کی اقتدا میں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ادا کی گئی۔ مسجد ابراہیم کے نمازیوں کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال ہونا چاہیے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اگر لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوگا تو میں نماز نہیں پڑھاؤں گا چنانچہ بقرہ عید پر انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جائے اور خطابت و امامت جامع مسجد گلفشاں بلاک ۳ کے خطیب صاحب فرمائیں گے۔

چنانچہ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ نماز عید کی تقریر شروع کرنے سے پہلے ہی لاؤڈ اسپیکر خراب ہو گیا اور نماز کیا تقریر بھی لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہوئی۔ پھر اس کے بعد کی عید الفطر آئی تو اس میں بھی لاؤڈ اسپیکر خراب رہا اور نماز ہو چکنے کے بعد خطبے کے دوران ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد نماز عید کا اجتماع وہاں ہونا ختم ہو گیا اور لوگ اپنی اپنی مساجد میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ اس بات کے گواہ ہزاروں افراد ہیں جو وہاں نماز عید پڑھنے آتے تھے۔ یقیناً یہ حضرت کی بہت بڑی کرامت تھی اور حضرت کے اس موقف کی قدرتی تائید بھی ملتی ہے کہ نماز میں لاؤڈ کا استعمال درست نہیں۔ اس کے علاوہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے "مکبّرین" والی سنت بھی فوت ہوتی ہے۔

دارالعلوم امجدیہ اور مسند شیخ الحدیث:

دارالعلوم امجدیہ کی خوش قسمتی رہی کہ اسے یگانہ روزگار ہستیاں ملیں۔ مسند شیخ الحدیث پر عرصہ دراز تک جگر گوشہ صدر الشریعہ، جامع معقول و منقول شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و نور اللہ مرقدہ مسند نشین رہے۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علم کا سمندر تھے، سادگی کا ایک اعلیٰ نمونہ، سماجی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے آپ کی شخصیت ہر دلعزیز تھی۔

فرائض منصبی سے گہرا لگاؤ:

بحیثیت مدرس و معلم استاذ کا فرض ہے کہ وہ اسکول و مدرسہ میں وقت سے پہلے پہنچے اور اگر وقت سے پہلے نہیں پہنچ پاتا تو کم از کم وقت پر تو ضرور حاضر ہو۔ علامہ ازہری علیہ الرحمہ کی یہ خوبی تھی کہ وہ ہمیشہ دارالعلوم میں وقت سے پہلے پہنچ جاتے تھے، حالانکہ آپ کی رہائش سب مدرسین کے مقابلے میں زیادہ دور تھی۔ آپ سعود آباد،

ملیر میں رہائش پزیر تھے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ نماز فجر سے پہلے ناشتہ فرماتے اور نماز فجر پڑھکر فوراً دارالعلوم کے لیے چل دیتے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دارالعلوم امجدیہ میں نمازی نمازِ فجر سے فارغ ہوئے اور تھوڑی ہی دیر بعد علامہ ازہری دارالعلوم میں موجود ہوتے۔

فن تدریس سے گہرا شغف :

پہلا پیریڈ بخاری شریف کا ہوتا تھا جو کہ ڈیڑھ سے پونے دو گھنٹے تک چلتا تھا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیے وقفہ ہوتا، حضرت اس وقفے میں چائے نوش فرماتے۔ دورہ حدیث کے طلباء نے حضرت سے اصرار کیا کہ چائے ہمیں بھی ملنی چاہیے تو حضرت نے طلباء کے لیے بھی چائے بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ طلباء کو بھی چائے ملنے لگی۔ طلبہ اپنی عادت کے مطابق دوسرے پیریڈ میں تاخیر کرتے تو حضرت ایک ایک کو بلاتے اور پھر تدریس شروع فرماتے۔ اسی طرح دوران تدریس عام ملاقات سے سخت اجتناب فرماتے تھے تاکہ پڑھائی کا تسلسل نہ ٹوٹے۔

علامہ ازہری کا ڈیسک :

احادیث مبارکہ میں مختلف اشیاء کے نام آتے ہیں حضرت شیخ الحدیث نے طلبہ کو دکھانے کے لیے کئی چیزیں اپنے ڈیسک میں رکھی ہوئی تھیں۔ مثلاً " اذخر " گھاس تو آپ نے اس کی ایک شنی اپنے پاس رکھی ہوئی تھی اور اسی طرح چند اور چیزیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے کئی چیزیں رکھی ہوئی تھیں لیکن وہ ضایع ہو گئیں۔

ذہانت و حافظہ :

علامہ ازہری کو اللہ تعالیٰ نے کمال کا حافظہ عطا کیا تھا۔ راقم جب فاضل عربی کا امتحان دے رہا تھا۔ یہ ۱۹۸۳ء کے اواخر کی بات ہے۔ پہلے پرچے (" ادبیات نظم " جس میں دیوان حماسہ اور دیوان متنبی وغیرہ مطول کتب شامل نصاب ہیں) کے سلسلے میں راہنمائی حاصل کرنے اور چند اشعار کا ترجمہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا تو میں نے شعر کا پہلا لفظ ہی پڑھا تھا کہ آپ نے کئی اشعار پڑھ کر سنا دیئے۔ پھر ان کا ترجمہ بھی کیا اور فرمایا کہ آج سے تقریباً 50 سال پہلے میں نے یہ کتابیں جامعہ ازہر میں پڑھی تھیں۔ یعنی 50 سال پہلے کے پڑھے اور یاد کیے ہوئے اشعار اب تک یاد تھے (سبحان اللہ)۔ عربی زبان پر آپ کو عبور حاصل تھا اور آپ بڑی فصیح و بلیغ عربی بولتے تھے، اسکے علاوہ آپ کو عربی ادب میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، آپ واقعی امام ادب تھے۔

مسند شیخ الحدیث :

آپ تقریباً پچاس سال سے اوپر " شیخ الحدیث " کے منصب عظیم پر فائز رہے اور اسی منصب پر رہتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا ۔ آخری عمر میں بینائی کافی کمزور ہو چکی تھی ۔ چشمہ کے باوجود بہت کم نظر آتا تھا ۔ لیکن بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح ستہ آپ کو ازبر تھیں ، آپ کو حافظ الحدیث کا خطاب دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا ۔ دورہ حدیث کے طلباء حدیث پڑھتے جاتے اور آپ سماعت فرماتے ، طالب علم عبارت پڑھتے ہوئے کسی قسم کی غلطی کرتا تو فوراً اصلاح فرماتے ۔

آپ کی سیاسی زندگی :

آپ ابتداءً جمعیت علماء پاکستان سے وابستہ ہوئے اور صوبہ سندھ کے صدر رہے ۔ آپ دو مرتبہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔ پہلی مرتبہ J.U.P. کے ٹکٹ پر اور دوسری مرتبہ غیر جماعتی الیکشن ۱۹۸۵ء میں ۔ اس کے علاوہ مجلس شوریٰ کے ممبر بھی منتخب ہوئے ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں لفظ " مسلمان " کی جو تعریف شامل ہے وہ آپ ہی کی بیان کردہ ہے ۔

آپ کی الیکشن مہم پاکستان کے تمام حلقوں سے کھڑے ہونے والوں سے الگ نوعیت کی ہوتی تھی ۔ یعنی کرایہ کی گاڑی میں بیٹھ کر چند جگہ جاتے باقی زیادہ وقت دارالعلوم میں پڑھانے میں گزارتے ۔ لوگ آ کر کہتے کہ حضرت یہ وقت الیکشن مہم کا ہے تو آپ فرماتے اگر کامیاب ہونا ہوا تو ہو جاؤں گا باقی یہ سب کچھ مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔

انتقال پر ملال :

آپ حدیث کی تعلیم دے رہے تھے کہ دورانِ درس آپ پر فالج کا اٹیک ہوا ۔ نو ماہ تک آپ بستر علالت پر رہے اور ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۹ء خالق حقیقی سے جا ملے ۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ۔ آپ کو دارالعلوم امجدیہ کی مسجد " مسجد امجدی " کی مشرقی جانب دفن کیا گیا ۔

حضرت قبلہ مفتی اعظم علیہ الرحمۃ مسند شیخ الحدیث پر :

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رحلت کے بعد حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین " شیخ الحدیث " کی مسند پر متمکن ہوئے اور درسِ حدیث دینے لگے ۔ نائب شیخ الحدیث کا منصب پہلے سے ہی آپ کے پاس تھا کیونکہ علامہ ازہری کی عدم موجودگی میں دورہ حدیث کے طلباء کو آپ ہی پڑھایا

کرتے تھے۔ اس طرح تین اہم عہدے بیک وقت آپ کے پاس رہے۔ یعنی ناظم تعلیمات، افتاء اور شیخ الحدیث۔

تدریس میں ملکہ :

فن تدریس میں آپ کو کمال حاصل تھا، تدریس میں عمر گزر گئی تھی لیکن پھر بھی دوسرے دن پڑھایا جانے والا سبق رات کو مطالعہ کر کے آرام فرماتے تھے۔ جو طالب علم ایک مرتبہ آپ سے سبق پڑھ لیتا، پھر کسی دوسرے استاد کے پاس پڑھنے سے اسے وہ چاشنی حاصل نہیں ہو پاتی تھی جو آپ کے حلقہ درس میں تشنگان علم اپنی علمی پیاس بجھانے میں محسوس کرتے تھے۔ دوران تدریس خود ہی سوال بنا کر اس کا جواب دیتے کیونکہ آجکل کا طالب علم سوال کرنے سے گھبراتا ہے۔ آپ کا جواب ہمیشہ مختصر اور جامع ہوتا تھا گویا یہ حقیقت تھی کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیتے تھے۔ ("خیر الکلام قل و دل" یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور مطلوب تک پہنچا دے
)

علمی قابلیت

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نے کئی علوم حاصل کیے جنکی فہرست کو اگر دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی مختصر سی زندگی میں اتنے علوم کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ جسے نوازنا چاہتا ہے اسے نواز دیتا ہے۔ آپ کو مندرجہ ذیل علوم پر خاص دسترس حاصل تھی۔

علم القرآن، علم الحدیث، علم الکلام، علم الفرائض، علم فقہ، علم المعانی، علم ہندسہ، نحو، صرف، منطق، فلسفہ، حساب، توقیت، تاریخ، ادب، علم فلکیات وغیرہ

تقوی اور پرہیزگاری

تقوی اور پرہیزگاری کے معاملہ میں آپ کی شخصیت کو آپ کے معاصرین بطور مثال پیش کرتے تھے۔ اور یہ حقیقت تھی کہ تقوی میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ ظاہر و باطن میں اللہ جل مجدہ سے ڈرنے والے تھے۔ یقیناً آپ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں شامل تھے جن کے لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ الذین امنوا و کانو یتقون ○ لھم البشری فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاخرۃ لا تبدیل لکلمٰت اللہ ذلک ھو الفوز العظیم ○

(سورۃ (۱۰) یونس، آیات: ۶۱،۶۲،۶۳)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری

کرتے ہیں۔ انھیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر خزائن العرفان میں ولی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو، جب دیکھے دلائل قدرت الٰہی کو دیکھے، اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے، جب بولے تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ ہی بولے اور جب حرکت کرے طاعت الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے جو ذریعہ قرب الٰہی ہو، اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔ یہ صفات اولیاء کرام ہیں۔ بندہ جب اس حال پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔ مفتی اعظم سے ملنے اور واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ساری خوبیاں جو بیان کی گئی ہیں آپ کی ذات میں پائی جاتی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے فرمایا ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم بھی انہی ہستیوں میں شامل تھے جو آپ کی ایک مرتبہ زیارت سے مشرف ہوا وہ آپ کا گرویدہ ہوگیا اور اگر وہ بے راہ روی کا شکار تھا تو صراط مستقیم پر آگیا۔ آپ کے مریدین کی خاص بات یہ ہے کہ شریعت کے معاملہ میں کوئی نرمی نہیں رکھتے اور معاملات میں ایک دم کھرے ہوتے ہیں۔ آپ خود اندازہ لگالیں کہ جس پیر کے مریدوں کے اندر یہ خوبی بطریق احسن ہو وہ خود کس مرتبہ پر فائز ہوگا؟

حق گوئی وبیباکی

آپ حق بات بیان کرنے میں قطعاً نہیں گھبراتے تھے حق بات کو علی الاعلان بیان فرماتے چاہے کوئی راضی ہو یا ناراض، اپنا ہو یا غیر، آپ اس اصول کو اپنائے ہوئے تھے کہ "لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق" یعنی اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں آپ رویت ہلال کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ ایک مرتبہ عید الفطر کے چاند کا رات گیارہ بجے یا اس کے کچھ دیر بعد اعلان کیا گیا آپ نے اس اعلان کو غیر مناسب اور غیر شرعی قرار دیا۔ اور اس اعلان پر آپ نے دوسرے دن عید نہیں منائی بلکہ روزہ رکھا اور تیس روزے پورے کیے، پھر آپ نے نماز عید ادا فرمائی حالانکہ آپ خود رویت ہلال کمیٹی کے رکن تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ الحمد للہ ہر دور میں ایسے نڈر علماء حق موجود رہے جو صاحب اقتدار کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور نہ انہیں کوئی خوف اور غم ہوتا ہے۔

آپ ہی کی نسبت سے ایک بزم بنائی گئی جس کا نام " بزم وقار الدین " رکھا گیا آپ کی حیات ظاہری میں ہی ایک مرتبہ اس بزم کے تحت جامع مسجد کہکشاں (کریم آباد) میں رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق

راتوں میں سے ایک رات محفل نعت رکھی گئی جو کہ پوری رات جاری رہی ۔ اس میں نامور نعت خواں حضرات نے شرکت کی اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ نعت پیش کیا ۔ محفل کے پوری رات جاری رہنے پر اہل محلہ میں سے کچھ حضرات نے اعتراض کیا اور حضرت سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

" بزم والوں کو پوری رات محفل جاری نہیں رکھنی چاہیے تھی ، کیونکہ رات آرام کے لیے ہے اور لوگوں کے آرام میں خلل ڈالنا درست نہیں ۔ "

آپ کے اس جواب سے ثابت ہوا کہ حق بات بیان کرنے میں آپ اپنی ذات کی بھی پروا نہیں کرتے تھے ۔ آپ کے اس فرمان سے لوگ سبق حاصل کریں کہ جب نعت جیسی محفل کی وجہ سے لوگوں کی بے آرامی ہونا درست نہیں تو پھر رات بھر گانے بجانے کی محفلیں سجانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے ؟

خشیت الٰہی

آپ ہمہ وقت خوف خدا میں ڈوبے رہتے تھے ۔ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خلاف شریعت بسر نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ ڈرنے والا علماء کو قرار دیا ، ارشاد ہوا :

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمآء

(سورۃ (۳۵) فاطر ، آیت : ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں ۔

اس آیت کی تفسیر میں خزائن العرفان میں لکھا ہے :

" اور اسکے صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اسکی عزت و شان سے باخبر ہے ۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : قسم ہے اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ "

حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا شمار بھی انہی علماء کرام میں ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں ۔ خوف خدا وہ نعمت ہے کہ جسے یہ حاصل ہوجائے وہ دنیا کے تمام خوف و ڈر سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے ۔ آپ کا ہر عمل شریعت کے مطابق ہوتا تھا ، اور آپ کے قول و فعل میں تضاد نہیں دیکھا گیا ۔ آپ کی جلوت و خلوت یکساں تھیں ۔ آپ جس طرح خود خوف خدا رکھنے والے تھے ایسے ہی طلباء کو نصیحت فرماتے رہتے کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرو اور شریعت کی مکمل پابندی کرو ۔ آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ تشنگان علم کی اخلاق ، مذہبی ، اعتقادی ، نظم و ضبط ، قانون کا احترام اور بحیثیت منظم ذمہ داریوں کے حوالے سے تربیت فرماتے ۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم

داڑھی کاٹنا یا حد شرع سے چھوٹی رکھتا یا جو طلباء انگریزی طرز پر بال کٹواتے ان کی سخت سرزنش فرماتے۔

تواضع و انکساری

غرور و تکبر کسی بھی انسان کو زیب نہیں دیتا۔ کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی شان ان کی بندگی میں ہے کہ وہ تواضع و انکساری کریں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

و عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هوناً و اذا خاطبهم الجاهلون قالو سلاماً ۝

(سورة (٢٥) الفرقان، آیت: ٦٣)

یعنی اور رحمان کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

قرآن کی بلاغت یہ ہے کہ بندوں کو خاکساری کی تعلیم دینی تھی تو ان کو رحمت والے خدا کے بندے کہہ کر نصیحت کی گئی کہ جب خدا رحمت و کرم والا ہے تو اس کے بندوں میں خلق خدا کے ساتھ تواضع و خاکساری ظاہر ہو۔ حضرت قبلہ مفتی اعظم کی خوبیوں میں ایک بڑی خوبی آپ کی تواضع اور انکساری تھی۔ آپ کا لباس، گفتار، نشست و برخاست اور رہائش سب میں سادگی اور انکساری پائی جاتی تھی۔ ریاکاری اور شہرت کی طرف آپ کا قطعاً دھیان نہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سلف و صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، فقر والی زندگی آپ نے بسر فرمائی۔ ہر وہ شخص جو آپ سے ملا وہ آپ کی تواضع کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ خاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابل فخر نہ کرے۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی المواخاة)

اس سے ظاہر ہوا کہ تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوشگوار لطافت پیدا کرنا ہے اور یہی وہ لطافت اور بانکپن ہے جو ایک خاکسار شخص کی چال ڈھال اور گفت و شنید سے عیاں ہونا چاہیے۔

خود داری

یہ وہ اخلاقی خوبی ہے جس سے انسان اپنی عزت نفس کی حفاظت کرتا ہے۔ جس شخص میں یہ خوبی نہ ہو گی۔ اس میں نہ فکر کی بلندی ہوگی، نہ اخلاق کی وقعت، نہ لوگوں میں اس کی عزت ہوگی اور نہ ہی لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ عزت، خود داری اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اصلی عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔ باقی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عزت سے سرفراز فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

وللّٰه العزة و لرسوله و للمومنین و لکن المنٰفقین لا یعلمون

(سورة (٦٣) المنٰفقون، آیت: ٨)

اور عزت تو اللہ اور اسکے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں ۔

صحابہ کرام خلافت کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ کے مقابلہ میں صف آرا تھے ، ان کی خود داری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی مسلمان سپاہی ان کے درباروں میں بے دھڑک چلاجاتا تھا ۔

حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان نور اللہ مرقدہ کی خود داری قابل ستائش اور لائق تقلید تھی ۔ آپ نے کبھی بھی دنیاداروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور کسی بھی شخص کی اس اعتبار سے عزت نہیں کی کہ وہ مال و دولت والا ہے ۔ آپ کے ہاں معیارِ عزت صرف تقویٰ تھا ۔ آپ کی خود داری کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ نے بنگلہ دیش سے آمد کے بعد 120 گز کے مکان میں سکونت اختیار فرمائی تو آپ کا جسد خاکی بھی اسی مکان سے آخری منزل کی جانب روانہ ہوا حالانکہ آپ ایک طویل عرصہ تک ایسے علاقے میں خطابت فرماتے رہے جہاں پیسے والوں کی کوئی کمی نہ تھی ۔

اسی طرح آپ سے ملنے جلنے والوں میں بڑے بڑے صاحبِ زر لوگ شامل تھے جو دارالعلوم امجدیہ کے لیے آپ کے ہاتھ لاکھوں روپوں کے حساب سے زکوٰۃ پیش کرتے تھے ۔ اسی طرح آپ نے ادارے سے بھی زائد از وظیفہ کسی قسم کی منفعت حاصل نہیں کی ۔ ابتداءً آپ خود بذریعہ بس دارالعلوم پہنچتے تھے ۔ آخری چند سالوں میں جب دارالعلوم کی گاڑی خرید لی گئی اور آپ کی صحت بھی خراب رہنے لگی ، بس سے سفر مشکل ہو گیا تو دارالعلوم کی گاڑی آپ کو لینے اور چھوڑنے کے لیے جانے لگی ۔

آپ کی خود داری صرف اپنی ذات کے لیے نہ تھی بلکہ دین کی عزت و حرمت اور ناموس آپ کے نگاہ میں مقدم تھی ۔ اعلحضرت کے اس شعر کو آپ نے اپنا نصب العین بنا لیا تھا ۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

امانت و دیانت

امانتداری میں پورا اترنا مسلمان کی اولین خوبیوں میں سے ہے ۔ لین دین کے معاملہ میں جو اخلاق جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانتداری اور امانت ہی ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خوبی اپنے پورے کمال کے ساتھ پائی جاتی تھی اور کفار جو آپ کی جان کے دشمن تھے آپ کے " صادق و امین " ہونے کے بھی معترف تھے ۔ شبِ ہجرت میں کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کا محاصرہ کیے ہوئے تھے باوجودیکہ ان کی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو معاملہ کا اتنا صاف ہونا چاہیے کہ مسلمان تو مسلمان دشمن کو بھی مکمل اعتماد و یقین رہے کہ مسلمان خائن

اور دھوکہ باز نہیں ہو سکتا۔

حضرت قبلہ مرشدی و استاذی میں یہ خوبی اپنے حسن و کمال کے ساتھ موجود تھی اور لین دین کے معاملہ میں آپ ایک ایک پائی کا حساب رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے لیے اگر کسی نے آپ کو چندہ وغیرہ دیا تو اس نوٹ کو بھی آپ تبدیل نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر نوٹ تبدیل کر کے دیا تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے تجارت اس لیے چھوڑ دی تھی کہ اس میں دھوکہ، ملاوٹ اور بد دیانتی عام ہو چکی تھی۔ آپ کے جملہ معاصرین علمائے کرام اور عوام آپ کی امانت و دیانت کے قائل ہیں۔

سچائی

سچ بولنا اور سچائی کو اپنانا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ جو سچا ہے اسکے لیے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے اور جو سچا نہیں اس کا دل ہر برائی کا گھر ہو سکتا ہے۔ " صدق " اوصاف خدا میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن اصدق من اللہ حدیثا

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۸۷)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔

مسلمان سے زبان، دل اور عمل کی سچائی مطلوب ہے یعنی زبان سے سچ بولنے والا ہو اور جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے وہ دل میں بھی ہو اور اپنے عمل سے بھی سچا کر دکھائے۔

حضرت قبلہ مفتی وقار الدین نور اللہ مرقدہ میں یہ صفت نمایاں اور واضح طور پر پائی جاتی تھی۔ آپ کو جھوٹ اور جھوٹے شخص سے سخت نفرت تھی۔ کسی کو جھوٹ بولتے ہوئے سنتے تو فوراً اصلاح کرنے کا حکم دیتے۔ اپنی زبان سے نکلی ہوئی بات کی پاسداری کرتے۔ دو نمبری لوگ آپ سے گھبراتے تھے اور سامنے آنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جب اس کا جھوٹا ہونا آپ پر ظاہر ہو جاتا تو برملا اس کے منہ پر کہہ دیتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اور جو لوگ تضادات کا شکار ہوتے آپ ان سے مجلس کرنا یا بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔

آپ ہمیشہ قرآن کے مندرجہ ذیل حکم پر عمل پیرا رہے۔

یایھا الذین امنوا اتقو اللہ و کونو مع الصادقین ○

(سورۃ (۹) التوبۃ، آیت: ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہ آپ کی وہ چند خوبیاں گنوائی گئیں جو آپ میں بطریق احسن پائی جاتی تھیں اور آپ سے ملنے والا ہر

شخص آپ کی ان خوبیوں کا معترف تھا۔ بلکہ بطور دلیل اور نمونہ دوسروں میں بیان کرتا تھا۔

آپ کے معاصرین علماء کرام

آپ کے ہم عصر جید علماء کرام میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت علامہ مولانا غزالی زماں سعید احمد شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، ملتان۔

(۲) حضرت علامہ مولانا پیر کرم شاہ صاحب الازہری، مصنف تفسیر ضیاء القرآن، بھیرہ شریف۔

(۳) جامع معقول و منقول حضرت علامہ مولانا عطا محمد صاحب بندیالوی، بندیال شریف۔

(۴) محسن اہلسنت حضرت علامہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب مہتمم دار العلوم امجدیہ

(۵) جگر گوشہ صدر الشریعہ حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، سابق شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ

(۶) پیر طریقت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کراچی۔

(۷) جگر گوشہ صدر الشریعہ حضرت علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی، خطیب و امام نیو میمن مسجد، بولٹن مارکیٹ، کراچی۔

(۸) حضرت علامہ مولانا محمد حسن حقانی صاحب، سابق نائب مہتمم دار العلوم امجدیہ، مہتمم دار العلوم انوار القرآن، گلشن اقبال، کراچی۔

(۹) حضرت مولانا حکیم قاری محبوب رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سابق مفتی دار العلوم امجدیہ، کراچی۔

(۱۰) حضرت مولانا منتخب الحق قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سابق رئیس شعبہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی عبدالسبحان صاحب قادری، مہتمم دار العلوم قادریہ سبحانیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی۔

(۱۲) حضرت علامہ عبداللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، سابق مہتمم جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر، کراچی۔

(۱۳) حضرت علامہ مولانا مفتی غلام قادر صاحب کشمیری، مہتمم جامعہ محمدیہ، ماڈل کالونی، کراچی۔

(۱۴) خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کراچی۔

(۱۵) جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، بانی و سابق مہتمم دار العلوم نعیمیہ، کراچی۔

(۱۶) حضرت علامہ مفتی خلیل احمد برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مہتمم دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد۔

(۱۷) حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب، شیخ الحدیث رکن الاسلام، حیدر آباد۔

(۱۸) حضرت علامہ حافظ سعید احمد صاحب مہتمم جامع غوثیہ سعیدیہ، حیدر آباد۔

(۱۹) حضرت علامہ مفتی محمد حسین قادری صاحب، سکھر۔

(۲۰) حضرت علامہ مولانا تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ۔

(۲۱) بے تاج بادشاہ حضرت علامہ مولانا حامد علی خان رحمۃ اللہ علیہ، ملتان۔

(۲۲) حضرت علامہ محمد عمر نعیمی اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، لاہور ۔
(۲۳) حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب ۔ مہتمم دار العلوم حزب الاحناف ، لاہور ۔
(۲۴) حضرت علامہ مفتی عبد القیوم صاحب ہزاروی مہتمم جامعہ نظامیہ ، لاہور ۔
(۲۵) حضرت علامہ مولانا مفتی ابو داؤد صادق صاحب ، گوجرانوالہ ۔
(۲۶) حضرت علامہ مولانا معین الدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ ، فیصل آباد ۔
(۲۷) مناظر اہلسنت حضرت علامہ عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ ، فیصل آباد ۔
(۲۸) حضرت علامہ مولانا عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ، وزیر آباد ۔
(۲۹) مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا محمد زبیر شاہ صاحب ۔ چکوال ۔
(۳۰) حضرت علامہ مولانا فیض احمد صاحب اویسی ، بہاولپور ۔
(۳۱) حضرت علامہ مولانا محمد عالم صاحب ، سیالکوٹ ۔
(۳۲) حضرت علامہ مولانا غلام علی اوکاڑوی صاحب ، اوکاڑہ ۔
(۳۳) حضرت علامہ عارف اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ، راولپنڈی ۔
(۳۴) حضرت علامہ مولانا غلام محی الدین صاحب شیخ الحدیث ، جامعہ رضویہ ، ضیاء العلوم ، راولپنڈی ۔
(۳۵) حضرت علامہ مولانا حسین الدین شاہ صاحب ، مہتمم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ، راولپنڈی ۔
(۳۶) حضرت علامہ مولانا عبد المالک صاحب ، ہری پور ، ہزارہ ۔
(۳۷) مولانا فضل سبحان قادری صاحب ، پشاور ۔
(۳۸) حضرت علامہ مولانا محمد حیات خان صاحب ، مہتمم دار العلوم حنفیہ رضویہ ، ہجیرہ ، آزاد کشمیر ۔
(۳۹) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین صاحب ، مہتمم دار العلوم سنی حنفی ، عباسپور ، آزاد کشمیر ۔
(۴۰) حضرت علامہ مولانا عصمت اللہ خان صاحب ، خطیب دربار عالیہ حضرت باب سائیں کملا رحمۃ اللہ علیہ ، موہڑہ شریف ، کوٹلی آزاد کشمیر ۔

اہلسنت و جماعت کے مشاہیر علماء کرام میں سے ان چند علماء کے نام لکھے گئے ہیں جو صرف پاکستان و آزاد کشمیر میں آپ کے ہمعصر رہے ۔ اسکے علاوہ آپ ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۸ء دس سال بریلی شریف میں تدریس فرماتے رہے مزید برآں سابقہ مشرقی پاکستان میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۷۱ء تک رہے ۔ وہاں آپ کے ہمعصر جو علماء کرام تھے ان کی تفصیل الگ ہے ۔

تلامذہ

حضرت قبلہ مفتی صاحب کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے کیونکہ آپ نے ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان تین ممالک میں بحیثیت ناظم اور مدرس فرائض سرانجام دیے۔ اس طرح آپ کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ یہاں آپ کے صرف ان چند تلامذہ کا ذکر کیا جائے گا جنھوں نے دارالعلوم امجدیہ میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

(۱) رئیس دارالافتاء مولانا مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب، مفتی دارالعلوم امجدیہ
(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا افتخار احمد صاحب قادری، شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ
(۳) مولانا ابراہیم فیضی صاحب، مفتی دارالعلوم غوثیہ، سکھر
(۴) مناظرِ اہلسنت مولانا محمد سرفراز صاحب
(۵) مولانا محمد حبیب صاحب، پروفیسر جناح کالج، کراچی
(۶) مولانا احمد میاں دہلوی
(۷) قاری مقصود الاسلام
(۸) مولانا سید منظر شاہ
(۹) مولانا محمد نذیر
(۱۰) مولانا عزیز احمد
(۱۱) مولانا داؤد خان
(۱۲) مولانا محمد مراد
(۱۳) مولانا سید جلال
(۱۴) مولانا عبد الرحمٰن صدیقی
(۱۵) مولانا سید فضل حسین شاہ زہری
(۱۶) مولانا محمد ابراہیم
(۱۷) مولانا فیض الرحمن صاحب پشاور، حال مقیم افریقہ
(۱۸) مولانا محمد رمضان انصاری، حیدرآباد
(۱۹) مولانا حمید الدین قاسمی، کراچی
(۲۰) مولانا عبدالستار اشرف، کراچی
(۲۱) مولانا محمد قاسم صاحب، بلوچستان
(۲۲) مولانا محمد حبیب صاحب، بلوچستان

(۲۳) مولانا عبدالغفور کرد ، بلوچستان

(۲۴) مولانا ملک بشیر صاحب ، پنجاب

(۲۵) مولانا نذیر احمد صاحب ، پنجاب

(۲۶) مولانا عبدالحلیم ۔ مہتمم دارالعلوم غوثیہ ، کراچی

(۲۷) مولانا حبیب اللہ ، ہزارہ

(۲۸) مولانا محمد ضیاء الرحمن ، ہزارہ

(۲۹) مولانا محمد صادق قادری کھتیاڑوی ، پونچھ ، آزاد کشمیر

(۳۰) مولانا محمد حنیف قادری ، مہتمم مرکزی دارالعلوم ، چک وحصل راولا کوٹ ، آزاد کشمیر

(۳۱) مولانا محمد نواز صاحب ، پونچھ ، آزاد کشمیر

(۳۲) مولانا محمد حسن صاحب ، مظفر آباد ، آزاد کشمیر

(۳۳) مولانا عبدالرزاق عباسی ، باغ آزاد کشمیر

(۳۴) مولانا محمد رفیق زاہد چشتی صاحب ، پدھال ، آزاد کشمیر

(۳۵) مولانا محمد شعیب قادری ، وقاری ، آزاد کشمیر ، حال مقیم کراچی

مریدین

حضرت قبلہ مفتی اعظم سے جب ان کے مریدین کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس شعبہ میں زیادہ رغبت نہیں رکھتا ۔ اس کے باوجود آپ کے مریدین کی تعداد اچھی خاصی ہے ۔

کانگریسی مولویوں کے کردار کے بارے میں آپ نے فرمایا:

حضرت نے فرمایا : ہر دور میں ایسے علماء رہے ہیں جن کو " علماء سوء " کہا جاتا ہے اور جو ابن الوقت اور خوشامدی ہوتے ہیں ان کا قبلہ و دین " زر " ہوتا ہے ۔ اپنوں سے ملے تو کیا بات ؟ لیکن اگر گاندھی سے بھی ملنے کی توقع ہو تو اس کے آگے پیچھے چلے جائیں گے ۔ چنانچہ ساری دنیا جانتی ہے کہ کچھ عرصہ قبل جب دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن منایا گیا تو اسلام کی سخت ترین مخالف اندرا گاندھی کو کرسی صدارت پر بٹھایا گیا ۔ واقعی " کل شئی یرجع الی اصلہ " ۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو دیوبند کے تمام علماء کانگریس یعنی ہندوؤں کا ساتھ دے رہے تھے اور پاکستان بنانے کی مخالفت میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے رہے ۔ ابوالکلام آزاد وغیرہ نے اپنے فن تقریر سے ان مسلمانوں کے بستر کھلوا دیئے جو ہجرت کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے ۔

الحمد للہ علماء حق (اہلسنت و جماعت) کا کوئی ایک عالم بھی کانگریس کے ساتھ نہیں تھا اور تمام علمائے اہلسنت مطالبہ پاکستان میں برابر کے شریک تھے اور عملی طور پر اسکے لیے جدوجہد کر رہے تھے ، بنارس " سنی کانفرنس " اسکی بڑی دلیل ہے ۔ حضرت نے فرمایا کہ ۱۹۴۶ء کے آخر میں جب یہ امید ہو چلی کہ اب انگریز پاکستان

بنانے کا مطالبہ مان لیں گے تو ابن الوقتوں نے فوراً ایک میٹنگ بلائی اور اس میں طے کیا کہ ہمارے کچھ علماء پاکستان کی حمایت کریں ورنہ وہاں گزر مشکل ہوجائے گا۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد عثمانی کو انھوں نے پاکستان کی حمایت کرنے والی صفوں میں داخل کیا تاکہ کم از کم وہ پاکستان میں اپنا مقام پیدا کریں۔ راغب حسن وغیرہ نے کلکتہ میں ایک میٹنگ بلائی اور "جمعیت علماء ہند" کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ اس میں تمام دیوبندی اور غیر مقلد مولوی شریک ہوئے اور حصول زر کے لیے قائد اعظم اور لیاقت علی خان کا طواف کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کو جو شہرت ملی اس کی وجہ یہی کہ بانیان پاکستان نے سوچا کہ ہمارے مخالفین میں سے چلو ایک تو کٹ کر ہمارے ساتھ آکر شامل ہوا۔

مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولوی حسین احمد مدنی کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے "مکالمۃ الصدرین" نامی کتاب چھاپی۔ اس میں یہ ہے کہ کسی نے شبیر احمد عثمانی سے پوچھا کہ آپ پاکستان اور مسلم لیگ کی تائید کرتے ہیں جبکہ حسین احمد مدنی کانگریس کی حمایت کرتے ہیں اور پاکستان کی مخالفت تو آیا وہ حق پر ہیں یا باطل؟ جواب دیا "جسے وہ حق پر سمجھتے ہیں اس کی تائید کرتے ہیں اور جسے میں حق سمجھتا ہوں میں اس کی تائید کرتا ہوں۔"

یعنی یہاں بھی ڈنڈی ماری اور حسین احمد مدنی کو غلط نہیں کہا اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب دل سے پاکستان کے حق میں نہیں تھے۔

مفتی اعظم پاکستان کا آخری خطاب :

مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقع پر جو کہ جامع مسجد فاروق اعظم، بلاک ۱۲، گلستان مصطفیٰ (فیڈرل بی ایریا) کراچی میں منعقد ہوا۔ اس میں آپ کا صدارتی خطاب ہوا جو کہ آپ کی حیات مبارکہ کی آخری تقریر ہے، کیونکہ اس کے بعد آپ بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے اس خطاب میں دنیائے سنیت کے نام ایک عظیم پیغام دیا۔ آپ کی اس پوری تقریر کو کتاب کی شکل دی گئی ہے جس کا نام "مواعظ وقار الملت" ہے، اسکا مطالعہ فرمائیں۔

وصال شریف :

وصال سے چند دن پہلے آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ کو ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ہسپتال ہی میں طبیعت زیادہ بگڑی تو انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں منتقل کر دیا گیا۔ چند دن آپ ہسپتال میں رہے طبیعت کچھ سنبھلی تو ڈاکٹر نے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ ہسپتال سے گھر منتقل ہوگئے۔ تیسرے دن آپ نماز فجر کے لیے اٹھے، وضو فرما رہے تھے کہ دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس طرح علم وعمل کا یہ آفتاب اپنی

طویل ضیاء پاشیوں کے بعد غروب ہو گیا۔ آپ نے 19 ستمبر 1993ء مطابق ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ بروز ہفتہ بوقت نماز فجر اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

نماز جنازہ :

آپ کی نماز جنازہ اسی دن بعد نماز عصر دارالعلوم امجدیہ کے متصل عالمگیر روڈ کی چورنگی پر ادا کی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ میں اہلسنت کے تمام دینی مدارس کے مہتمم حضرات و اساتذہ کرام اور طلباء کے علاوہ عوام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ نماز جنازہ کی امامت مولانا عبدالعزیز حنفی صاحب، موجودہ مفتی دارالعلوم امجدیہ، نے کی۔

تدفین :

آپ کو دارالعلوم امجدیہ میں علامہ عبدالمصطفٰے الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر مبارک کو اندر سے کچا رکھا گیا ہے اور اوپر جو سلیب رکھے گئے تھے ان کی بھی اندرونی جانب سے لپائی کر دی گئی تھی۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلیا و مسلما علی حبیبہ اللبیب

قوانین اسلامی کی تعبیر و تشریح :

عصری تقاضوں سے ہم آہنگ قوانین اسلامی کی تعبیر و تشریح انسانی تہذیب و تمدن کی بقاء اور مناسب و متوازن نہج پر اسکی تعمیر و ترقی کے لیے ناگزیر شئے ہے ۔ معاشرہ ہر دور میں ایک سا نہیں رہتا ۔ یہ مسلمہ تغیر پذیر حقیقت ہے ۔ تجربہ کار اور جہاندیدہ افراد کی زندگیوں کو دوام نہیں ۔ نئے آنے والے تہی دست اور خالی الذہن ہوتے ہیں اور معاشرے سے پہلا سوال ہی تربیت و تعلیم کا کرتے ہیں ۔ اس اثناء میں سوچنے سمجھنے کے انداز ، رہن سہن کے اطوار اور افکار و خیالات وقت کی ایک ہی جست کے ساتھ دور آگے نکل جاتے ہیں ۔ گویا انسانی معاشرہ مسلسل تبدیلیوں کی زد میں رہتا ہے ۔ اس کی حرکت پذیری کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والا قانون اس کو بگڑنے اور بکھرنے سے بچائے رکھتا ہے اور قانون پیچھے رہ جائے تو صورتحال وہی ہوتی ہے کہ ایک سرکش سواری کے منہ سے چھوٹ کر لگام سوار کے ہاتھ میں رہ جائے اور کاٹھی کے تسمے بھی ساتھ دینے سے صاف انکار کردیں ۔ یہ نتیجہ کسی دور رس اور گہری فکر کا ثمر نہیں کہ معاشرتی نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے ایک تازہ دم اور جاندار قانون کی موجودگی اور قوت نافذہ کا غلبہ و استحکام از بس ضروری ہے ۔ اسے سمجھنے کے لیے ایک سرسری اور طائرانہ نگاہ ہی بہت کافی ہے ۔

دریچے جب کھلتے ہیں تو بھینی بھینی مہک ہمراہ لیے تازہ ہوا کے جھونکے اندر آتے ہیں اور سکون و آسودگی کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ بند دریچے ہوا کو کثیف اور بیمار کر دیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والوں کو کئی طرح کے عوارض گھیرے رہتے ہیں۔ ماحول کو کثافت و آلودگی سے بچائے رکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کنول صرف صاف پانیوں میں کھلتے ہیں ورنہ لائق اعتناء نہیں ہوتے۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اقدس میں وحی الٰہی کے زیر اثر ہدایت کے تمام دریچے وا تھے۔ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو براہ راست وحی کے ذریعے احکام نازل ہو جاتے۔ ورنہ زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عقدہ کشائی فرما دیتی۔ اور یہ صورت بھی وحی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ زبانِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کی تائید و تصویب کی سند حاصل تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ینطق عن الھوٰی ○ ان ھو الا وحی یوحٰی ○

(سورۃ (۵۳) النجم، آیات: ۳، ۴)

اپنی خواہش سے تو کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ بھی وحی ہے جو القاء کی گئی ہے۔

چنانچہ ہدایت و راہبری کی ضرورت پوری ہوتی رہی اور فکری انتشار اور ذہنی اختلال کو پنپنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اسے بجا طور پر عرصہ معراج کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد کی عظمت اور ہماری پس روی کی صراحت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی فرمادی تھی، امام بخاری راوی ہیں حضرت زبیر بن عدی سے۔ فرماتے ہیں:

اتینا انس بن مالک فشکونا الیہ ما نلقی من الحجاج، فقال اصبروا فانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شر منہ حتی تلقوا ربکم سمعتہ من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب الفتن، باب لا یاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ)

حضرت زبیر بن عدی فرماتے ہیں: ہم حضرت انس بن مالک کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے حجاج کی سختیوں کی شکایت کی، انھوں نے فرمایا صبر کرو! اس لیے کہ تم پر بیتنے والے ہر زمانے سے اسکے بعد آنے والا زمانہ بدتر ہوگا۔ یہ میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے سہارا مہیا کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آغوش رسالت کے پروردہ و تربیت یافتہ تھے اور وحی الٰہی کو محرم و رمز شناس۔ لہٰذا چند مستثنیات سے قطع نظر امت کو کسی بحران کا سامنا نہ ہوا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے تادم آخریں اجالا ہی اجالا تھا۔ مسلمانوں کے جہاں جہاں بھی قدم پہنچے گویا بنی نوع انسان کی تقدیر بدلتی، قسمت سنورتی اور کردار و عمل کی عظمتوں کی ایک بہار سی اترتی اور بچھتی چلی گئی۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

(اقبال)

اللہ تعالیٰ ان سے اور ہم سے راضی ہو، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

لیکن صد حیف کہ خوش قسمتی کا یہ دورانیہ جلد ہی ختم ہو گیا اور خلافت راشدہ جو ہر لحاظ سے ایک بہتر، تعمیری اور قابل عمل نظام تھا، کی جگہ ملوکیت نے پاؤں جمانے شروع کر دیے۔

احادیث مبارکہ سے عہد رسالت (علی صاحبہا افضل الصلوٰت والتسلیمات) کے بعد پیش آنے والے حوادث کے بارے میں بھی چشم کشا صراحت ملتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی نوع کی ایک حدیث روایت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

سمعت الصادق المصدوق یقول ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش

(الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی علی یدی اغیلمۃ صفحہ آہ)

یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سچے ہیں اور جن کی سچائی کی (رب تعالیٰ کی طرف سے) گواہی دی گئی ہے، یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت کی تباہی قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔

یہی نہیں! اسی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لو شئت ان اقول بنی فلان و بنی فلان لفعلت

(حوالہ بالا)

یعنی اگر میں بتانا چاہوں کہ وہ (بے وقوف چھوکرے) کون اور کس کی اولاد ہیں تو بتا بھی سکتا ہوں۔

چنانچہ تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ پہلا بے وقوف چھوکرا جس کے ہاتھ اقتدار آیا، یزید ہے۔ اس کے اور بعد میں آنے والوں کے دور میں ملت اسلامیہ کو وہ گہرے زخم آئے جو قیامت تک مندمل ہونے کے نہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ملت اسلامیہ یتیم ہو گئی۔ بیت المال قومی امنگوں کے بجائے شاہی خزانے کی طرح امراء کی ذاتی خواہشات کے مطابق خرچ کیا جانے لگا۔ رعایا کی خبر گیری اور انصاف کی فراہمی ناممکن ہو گئی۔ ان جاہ پسند امراء کو نظام خلافت کے احیاء سے خاص طور پر پرہیز تھا۔ یہ وہ دور ابتلاء و آزمائش ہے کہ امت کی راہنمائی نہ صرف یہ کہ حکومتی حمایت و پشت پناہی سے محروم ہوئی بلکہ حق کی آواز کو دبانے کے لیے ریاستی قوت کو بروئے کار لایا گیا۔ طلاق مکرہ اور مناقشہ خلق قرآن کی طرز کے کئی مسائل و معاملات میں علمائے حق اور مفتیان عظام ان عیش کوش اور مطلق العنان حکمرانوں کے عزائم کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہے۔ آفرین ہے ان نفوس قدسیہ پر جنھوں نے جان کی قیمت پر ایمان کی حفاظت فرمائی۔ ان غیور علماء، فقہاء اور محدثین کے اس عظیم و بلند کردار نے دین اسلام کی حمایت میں ایسی پُرعزم تحریک کی بنا ڈالی جو قیامت تک جاری اور صدقہ جاریہ بنی رہے گی۔ اگر علمائے حق جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق بلند نہ کرتے تو شاید آج ہماری حالت اس سے کہیں زیادہ دگرگوں ہوتی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تاریخی کردار

برسوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد حکومت آیا۔ انہوں نے ہمت، جرات اور استقامت کا بے مثال مظاہرہ کیا اور نہایت خوبی و خوبصورتی کے ساتھ ایک مطلق العنان عہد اقتدار کو لگام دے دی۔ آپ کی ان مساعی جمیلہ کے نتیجے میں تاریخ کے دھاروں نے اپنا رخ موڑ لیا۔ آپ نے ایثار و قربانی اور کردار و عمل کی نادر مثال قائم کی۔ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو ازسرنو استوار کیا اور ایک سرتاپا ملوکیت کا ہاتھ اسلامی نظام کے ہاتھ میں تھما کر ہی دم لیا۔

امراء کی عیش کوش طبیعتوں کو یہ تبدیلی راس نہ آئی۔ پہلے تو انہوں نے آز و حرص کے ڈول ڈالے، ناکامی ہوئی تو وہی محلاتی سازشیں شروع ہو گئیں جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی راہ ہموار کر کے قصرِ خلافت میں پہلی دراڑ ڈالی تھی۔ چنانچہ آپ کو زہر دے دیا گیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ دو سال پانچ ماہ تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے اور قریباً چالیس برس کی عمر میں اسی زہر خورانی کے نتیجے میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نبض امید ابھری اور ڈوب گئی۔

صحابہ کرام کے بعد ایک آپ ہی کا ڈھائی سالہ عرصہ اقتدار ہے جو دنیاداری کے اثر سے آزاد اور اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ آپ کو احادیث مبارکہ اور دیگر علوم اسلامی کی نشر و اشاعت سے خاص شغف تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

کتب عمر بن عبدالعزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم و لیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا۔

(بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (گورنر مدینہ) ابوبکر بن حزم کو لکھ بھیجا کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو کرو اور انہیں لکھ لو! کیونکہ مجھے علماء کے اٹھ جانے کے باعث علم کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ لحاظ رہے کہ صرف احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی قبول کی جائیں اور (علماء کو) علم پھیلانا چاہیے اور (حلقہ درس جما کر) بیٹھنا چاہیے تاکہ جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے اس لیے کہ علم جب تک پوشیدہ نہ ہو جائے کبھی مٹتا نہیں۔

آپ نے ریاست اسلامی کے زیر نگین بلاد و امصار میں باقاعدہ واعظ اور مفتی بھی مقرر فرمائے۔ علماء، محدثین اور فقہاء کے وظائف مقرر فرما کر انہیں فکرِ معاش سے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نہایت جفاکش اور مشکل پسند ثابت ہوئے۔ گذشتہ عہد کی آلائشوں اور فساد زدہ حصوں کو اقتدار کے ایوانوں سے بیک بینی و دوگوش

نکال باہر کیا اور اپنے عہد حکومت کی کڑیاں خلافت راشدہ کے ساتھ ملانے میں کچھ اس طور سرخرو ہوئے کہ تاریخ مثال لانے سے قاصر ہے ۔ امت نے بھی آپ کے کارہائے نمایاں کی قدر افزائی اور آپ کو خراج عقیدت پیش کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا ۔ ابو داؤد کی روایت ہے :

الخلفاء خمسة ابوبكر و عمر و عثمان و على و عمر بن عبدالعزيز رضى الله عنهم

(سنن ابوداؤد ، كتاب السنة ، باب فى التفضيل)

یعنی خلفاء راشدین پانچ ہیں ۔ حضرت ابوبکر ، حضرت عمر ، حضرت عثمان ، حضرت علی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ، رضوان اللہ علیہم ۔

ان کے علاوہ دیگر عرصہ ہائے حکومت میں نظامِ حکومت بھی چلتا رہا ، فتوحات بھی ہوئیں ، دینی علوم کی ترتیب و تدوین اور تشکیل و ترقی بھی ہوئی مگر افتاں و خیزاں ۔ سرکاری سرپرستی اور عملی نفاذ و تجربے کے بغیر دینی علوم کا اسقدر ترقی کرلینا اور اپنی بنیادیں مضبوط اور محفوظ کرلینا بھی یقیناً ایک معجزے سے کم نہیں ۔

کسی حکومت کا دستور اساسی اور قوانین خواہ کتنے ہی مضبوط و موثر اور مفید و کار آمد کیوں نہ ہوں ، عملی نفاذ کے بغیر نتائج پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں ۔ عملی نفاذ کے معاملے میں بھی بنیادی شرط یہ ہے کہ حکومت کی سرکردہ شخصیات بے داغ کردار کی حامل اور قانون کی پاسداری میں مخلص ہوں ۔ رعایا کی خدمت اور فلاح و بہبود ان کا نصب العین ہو ۔ خلافت راشدہ میں عوام کی آسودہ حالی اور فارغ البالی خلفاء راشدین کے عظیم و بلند اور بے داغ کردار ہی کی رہین منت تھی ۔ اس کا اندازہ ہمارے عہد کی حکومتی ناکامیوں اور غیر مقبولیت سے لگایا جا سکتا ہے ۔

روشنی کی نئی لہر

مشرق وسطیٰ اور ایشیاء سمیت دنیا کے ایک بڑے حصے پر ایک طویل استعماری تسلط نے مسلمانوں سے ان کا یہ عظیم علمی و روحانی سرمایہ چھین کر تباہ کردینے کی سر توڑ کوششیں کیں ۔ مگر انہوں نے ہر قدم ، ہر مرحلے پر منہ کی کھائی ۔ اغیار نے آخری چراغ بھی گل کر دینے کا عہد کر رکھا تھا ۔ سابقہ سوویت یونین کی مقبوضہ اسلامی ریاستوں میں مساجد کی طویل تالہ بندی ، اسلامی لٹریچر پر پابندی ، اذانوں پر پہرے ، اسی طرح غیر منقسم ہندوستان میں شعائر اسلامی کی پامالی اور اہل ایمان کے دلوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو نکالنے یا کم از کم ، کم کر دینے کے لیے منظم سازشیں ، گویا ہر حربہ بروئے کار لایا گیا ۔ مگر جیسے ہی موقع ہاتھ آیا مسلمانوں نے اپنا علیحدہ اسلامی تشخص بحال کر کے ہی دم لیا ۔ کچھ یہی حال دیگر استعماری مقبوضات کا بھی رہا ۔

برصغیر کی آزادی اور پاکستان کے قیام کے بعد بھی گو کہ کچھ عرصے تک ذہنی و فکری اثرات برقرار رہے مگر الحمد للہ! حالات اب کافی بدل چکے ہیں ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ فیشن پرستی اور تقلیدِ مغرب میں ہماری ایک نو آموز نسل کافی آگے تک گئی ۔ مگر جب اس جرم بے لذت کی حقیقت ان پر آشکارا ہوئی تو سوائے ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آیا ۔ ہم سمجھتے ہیں یہ تجربہ خود ان کے لئے اور بعد کی کئی نسلوں کے لیے نہایت سود مند نتائج پیدا کرے گا ۔

اس کی واضح مثال روشنی فکر کی وہ نئی لہر ہے جو آج کے نوجوانوں کو جادہ مستقیم کی جانب مائل و راغب کر رہی ہے۔ اب یہ اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ اس نئی نسل کی دینی، علمی، عملی، فکری، روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تربیت و تعلیم اور راہبری کے لیے مناسب و متوازن دینی لٹریچر کو منظرِ عام پر لائیں اور خود نئی نسل کو بھی ان دینی و ملی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مایوسی اور فکری انتشار انہیں نئی اور خطرناک راہوں کا راہرو بنا دے۔

فروغِ علمی کی ضرورت و اہمیت

ہر شخص کے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ علوم شرعی میں مکمل مہارت حاصل کر لے۔ ادلہ شرعیہ اور ان سے احکام اخذ کرنے کا طریقہ کار خاصا مشکل اور دشوار ہے۔ بلکہ ادلہ شرعیہ پر عبور بجائے خود ایک مشکل کام ہے۔

لوگوں کے حالات و مسائل اور معاملات و مصالح جدا جدا ہوتے ہیں۔ کئی افراد حصولِ علم و مہارت میں مخلص تو ہوتے ہیں مگر بعض خاندانی مسائل یا معاشی مشکلات ان کے لیے سد راہ بن جاتی ہیں۔ ان مسائل و معاملات کی طرف توجہ بجائے خود ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے کسی کو بساط سے بڑھ کر تکلیف و آزمائش میں نہیں ڈالا۔ اس قانون قدرت کی صراحت قرآن مجید میں بھی موجود ہے:

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا

(سورہ (۲) البقرۃ، آیت: ۲۸۶)

یعنی اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

جو کام انسان کے بس میں نہیں ہوتا یا کسی عارضہ کی وجہ سے ناممکن ہو جاتا ہے، شریعت بھی اس کا بار بے بس کے کندھوں پر نہیں ڈالتی۔ اسلام افراط و تفریط سے خالی اور دین فطرت ہے اور انسان کی فطری ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے، حدیث نبوی ہے:

ما من مولو د الا یولد علی الفطرۃ

(بخاری، جلد اول، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم اصبی فمات ہل یصلی علیہ)

یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

تو یہ کیسے ممکن تھا کہ دین فطرت ہوتے ہوئے بھی اسلام لوگوں کی فطری ضرورتوں اور شخصی کمزوریوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ان پر انکی بساط سے زائد اور گرانبار ذمہ داریاں عائد کر کے ان کو مجبورِ محض بنا ڈالتا۔ قرآن مجید نے مکمل دینی تعلیم کے حصول کا پابند بھی ہر کس و ناکس کو نہیں بنایا:

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون۔

(سورہ (۹) التوبۃ، آیت: ۱۲۲)

یعنی اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سبھی مومن نکل کھڑے ہوں، تو ہر قبیلہ سے چند افراد کیوں نہ نکلیں تاکہ دین کی سمجھ (تفقہ) حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں مراجعت کریں تو انہیں ڈرائیں تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچے رہیں۔

اس آیہ مبارکہ سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ علوم دینیہ میں مہارت تامہ اور عبور کامل ہر مسلمان کے لیے ممکن الحصول نہیں۔ زندگی کے دیگر شعبہ جات مثلاً صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور طب و سپاہ گری وغیرہ سے صرف نظر اور علوم دینیہ کی جانب کامل اشتغال سے مسلمانوں کا اجتماعی اور معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ عمل مقصد تخلیق و بعثت کے سراسر منافی ہے۔ لہٰذا اس سے بچا رہنا ضروری ہے۔

۲۔ علامہ قرطبی کے نزدیک یہ آیہ مبارکہ حصول علم کی فرضیت کی سند اور اصل ہے۔

۳۔ ہر قوم یا قبیلے میں چند افراد کا اپنے آپ کو حصول علم کے لیے وقف کر دینا نہایت ضروری ہے۔

۴۔ جب کوئی شخص دین کا تفقہ حاصل کر لیتا ہے تو اس پر "انذار" ایسی پیغمبرانہ ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ "نذیر" بمعنی "ڈرانے والا" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے صفاتی میں سے ایک، اور منصب نبوت کا نقیب ہے۔ حاملان علوم نبوت کو بھی اپنا آپ پہچاننا اور اپنی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے اور عوام الناس میں سے بعض جو فتنہ پرور ہوتے ہیں اور ان اہل علم کے ساتھ بیگانگی زدہ بے زاری کا سلوک کرتے ہیں انہیں بھی خدا کا خوف کرنا چاہیے۔

۵۔ "لولا" نحویوں کی اصطلاح میں حرف تحضیض کہلاتا ہے۔ تحضیض کے معنی کسی کام پر اکسانے اور ابھارنے کے ہیں۔ جب یہ ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ملامت اور تندیم کا فائدہ دیتا ہے اور کسی نقصان سابق کی تلافی کیلیے اکساتا ہے۔ ہدایۃ النحو میں ہے:

ولوم ان دخلت علی الماضی و حینئذ لا یکون تحضیضا الا باعتبار ما فات

(ہدایۃ النحو، القسم الثالث فی الحروف، فصل حروف التحضیض)

یعنی ماضی پر داخل ہو تو ملامت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس صورت میں تلافی مافات کے لیے ابھارنے کے اعتبار سے حرف تحضیض ہو گا۔

آیہ مبارکہ کی صراحت کے مطابق جو چیز ہاتھ سے نکلی وہ تو ہے تمام مومنین کا دین میں تفقہ حاصل کر لینا۔ لہٰذا اس کی تلافی کی صورت بیان کر دی گئی کہ ہر گروہ میں سے ایسے چند افراد ضرور کمر بستہ ہوں جو اس نقصان کی تلافی کریں۔

۶۔ لیتفقھوا فی الدین کی ترکیب و بندش بھی محل نظر ہے۔ لیتفقھوا: فقہ، یفقہ، فقہا، سے باب تفعل کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ جو تبعیض میں بھی کثرت پر دلالت کر رہا ہے۔ یہاں باب تفعل کی خاصیت

تبحر ملحوظ ہے۔

فصول اکبری کے محشی نے تبحر کے معنی یہ کیے ہیں:

ای در علم مانند دریا موجزن گردید

(فصول اکبری معہ حاشیہ، صفحہ: ۱۳۲، مطبع نظامی، کانپور ۱۸۹۴ء)

یعنی علم کا بحر موجزن بن جانا۔

اب آیئے! اس آیت سے مستفاد (تفقہ یا) فقہ کا معنی معین کرنے کے لیے اصولیین اور فقہاء کی آراء کا ایک سرسری سا جائزہ لیتے چلیں۔

لفظ فقہ کی معنوی وسعت:

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جانتے، سمجھنے، تحقیق و تفتیش کرنے اور فہم و بصیرت کے ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں اس کے جملہ استعمالات کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس جانب اشارہ ملتا ہے کہ اس سے مطلق "علم" نہیں، بلکہ فہم کی گہرائی و گیرائی، لطف ادراک اور غرض متکلم کی معرفت مراد ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قالوا یا شعیب ما نفقہ کثیراً مما تقول

(سورۃ (۱۱) ہود، آیت: ۹۱)

وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

فما لہولاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثاً

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۷۸)

تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو، بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ دیگر کئی مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے اور بیشتر مقامات پر عام علم کی بجائے "بصیرت افروز فہم" کا معنی دیتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کی معنوی وسعت بیان کرتے ہوئے اس کی تحدید و تخصیص پر گرفت کی ہے اور ناگواری کا اظہار فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

اللفظ الاول الفقہ فقد تصرفوا فیہ بالتخصیص لا بالنقل والتحویل اذ خصصوہ بمعرفۃ الفروع الغریبۃ فی الفتاویٰ والوقوف علی دقائق عللہا و استکثار الکلام فیہا و حفظ المقالات المتعلقۃ بہا فمن کان اشد تعمقاً فیہا و اکثر اشتغالا بہا یقال ہو الافقہ۔

(احیاء علوم الدین علی حاشیۃ اتحاف السادۃ المتقین، جلد اول، صفحہ: ۲۳۰، دار الفکر، بیروت)

یعنی پہلا (لفظ) فقہ ہے۔ اس میں لوگوں نے تخصیص کر دی ہے۔ (معنوی) نقل و تحویل نہیں کی۔

جب انھوں نے اس کو " علم فتاوی " (موجودہ دور میں اسی علم کا معروف نام " فقہ " ہے ۔) کی انوکھی فروعات کی معرفت ، اس کی علتوں کی باریکیوں کو جاننے ، اسی کی گفتگو میں لگے رہنے اور اس کے متعلقہ مقالات کو یاد کرنے کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے ۔ اب جو اس میں زیادہ گہری نگاہ رکھتا ہے یا زیادہ تر اسی میں کھویا رہتا ہے اسے بڑا فقیہ مانتے ہیں ۔

کچھ آگے چل کر اس لفظ کا صحیح اور حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں :

لقد كان اسم الفقه في العصر الاول مطلقاً على علم طريق الاخرة و معرفة دقائق آفات النفوس و مفسدات الاعمال و قوة الا حاطة بحقارة الدنيا و شدة التطلع الى نعيم الاخرة واستيلاء الخوف على القلب و يدلك عليه قوله عز و جل " ليتفقهوا في الدين و لينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم "

یعنی حالانکہ کلمہ " فقہ " کا معنی عصر اول میں ، مطلق طریق آخرت کو جاننا ، نفس کی آفتوں اور اعمال میں بگاڑ پیدا کرنے والے عوامل کی باریکیوں کو پہچان لینا ، آخرت کی آسودگی پر پورا دھیان دینا اور دل پر خوف کا قابض ہو جانا ، ہی تھے ۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی راہنمائی ملے گی : " ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم " (سورۃ (۹) التوبۃ ، آیت : ۱۲۲) یعنی تاکہ دین میں " تفقہ " پیدا کریں اور جب اپنی قوم میں لوٹ آئیں تو انہیں ڈرائیں ۔

لفظ فقہ کی معنوی تحدید اور تنگی کا اعتراف متاخرین نے بھی کیا ہے ۔ مگر انھوں نے امام غزالی کی طرح زور دار مزاحمت کو بے سود جانتے ہوئے ترک کر دیا ۔ ان کی تحریرات کے مطالعہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انھوں نے اس تبدیلی کو برضا و رغبت قبول کر لیا ہے ۔ علامہ زکریا بردیسی لکھتے ہیں :

قد اطلق الفقه قديما على كل ما فهم من كتاب او سنة لافرق بين ما تعلق بعقيدة وما تعلق بعمل

(اصول الفقہ ، صفحہ : ۲۳ ، دار الثقافۃ ، قاہرہ ، ۱۹۸۵ء)

لفظ فقہ کا اطلاق پہلے پہل ہر اس مفہوم پر ہوتا تھا جو کتاب و سنت سے حاصل ہوتا ، قطع نظر اس سے کہ اس کا تعلق عقیدے سے ہے یا عمل سے ۔

علامہ ابن خلدون اس تجریدی عمل کو بنظر استحسان دیکھتے اور فقہ کی تکمیل و ترقی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ لفظ " قاری " کی جگہ " فقیہ و عالم " ایسے القاب کے استعمال اور ان کی شہرت و فروغ کی توجیہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

فقہ نے تکمیل پا کر ایک مستقل علم و فن کی شکل اختیار کر لی ۔

(مقدمہ ابن خلدون ، ترجمہ از سعد حسن خان یوسفی ، باب : ٦ ، فصل : ٧ ، صفحہ : ۴۳۹ ، میر محمد کتب خانہ ، کراچی)

علوم اسلامی میں تجرید و انفرادیت

علماء و محققین کے نقطہ ہائے نظر کے اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ محققین جب علم فقہ کو اس کی موجودہ شکل میں دیکھتے ہیں، مختلف علوم کو علیحدہ علیحدہ خطوط پر استوار پاتے ہیں، تمام علوم کی حدود و قیود ان کو انفرادی طور پر یکجا نظر آتی ہیں اور ان علوم کے اصول و کلیات اور قواعد و ضوابط بکھرے ہوئے ہونے کی بجائے انہیں نکھرے ہوئے نظر آتے ہیں تو عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ان کی یہ خوشی اس لحاظ سے بجا ہے کہ اس تجریدی عمل سے علوم اسلامی کی تشکیل و تدوین اور ترقی میں بڑی مدد ملی ہے۔ شریعت اسلامی ایک ہیرے کی مانند ہے، اسے تراشنا اور شعاع ریز کرنا مقصود تھا۔ ہر اختراع و ایجاد اور جدت و ندرت کا مقصود اصلی یہی تھا۔ اس تکمیل کی دعوت قرآن مجید نے بھی واضح طور پر دی ہے:

افلا يتدبرون القرأن ام على قلوب اقفالها ○

(سورة (۴۷) محمد، آیت: ۲۵)

کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں قرآن مجید پر پیہم غور و فکر کی دعوت و ترغیب بڑی معنی خیز ہے کیونکہ جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا انہیں اپنی زبان دانی پہ بڑا ناز تھا۔ محض سطحی و سرسری مفہوم سے تو وہ بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ مفسر قرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیہ کے سیاق میں لکھتے ہیں:

حق جب نکھر کر سامنے آ جاتا ہے تو اس کی کشش خود بخود دلوں کو اپنی جانب جذب کرنے لگتی ہے۔

(ضیاء القرآن، تفسیر آیت: ۲۵، سورہ (۴۷) محمد)

سچ یہ ہے کہ ائمہ، مجتہدین، فقہاء، محدثین اور علماء نے اس ہیرے کے مختلف پہلوؤں کو تراشنے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اور اس خوبی سے اس کو شعاع ریز کیا کہ شریعت کا ہر طریقہ و راستہ واضح اور روشن ہو گیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور علوم و فنون کی تجرید و تحدید اور ان کے انفرادی استحکام کی جانب دھیان نہ دیا جاتا تو پیش آمدہ مسائل میں ادلہ شرعیہ سے راہنمائی ہی آسان رہتی نہ اس اختلاط و امتزاج کے بحر بیکراں میں گوہر مقصود تک رسائی ہی ممکن ہوتی۔

تحویل و تخصیص کی وجہ

ابتدا میں تو یہ لفظ تمام علوم اسلامی کو شامل اور عام تھا۔ مگر جب اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع ہوئیں اور متعدد دیارِ عجم بھی اپنے فکر و فلسفہ سمیت اسلامی ریاست کے زیر نگیں آ گئے تو عقلیت پسند فلاسفہ کے مدمقابل عقائد اسلامی کے اثبات و دفاع اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے اور اثر زائل کرنے کے لیے "علم الکلام" ایجاد ہوا۔ اس کا موضوع و مبحث "اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات" یا "موجود من حیث ھو ھو" قرار دیا گیا۔

(شرح فقہ اکبر از علامہ نجم الغنی رامپوری، صفحہ: ۶، میر محمد کتب خانہ، کراچی)

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب رسالہ " الفقہ الاکبر " اسی قبیل سے ہے۔

عہد تابعین میں ہی اس علم کا نام " فقہ اکبر " رکھ دیا گیا تھا۔ جبکہ فروعی احکام سے متعلقہ علم کا نام " فقہ اصغر " پڑگیا۔ ظاہر ہے اعتقادی مسائل پر بحث و تمحیص کے دروازے عامۃ المسلمین پر کھولے جا سکتے تھے نہ کھولے گئے کہ ہر شخص میں اسکی لیاقت ہی نہ تھی۔ اس کا منطقی انجام یہ ہوا کہ یہ نام لوگوں کی زبانوں سے اتر کے رہ گیا اور بحث و تمحیص کی کثرت کے باعث رفتہ رفتہ " علم الکلام " کے نئے نام سے معروف ہو گیا۔

اس کے مقابلے میں شریعت اسلامی کا وہ حصہ جو انسان کے ظاہری و خارجی اعمال سے بحث کرتا اور انکی اصلاح کی ضمانت مہیا کرتا تھا، جو آغاز میں " فقہ اصغر " کے نام سے موسوم ہوا، عام مسلمانوں کو اگر سروکار تھا تو انہیں فروعی اور جزئی مسائل و احکام سے تھا۔ لہذا یہ نام زبان زد خاص و عام ہو کے رہا۔ جب اس کا مقابل پردہ خفا میں چلا گیا تو حد امتیاز یعنی " اصغر " بھی ختم ہو گئی۔ اور صرف "فقہ" کا لفظ باقی رہ گیا جو قریب قریب انسانی زندگی کے تمام عملی پہلوؤں پر حاوی اور ان کو محیط ہے۔ تاہم اس امر سے بھی کسی کو سر مو مجال انکار نہیں کہ " تفقہ " یا " فقاہت " حاصل کرنے کا جو مقصد قرآن مجید (لینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم، سورہ (۹) التوبۃ، آیت ۱۲۲) میں بیان کیا گیا ہے۔ صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب صدر اول کا مروجہ معنی و مفہوم تفقہ ملحوظ رہے۔ محض فروعی مسائل کا علم سعادت کاملہ کے حصول کے لیے ناکافی ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

فقہ کے لغوی معنی فہم و بصیرت اپنے اندر خاص جاذبیت رکھتے ہیں۔ یعنی احکام خداوندی کی فہم و بصیرت، انسانوں نے جس قدر اور جس طرح انہیں سمجھا، انہیں منطبق یا لاگو کیا اور عملدر آمد کی کوشش کی اگر ان کا تعلق خارجی و ظاہری اعمال سے ہے تو فقہ ہے۔ اس لغوی معنی کی رعایت اصطلاحِ فقہاء و اصولیین میں بھی برقرار ہے۔

علامہ آمدی نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے:

"الفقہ مخصوص بالعلم الحاصل بجملۃ من الاحکام الشرعیۃ الفروعیۃ بالنظر والاستدلال"

(الاحکام فی اصول الاحکام، جلد اول، صفحہ: ۴، مطبعۃ: محمد علی صبیح میدان الازہر، مصر ۱۳۴۷ھ)

" فقہ " شریعت کے ان تمام فروعی احکام کے علم کے لیے مخصوص ہے جو غور و فکر اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

جبکہ عبدالکریم زیدان نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ آمدی کی متذکرہ تعریف کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور اس کو زیادہ بہتر اور جامع و مانع بنانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ المکتسبۃ من ادلتہا التفصیلیۃ او ہو ہذہ الاحکام نفسہا۔

(الوجیز فی اصول الفقہ، صفحہ: ۸، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۸۷ء)

شریعت کے ان عملی قوانین کا علم جو اپنے تفصیلی دلائل سے حاصل ہوں فقہ کہلاتا ہے یا اپنے طور پر یہی (مرتب و مدون) احکام (کے مجموعے فقہ کہلاتے ہیں۔)

اختلاف ائمہ

ائمہ مجتہدین نے حق کی کھوج لگانے اور سچ کی دریافت کے لیے جگر خون کیا ہے۔ مراد شارع کا ادراک اور اس کو معمول بنا لینا آسان نہیں۔ ہماری پیشرو امتوں نے صدیوں ٹھوکریں کھائیں۔ کڑی آزمائشوں سے گزریں، لرزہ خیز امتحانات کا سامنا کیا تب کہیں گوہر مراد ان کے ہاتھ آیا۔ ان کے چشم کشا حالات و واقعات ہمارے لیے درس عبرت مہیا کرتے ہیں۔ صرف ایک نشان عبرت ملاحظہ فرمایئے:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا متی نصراللہ الا ان نصر اللہ قریب

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۲۱۴)

کیا تم خیال کر رہے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ تمہیں تو ابھی ان حالات کا سامنا ہی نہیں ہوا جو پچھلی امتوں کو پیش آئے۔ انہیں وہ سختی اور مصیبت پہنچی کہ وہ لرز اٹھے۔ یہاں تک کہ (اس عہد کا) رسول پر ایمان لانے والے پکار اٹھے، کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اگر تم ثابت قدم رہے تو) سن لو اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

ایک کسان بھی جب جان جوکھوں میں ڈال کر کھیت تیار کرتا ہے تو فصل رات ہی رات پک کر تیار نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اسے ایک عام اور موسمی فصل سے فیضیاب ہونے کے لیے بھی پورا موسم پوری طرح چوکنا رہ کر اس کی نگہداشت کرنی ہوتی ہے اور ایک طویل و صبر آزما انتظار سے گزرنے کے بعد ہی وہ اس فصل کے ثمرات سے بہرہ مند ہو پاتا ہے اور کبھی تو اسے اس کا بھی موقع نصیب نہیں ہو پاتا اور پھل پک کر اس کے ورثاء اور پس ماندگان کی جھولی میں جا گرتا ہے۔ بالکل ایک مخلص اور سچے کسان کی طرح ائمہ مجتہدین نے بھی عرق ریزی اور جانفشانی کے جوہر دکھائے اور بعد میں آنے والوں کے لیے کئی طرح کی سہولتیں اور آسانیاں پیدا کردیں۔ فوری، ناگزیر اور ضروری علوم کو پروان چڑھایا اور ہماری سہل انگاری کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے علوم و فنون کی تخم ریزی بھی کر دی۔

دادیم ترازہ گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی!

ان تمام علوم کی تشکیل اور ترتیب و تدوین کسی فرد واحد یا محض چند افراد کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لیے جہد مسلسل اور سعی پیہم درکار تھی۔ اس طویل سفر میں ایسے کئی ٹھوس اسباب اور اہم سنگ میل آئے ہیں جہاں پہنچ کر نقطہ نظر میں اختلاف واقع ہونا ناگزیر تھا۔ صلاح و فلاح امت کے مقدس جذبے کے زیر اثر

خوب سے خوب تر کی تلاش کا عمل جاری رہے تو اختلاف " انسونی " نہیں ، عین فطری بلکہ رحمت بن جاتا ہے اور اسی اختلاف کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اختلاف امتی رحمة

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر خلائق ، بحوالہ ابن نصر ، صفحہ: ۱۱ ، مدنی کتب خانہ ، کراچی)

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

اس حدیث میں بیان کردہ " اختلاف " سے مراد وہ اختلاف ہے جو نیک نیتی پر مبنی اور امتثال بالامر اور اجتناب عن المنہیات میں تکمیل سے عبارت ہو۔ ذاتی مفاد اور عناد کی خاطر رونما ہونے والا اختلاف و باہمی آویزش اور افکار و خیالات کا فساد ہرگز مراد نہیں۔ امور و معاملات اپنے مقاصد سے پہچانے جاتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات

(الحدیث الاول من الجامع الصحیح للامام محمد بن اسماعیل البخاری)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

جب ہم اس اختلاف کے پس منظر میں جھانکتے ہیں ، اس کے اسباب و علل اور اس کی توجیہات پر غور و غوض کرتے ہیں تو علماء و محدثین اور آئمہ مجتہدین کی نیک نیتی اور براءت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اور اگر کسی مقام پر قاری کا دل میلا ہو بھی جائے تو اس کے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ علماء و فقہاء سے بھی بحیثیت انسان غلطی ہوسکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک عام آدمی کا صحیفہ کردار و عمل ایک رنگین کپڑے کی مانند ہوتا ہے جو کئی رنگوں کے چھوٹے بڑے داغ دھبوں کو دبا اور چھپا لیتا ہے۔ جبکہ ائمہ و مجتہدین اور علماء کا دامنِ کردار سفید کپڑے کی مانند اور بے لوث و بے داغ ہوتا ہے۔ اس پر پڑنے والی کسی بھی نامانوس رنگ کی حقیر سی بوند بھی اپنے آپ کو نمایاں رکھتی اور دور سے دیر تک نظر آتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہم امکان خطا کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور ان بزرگوں کی تقلید پر بھی زور دیتے ہیں ، ایسا کیوں ہے ؟ اس کا سادہ اور مختصر جواب یہ ہے کہ یہ امت کے بہترین افراد ہیں۔ خلوص و راستی کا پیکر اور تقویٰ و پرہیزگاری کا نمونہ مجسم۔ ہمارے گناہ اور بداعمالیاں ہماری نیکیوں سے بڑھکر اور بڑی ہیں۔ وہ فہم و ذکا میں یگانہ تھے۔ علوم و معارف میں انہیں کامل دستگاہ میسر تھی۔ وہ بحر معانی میں غوطہ زن ، ہم ساحل پہ کھڑے تماشبین جو کھڑے کھڑے خود تماشا ہو گئے۔ ان کی خطائیں اور لغزشیں چھوٹی چھوٹی اور کم ، جبکہ نیکیاں بڑی اور بہت۔ فہم و بصیرت اور فراست مومنانہ کا معاملہ ہو تو ہمیں ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ابن ماجہ نے حضرت اسماء بنت یزید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پاک روایت کیا ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انبئکم بخیارکم قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال خیارکم الذین اذا رءوا ذکر اللہ عزوجل

(سنن ابن ماجہ ، صفحہ: ۳۰۳ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا : کیا میں تمہارے سامنے تم میں سے بہترین افراد کی نشاندہی نہ کروں ؟ صحابہ کرام نے عرض کیا : ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ ! فرمایا : تم میں سے بہترین وہ ہیں جن پر نظر جائے تو اللہ عزوجل کی یاد تازہ ہو جائے ۔

لہٰذا ان کے نقش قدم پر چلے بغیر منزل تک رسائی ممکن ہی نہیں ۔ اللہ کے ان ہی نیک بندوں کے حق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وا صبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجہہ ولا تعد عینک عنہم ، ترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا ، ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا ○

(سورۃ (۱۸) الکہف ، آیت : ۲۸)

یعنی اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں ، کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے ۔ اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا ۔

اور اگر کچھ غلط کار ، علماء حقہ کا لبادہ اوڑھ غلط کاریوں میں مصروف ہیں بھی تو بروں کی برائی کا مواخذہ نیکو کاروں سے کرنا کہاں کی دانش مندی ہے ؟ کوئی بھی ذی فہم و شعور اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کے حاملان علوم نبوی (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰت والتسلیمات) آج بھی رونق محفل ہیں ۔ بقول کسے ۔

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ہوتے تو ہیں

مغالطہ آرائی سے گریز :

کسی عالم یا مفتی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو زچ کرنے ، نیچا دکھانے اور اسی نوع کے دنیاوی اغراض و مقاصد کی خاطر مغالطہ آرائی کرے ، یا کسی حریف کے فتاویٰ کی غلط تعبیر کے ذریعے عوام میں اس کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرے ۔ اس سے لوگوں کے دین سے متنفر و بیزار ہونے کا اندیشہ ہے اور امکان ہے کہ اس طرح لوگ بد عملی کی راہ پر چل نکلیں گے ۔ ایسی ناپسندیدہ حرکتیں مقاصدِ شارع سے بھی براہ راست متصادم ہیں ۔ مقاصد شارع سے ہم آہنگی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پاک اہم سنگ میں ہے :

یسروا ولا تعسروا و سکنوا ولا تنفروا

(صحیح بخاری ، کتاب الادب ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، یسروا ولا تعسروا)

کسی کو دھوکہ دینا ، غلط مشورہ دینا اور مغالطہ آرائی کے ذریعے کسی پر اتہام طرازی کرنا شریعت کی رو سے باعث نفرت اور قابل گرفت ہے ۔

مغالطہ آرائی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے ۔

عن معاویۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الغلوطات

(ابو داؤد، حصہ دوم، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا)

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ آرائی سے منع فرمایا ہے۔

لہٰذا جو لوگ دینی شعبے میں بحیثیت واعظ یا مبلغ کام کر رہے ہیں انہیں اپنے فکر و شعور اور کردار و عمل کو دینی قدروں سے ہم آہنگ کیے بغیر اس نازک و حساس شعبے میں قدم بڑھانے سے گریز کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں خود نمائی کے شوق میں اپنے آپ کو عالم و فاضل ظاہر کرنے والوں کے حق میں وعید وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

و لا تقف ما لیس لک بہ علم،

(سورہ (۱۷) بنی اسرآئیل، آیت: ۳۶)

یعنی اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔

اور جو اہل علم و فضل خدمت دین کی خاطر تحقیق و طلب اور تلاش و جستجو میں ہیں اور تحریری مواد کے ذریعے عوام سے رابطے میں ہیں انہیں بھی ہمہ وقت قرآن مجید کا یہ غیر مبہم اور واضح حکم پیش نظر رکھنا چاہیے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلہم بالتی ھی احسن،

(سورہ (۱٦) النحل، آیت: ۱۲۵)

یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

بلکہ اس اصول کو حرز جان اور نصب العین بنا کر تبلیغ دین سے مقدس دینی و ملی فرض کو پورا کرنا چاہیے۔

فاللہ المستعان و علیہ التکلان

۵ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

محمد عارف خان ساقی
فاضل علوم اسلامیہ
ایم۔ اے اسلامیات (امتیازی)

اسلام

کلمہ طیبہ کا قرآن سے ثبوت

الاستفتاء:-

عرض ہے کہ ہم دوستوں کے درمیان ایک مذہبی مسئلہ زیر بحث ہے جو بہت ہی اہم اور بنیادی ہے۔ برائے مہربانی مندرجہ ذیل مسائل قرآن وحدیث کی رو سے واضح فرمائیں۔

(۱) مسلمانوں کا کلمہ یعنی "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" کیا قرآن میں ہے؟

(۲) شیعہ حضرات اس کلمہ میں "علی وصی رسول اللہ" کا اضافہ کرتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے کلمہ کس نے پڑھا؟

سائلین: ظہیر احمد خان، نعیم احمد خان

الجواب:-

(۱) کلمہ طیبہ کے ان دو اجزا کا ذکر قرآن میں علیحدہ علیحدہ دو جگہ آیا ہے۔ پہلے جزء یعنی "لاالہ الااللہ" کا ذکر سورۃ (۳۷) الصافات کی آیت: ۳۵ میں ہے۔ جبکہ دوسرے جزء یعنی "محمد رسول اللہ" کا ذکر سورۃ (۴۸) فتح کی آیت: ۲۹ میں ہے۔

(۲) کلمہ میں "علی وصی رسول اللہ" کا اضافہ شیعہ بے دین فرقہ کی طرف سے کیا گیا ہے اور اس اضافہ

سے صاف ظاہر ہے کہ شیعہ فرقہ کا اسلام و مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا اور سابق الاسلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ "اسدالغابۃ فی سیرت الصحابہ" میں ہے :

فلما جاء الاسلام سبق الیہ

(صفحہ: ۳۰۶، جلد: ۱)

جب اسلام آیا تو آپ نے ہی اس کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

سیرت حلبی میں ہے :

ان ابابکر رضی اللہ تعالی عنہ اول الناس اسلاماً ہو المشہور عند الجمہور من اہل السنۃ

(صفحہ: ۳۳۳، جلد: ۱)

بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمہور اہل سنت کے نزدیک اسلام لانے والوں میں سب سے پہلے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ شہادت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں "السلام علیک ایھاالنبی" پڑھتے تھے یا "السلام علی"؟ اسی طرح کلمہ شہادت میں "انی رسول اللہ" پڑھتے تھے یا "ان محمداً عبدہ ورسولہ"۔ بینوا و توجروا

سائل: وقار احمد صدیقی، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

درمختار میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں "انی رسول اللہ" کہا کرتے تھے۔ اور کلمہ میں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ نے کہا: "اشہدان لاالٰہ الا اللہ واشہدانی رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں) یہ بخاری شریف میں ہے۔ مگر عام طور پر کلمہ کے الفاظ وہی پڑھا کرتے تھے جو ہر مسلمان پڑھتا ہے۔

(فتاوی شامی، جلداول، صفحہ: ۳۷۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مجہول (وہ شخص جس تک اسلام کا پیغام نہ پہنچ سکا) کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بعض لوگ ایسی جگہوں پر بستے ہیں جہاں عمر بھر اسلام کا پیغام نہیں پہنچ پاتا۔ مثلاً افریقہ کے جنگلوں کے غیر مسلم، بعض ایسے بھی ہیں کہ بیرونی دنیا سے کوئی رابطہ و تعلق نہ ہونے کے باعث اسلام سے آگاہ نہ ہو سکے یا جیسے قطب شمالی اور قطب جنوبی کے باشندگان، جو غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو کر وہیں اپنی زندگی کے دن پورے کر کے چل بسے۔ ان کے لیے کوئی ایسا موقع ہی فراہم نہ ہو سکا کہ وہ اسلام کے روشن حقائق سے آگاہ ہو سکتے۔

پس ایسی صورت میں قرآن حکیم کا یہ حکم کہ "سارے غیر مسلم جہنم میں جائیں گے" محل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ دلائل کے ساتھ مفصل جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: امتیاز الرحمٰن، امریکہ

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا

(سورۃ (١٧) الاسراء، آیت: ١٥)

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کو رسول کے تشریف لانے کی خبر نہ ہو اور دعوت اسلام اس تک نہ پہنچی ہو تو اسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لائے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور آپ کی تشریف آوری اور اسلام کی دنیا کے گوشے گوشے میں ہر انسان کو اطلاع مل چکی ہے۔ اب ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرے، حق کو تلاش کرے اور اس پر عمل کرے۔ اگر اسلام کی اطلاع ملنے کے بعد جستجو نہ کی تو کوتاہی کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس کے علاوہ حدیث میں ارشاد فرمایا:

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ

(بخاری، جلد اول، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ)

ہر بچہ ایسی سمجھ پر پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو جان سکتا ہے۔ البتہ اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اس کا مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صحیح العقل پیدا ہونے والے بچے میں یہ قوت ودیعت کی ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان سکے۔ احکام شرعیہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت یا زنا اور شراب وغیرہ محرمات کی تحریم عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس زمانے میں نادر الوجود ہونے کے باوجود اگر کوئی ایسا شخص پایا جائے جسے بعثت رسول اور اسلام کی خبر اب تک نہیں پہنچی ہے تو احکام شرعیہ کا وہ مکلف نہیں ہے اور اسے اس کا عذاب بھی نہیں ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد اگر اس نے صرف اتنا جان لیا کہ میرا کوئی خالق ہے اور وہ ایک ہے تو اس کی نجات کے لیے یہ کافی ہے اور اگر یہ بھی نہ جانا یا شرک یا غیراللہ کی پرستش میں مبتلا ہو گیا تو اس نے اپنی عقل سے یا تو کام نہ لیا یا غلط کام لیا، یہ قابل معافی نہیں۔ اصول کی مشہور کتاب " مسلم الثبوت " میں اس مسئلے کے بارے میں ہے:

ثم من الحنفية من قال ان العقل قد يستقل فی ادراک بعض احکامه تعالٰی فاوجب الايمان و حرم الكفر و كل ما لا يليق بجنابه تعالٰی حتّٰی علی الصبی العاقل و روی عن ابی حنيفة رحمه الله تعالٰی لا عذر لاحد فی الجهل بخالقه لما يری من الدلائل

(مسلم الثبوت، صفحہ: ۱۶، مکتبہ مجیدی، کانپور، انڈیا)

پھر احناف میں سے بعض نے کہا ہے کہ عقل بسا اوقات اللہ کے احکام کے ادراک کی قدرت حاصل کر لیتی ہے۔ اس بناء پر انہوں نے ایمان باللہ کو (ہر ایک پر خواہ کسی رسول کی دعوت اس تک پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو) واجب ٹھہرایا ہے۔ جبکہ کفر اور ہر اس اعتقاد کو جو باری تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو حرام قرار دیا ہے، یہاں تک کے سمجھ حاصل کر لینے والے بچے پر بھی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: دلائل پر اس کے غور و خوض کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے خالق کے معاملے میں اس کے جہل کو عذر نہ مانا جائے۔

اس پر بحرالعلوم نے " فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت " میں لکھا ہے:

و فرع فخر الاسلام علی هذا التوجيه ان من لم تبلغه الدعوة لو لم يعتقد شيئا من الكفر و الايمان فی ابتداء العقل كان معذوراً لانه لم تمض عليه مدة التامّل ولو اعتقد كفراً لم يكن معذوراً لان اعتقاد جانب يدل دلالة واضحة علی انه ترک الايمان مع القدرة علی تحصيله بالتامّل وانه تامّل فاختار الكفر

یعنی اس توجیہ پر فخرالاسلام نے یہ تفریع کی ہے کہ جس شخص تک دعوت حق نہ پہنچی اگر ابتدائے عقل میں اس نے کفر و ایمان میں سے کسی ایک کا بھی اعتقاد نہ رکھا تو معذور متصور ہوگا۔ اس لیے کہ ہنوز اسے غور و فکر کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور اگر کفر کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے تو معذور نہیں کیونکہ ایک جانب کا عقیدہ اپنا لینا واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے ایمان کو، اسے غور و فکر کے ذریعے حاصل کر لینے کی قدرت کے باوجود، ترک کر دیا اور اس نے غور و خوض کیا پھر بھی کفر کو ہی اختیار کیا۔

اسی فواتح الرحموت میں امام اعظم کے اس قول " لا عذر لاحد فی الجهل بخالقه لما يری من الدلائل " پر لکھا:

علی ثبوت الوحدانیة بحیث لامجال للعاقل ان یرتاب فیہ ومن ارتاب معہا فلسوء فہمہ وعدم تدبرہا لا لریب فیہ

(جلد اول ، صفحہ : ۲۸ ، مکتبۃ التراث الاسلامیہ ۔ ملتان)

یعنی وحدانیت کے ثبوت پر دلائل مراد ہیں ۔ اس لیے کہ کسی عقل مند کے لیے کوئی موقع نہیں کہ وہ اس (وحدانیت) کے معاملے میں شک کرے ، اس کے باوجود جس نے شک کیا تو اپنے سوء فہم یا عدم تدبر کے باعث کیا ، نہ کہ اس (وحدانیت) میں کسی شک کی گنجائش کے باعث ۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا اسلام ایک سنا سنایا مذہب ہے ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ دینی علم رکھتا ہے ، اس سے پوچھا گیا کہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بڑھانے والے کے بارے میں کیا حدیث ہے ؟ فرمایا کہ جھوٹے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بڑھا دیتا ہے ۔ اس پر اس شخص سے کہا گیا کہ بس یہی عمل آپ کا ہے کہ آپ نے بھی فلاں سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے آگے بڑھا دی ، جو جھوٹ ہے ۔ تو اس نے کہا کہ اسلام بھی ہم تک سنا سنایا آیا ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اسلام ہم تک سنا سنایا آیا ہے ؟ شرعی حکم کیا ہے ؟

سائل : عبدالعزیز خان ، لطیف آباد ، حیدر آباد

الجواب :-

حدیث کے الفاظ مسلم میں یہ ہیں :

کفی بالمرء کذباً ان یحدّث بکل ما سمع

(جلد اول ، صفحہ : ۸ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ " آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے " ۔ اس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ تمام سنی ہوئی باتوں میں جھوٹی اور سچی دونوں قسم کی باتیں ہوں گی اگر یہ سب کو بیان کرے گا تو جھوٹی کو بھی بیان کرے گا ۔ جب اس کی زبان سے لوگ جھوٹی بات سنیں گے تو اس کو جھوٹا کہیں گے ۔ اس قائل (کہنے والا) کے جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں ان کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام سنی سنائی باتوں کی طرح ایک مذہب ہے ۔ یہ اس قائل کی انتہائی جہالت ہے کیونکہ خبر متواتر مفید یقین ہوتی ہے ۔ اس میں

احتمالِ کذب بھی باقی نہیں رہتا۔

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سنا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے تواتر کے ساتھ منقول ہوا۔ اسی طرح احادیث، امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہم، محدثین تک پہنچی ہیں اور انہوں نے راویوں کی اچھی طرح تفتیش کرنے کے بعد اپنی کتابوں میں لکھیں۔ اسلام کے اصول سنی سنائی باتوں پر موقوف نہیں ہیں۔ لہٰذا اس قائل نے جو جواب دیا وہ انتہائی جہالت ہے، اسے توبہ کرنی چاہیے۔

مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا

الاستفتاء:-

اگر کسی مسلمان شخص کو یہ کہہ دیا جائے کہ تم کافر ہو تو کیا کہنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟ کیا اس شخص کو کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان کرنا ضروری ہے یا جس شخص کو اس نے کافر کہا ہے، صرف اس سے معافی مانگ لے کہ مجھے تم معاف کردو میں تمہیں آئندہ نہیں کہوں گا؟

ایک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہہ دے تو کہنے والا جب تک کلمہ نہیں پڑھے گا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا یعنی اس پر کلمہ پڑھنا لازم ہو جاتا ہے۔ جب تک کلمہ نہیں پڑھے گا اس کی کوئی نماز اور کوئی عبادت قبول ہی نہیں ہوگی خواہ وہ کتنا ہی پرہیزگار اور پانچوں وقت کی نماز ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔

الجواب:-

مسلمان کو کافر کہنا بہت برا ہے۔ لیکن اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ گالی کے طور پر کہا جائے، اس سے کہنے والا کافر نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اسلام سے خارج کے معنی میں کافر کہا جائے تو اس صورت میں کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اسے تجدید ایمان کرنی ہوگی اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی کرنی ہوگی اور جب تک تجدید ایمان نہیں کرے گا اس کی نماز، روزہ وغیرہ، عبادات قبول نہیں ہوں گی۔

عالمگیری میں ہے:

والمختار للفتوٰی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان کان اراد الشتم و لایعتقده کافراً لا یکفر وان کان یعتقده کافراً فخاطبه بهذا بناء علی اعتقاده انه کافر یکفر،

(جلد دوم، صفحہ: ۲۷۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اس قسم کے مسائل میں مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ اس قسم کے اقوال اگر محض گالی کے طور پر ہیں نہ کہ

اعتقاداً تو کہنے والا کافر نہ ہوگا اور اگر کہنے والا واقعتاً اسے کافر سمجھتا ہے اور اسی بناء پر اس نے اس طرح (اے کافر !کہہ کر) پکارا تو وہ خود کافر ہو جائے گا۔

دونوں صورتوں میں اسے اس شخص سے معافی مانگنا ہوگی جسے کافر کہا تھا۔

اسلام کو چھوڑنے کا ارادہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی آدمی ارادہ کرلے کہ میں اسلام چھوڑ کر عیسائی ہو جاؤں گا یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلوں گا تو کیا وہ شخص فوراً ہی خارج از اسلام ہو کر مرتد ہو گیا؟ اس مسئلہ میں اس کے مرتد ہونے پر کیا دلائل ہیں؟ قرآن کریم کی کوئی آیت یا حدیث شریف یا فقہ کی کوئی عبارت حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

سائل: نور محمد، ٹنڈو اللہ یار، سندھ

الجواب:-

ایمان ایسے یقین کو کہتے ہیں جس میں مخالف جانب کا امکان باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا جب کوئی شخص یہ کہے کہ اگر ایسا ہو جائے گا تو میں عیسائی، یہودی یا ہندو ہو جاؤں گا تو اس کا مطلب یہ ہوا اسے یقین حاصل نہیں ہے اس لیے وہ اسلام چھوڑ دینے کا کہہ رہا ہے۔ جسے یقین حاصل ہو جاتا ہے اس کے نزدیک ایمان چھوڑنے کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ایسا کہنے والا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

واذا عزم على الكفر ولو بعد مائة سنة يكفر فى الحال

(جلد دوم، صفحہ: ۲۸۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور جب کسی نے کفر کا عزم و ارادہ کر لیا اگرچہ سو سال بعد کا (یعنی سو سال بعد ہی کیوں نہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو) تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

اسلام سے خارج ہونے کا ارادہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے خدا کی بارگاہ میں وعدہ کیا تھا کہ میں فلاں گناہ نہیں کروں گا اور اگر کروں گا تو مسلمانیت سے خارج ہو جاؤں گا، یعنی مسلمان نہیں رہوں گا۔ کیا زید اب مسلمان نہیں رہا؟ کیونکہ زید سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہے۔

زید نے پھر کلمہ پڑھ کر غسل کر لیا اور خدا سے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ کیا زید صحیح طریقہ سے دوبارہ مسلمان ہو چکا ہے؟ اگر نہیں تو پھر کس طرح مسلمان ہوگا؟ کیا آئندہ کبھی زید اس گناہ کا مرتکب ہوا تو پھر مسلمانیت سے خارج ہو جائے گا؟ یا ایک دفعہ اس نے وعدہ توڑ دیا تو کیا یہ وعدہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا یا باقی رہے گا؟ اس کے علاوہ بھی زید نے بہت سے اور گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے وعدے کئے تھے کہ اگر میں نے فلاں گناہ کیا تو مسلمان نہیں رہوں گا۔ پھر بعد میں زید کو احساس ہوا کہ اسے یہ وعدے نہیں کرنے چاہئیں تھے۔ کیا وہ اب اپنے ان وعدوں کو واپس لے سکتا ہے؟

برائے مہربانی ان مسائل کا تفصیل سے جواب لکھیے۔ مشکور ہوں گا۔

الجواب:-

کوئی مسلمان اگر کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی شرط پر اپنے کافر ہونے یا اسلام سے خارج ہونے کی بات کہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو مسلمانیت سے خارج ہو جاؤں گا، یہ بات جس وقت بولی اسی وقت کافر ہو گیا، فعل کرے یا نہ کرے۔ ایمان، تصدیق اور یقین کا نام ہے۔ یقین، زائل ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ جب کوئی شخص کسی شرط پر اس کے زائل ہونے کی بات معلق کرتا ہے تو گویا اسی وقت اسے یقین نہیں۔ اس لیے فقہا نے یہ حکم دیا ہے کہ اس نے جتنے کاموں کے لیے بھی اس قسم کے الفاظ استعمال کیے تھے، ان سب سے فوراً توبہ کرنی چاہیے اور نئے سرے سے کلمہ پڑھنا چاہیے، اگر شادی شدہ ہے تو نکاح بھی دوبارہ کرے۔ گناہ کرنا ہمیشہ برا ہے مگر اس شخص سے آئندہ وہ افعال صادر ہوں جن کے نہ کرنے کی اس نے یہ قسم کھائی تھی تو ان سے کافر نہ ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

توحید

اسم باری تعالیٰ کا احترام

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے علاقے خداداد کالونی کے فٹ پاتھ پر کے۔ ڈی۔ اے والوں نے جو اینٹیں لگائی ہیں، ان پر انگریزی میں لفظ " لطیف " لکھا ہوا ہے جس پر لوگ چلتے پھرتے ہیں تو اس لفظ کی حد درجہ بے حرمتی ہوتی ہے۔ لہذا از روئے شرع جو حکم ہو، صادر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: ارشد احمد، نزد خداداد کالونی، کراچی

الجواب:-

اگر یہ صحیح ہے تو انتہائی قابل افسوس ہے کہ ایک ایسا ملک جو اسلام کے نام پر بنا، اور ملک کے رہنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے، وہاں اسماء باری تعالیٰ کی اس طرح بے حرمتی کی جائے۔ " لطیف " کسی زبان میں لکھا جائے، یہ ہے تو اسماء باری تعالیٰ میں سے۔ لہذا اس پر پیر رکھنا اور چلنا پھرنا سب حرام ہے۔ کے۔ ڈی۔ اے کو فوراً ان اینٹوں کو ہٹانے کے انتظامات کرنے چاہئیں اور متعلقہ کنٹریکٹر اور جس نے یہ اینٹیں بنوائیں، ان کا سخت محاسبہ کرنا چاہیے۔ بظاہر یہ کسی مسلمان کا کام معلوم نہیں ہوتا، یہ کسی ایسے شخص کی حرکت ہے جو مسلمانوں کے جذبات بھڑکا کر ہنگامے کرانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالٰی کے لیے " تو " یا " تم " کا استعمال

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین اس مسئلہ میں کہ اللہ تعالٰی کو عام طور پر " تو " یا " تم " کہہ کر پکارا جاتا ہے اور کسی بزرگ کو بمقصد تعظیم " آپ " کہہ کر پکارتے ہیں یا مثال کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو " آپ " کے کلمے سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ جبکہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ذات اللہ تعالٰی کی ہے۔ جزاک اللہ خیرا

سائل : زاہد علی زیدی ، ملتان

الجواب:-

اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات ایسی واحد ہے کہ جس میں کثرت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالٰی کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے جاسکتے جن میں کثرت کا شبہ ہو۔ ہر زبان میں واحد اور جمع کے صیغے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ جمع کا صیغہ اصل میں کثرت کے لیے ہے اور کبھی کبھی تعظیم کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالٰی کے لیے ایسا لفظ نہیں بولا جاسکتا جس کے اصل معنی کثرت کے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں کسی نبی سے کوئی ایسی دعاء یا جملہ منقول نہیں ہے جو جمع کے صیغے پر مشتمل ہو ؛ ہر جگہ واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ متکلم خود اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے تو اس سے مقصود مخاطب پر اپنی عظمت ظاہر کر کے فرماں برداری کرنے پر مائل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالٰی نے خود اپنے لیے جمع کے صیغے استعمال کیے ہیں ، ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں بہر حال واحد کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ زید کہتا ہے : اللہ تبارک وتعالٰی کے لیے جمع کا صیغہ نہیں بولنا چاہیے۔ مثلاً " اللہ صاحب فرماتے ہیں " کہنا شرعاً منع ہے۔ اگر کوئی چیز فی نفسہ جائز تو ہو مگر وہ کسی بے دین اور گمراہ قوم کا شعار یا کسی کافر قوم کی پہچان ہو جائے تو اس کو ترک کرنا اہل حق کے لیے ضروری ہے۔ لہٰذا " اللہ صاحب " کہنا ایک تشبہ کی وجہ سے منع ہے دوسرا اسماء الٰہی توقیفی ہیں۔ " صاحب " کا لفظ نہ منقول از کتب عقائد وغیرھا ہے اور نہ توقیفی۔ تو صاحب کا لفظ ممنوع و حرام ہونا چاہیے۔ مزید بر آں صدیوں سے اردو کی ہزاروں کتب میں تمام علماء سابقین ، آئمہ اہل سنت اور اکابر مشائخ ملت نے قصداً جمع کے صیغے سے احتراز واجتناب کیا ہے۔

بکر کہتا ہے کہ زید کا کہنا سراسر غلط ہے ، جب ہم بادشاہ کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تو رب

کائنات ، احکم الحاکمین کے لیے کیوں استعمال نہ کریں ؟ جب اس میں زیادہ ادب ہے تو پچھلوں کی تقلید کرنے کی حماقت کیوں کریں ؟

زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا ؟ بینوا و توجروا

المستفتی : ور محمد

الجواب :-

ہر زبان میں بیانِ عدد کے لیے واحد اور جمع کے دو صیغے ہوتے ہیں لیکن عربی زبان میں واحد ، تثنیہ اور جمع تین صیغے ہیں ۔ واحد و تثنیہ میں تو کوئی کلام نہیں ہے ۔ البتہ جمع کا صیغہ دو یا دو سے زیادہ اشخاص کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ یہ اس کے معنی حقیقی ہیں ۔ یعنی جمع کا لفظ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں دو افراد کے لئے جبکہ عربی میں تین کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ واحد کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں دو صورتیں ہیں ۔ اگر کوئی شخص مخاطب کے واحد ہونے کی صورت میں بھی جمع کا صیغہ استعمال کرے تو اس سے تعظیم مقصود ہوتی ہے ۔ جیسے کسی ایک مخاطب کو تعظیم یا شفقت کی وجہ سے "تو" کی جگہ "آپ" کہتے ہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خود متکلم واحد ہوتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کرے ۔ یہ موقعہ و محل کی ضرورت کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً کوئی شخص اپنے متعلق بولے تو اسے "میں" استعمال کرنا چاہیے مگر کسی جگہ مخاطب کو حکم کی اہمیت بتانے کے لیے متکلم اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے : ہم تمہیں حکم دیتے ہیں ۔ ہم نے تمہیں یہ کہا تھا ، تم نے کیوں نہ مانا ، وغیرہ وغیرہ

جب ہم قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو کسی جگہ ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ کسی نے اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو ۔ حالانکہ عظمت کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو جمع کے صیغے کے ساتھ مخاطب کیا جاتا مگر اس لیے جمع کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا کہ جمع کے معنی حقیقی "کثرت" ہیں ۔ یہ دو یا تین پر بولا جاتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت وحدانیت ایسی ہے کہ اس میں تعدد و کثرت کا شائبہ بھی نہیں ۔ اس لیے کسی متکلم نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے جمع کا صیغہ استعمال نہ کیا کہ اس سے کثرت کا گمان ہوگا ۔ اگرچہ اس کی نیت کثرت کی نہ ہو ۔

علم الکلام میں اس پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کون کون سے اسماء بولے جاسکتے ہیں ۔ اس میں ایک مذہب تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ اسماء باری تعالیٰ توقیفی ہیں ۔ یعنی شارع سے جو اسماء منقول ہیں صرف وہی اسماء بولے جاسکتے ہیں ۔ ان کے علاوہ کوئی لفظ اللہ تعالیٰ کے اسم کے طور پر نہیں بولا جاسکتا ۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ منقول من الشارع کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی بولے جاسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے گا اس کے متعدد معانی ہونے کی صورت میں کوئی ایک معنی بھی شان الوہیت کے خلاف نہ ہو ۔ اگر سینکڑوں معانی میں ایک معنی بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو تو اس کو استعمال کرنا ناجائز ہو جاتا ہے ۔

لہذا جمع کا صیغہ جب اپنی حقیقت کے اعتبار سے کثرت پر دلالت کرتا ہے اور تعظیم کے لیے مجازاً استعمال ہوتا ہے تو اللہ تعالی کے لیے استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے کیونکہ احتمال کثرت منافی توحید ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ لہذا جو لوگ اللہ تعالی کے لیے جمع کا صیغہ بولتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں اور اس نکتے کو نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالی کی وحدانیت کے لائق جمع کا صیغہ کسی معنی کے اعتبار سے استعمال نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے حدیث کی کتابوں میں ہزاروں جگہ دعاؤں وغیرہ میں اللہ تعالی کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

ہاں خود اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اپنی ذات کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے اور جگہ جگہ "نحن" وغیرہ جمع کے الفاظ آئے ہیں۔ تاکہ اس سے عظمت باری تعالی کا اظہار اور بندوں پر حکم کی اہمیت ظاہر ہو۔ مگر ان کو دلیل بنا کر کوئی شخص جمع کے صیغے استعمال نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالی کے اسماء کے ساتھ۔ "جل جلالہ" وغیرہ اس کی عظمت پر دلالت کرنے والے الفاظ بولنا سلف صالحین کا معمول ہے اور احادیث میں منقول ہے۔ اردو زبان میں "اللہ تعالی"۔ "اللہ پاک"۔ "اللہ جل جلالہ" وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

"صاحب" کا لفظ انگریزوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ان کے لیے بولا جانے لگا اور لوگ کوٹ پینٹ والے لوگوں کو بھی صاحب بہادر کہنے لگے لہذا اللہ تعالی کے لیے لفظ "صاحب" بولنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ یہ اگر بڑائی ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو بے دین، فیشن کے دلدادہ، انگریز اور انگریز نما لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ہم نے اوپر علم کلام کی بحث سے جو "شرح عقائد" اور "شرح مواقف" وغیرہ میں ہے، جو قول فیصل نقل کیا اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی لفظ میں کوئی معنی بھی برے ہوں اور شان الوہیت کے لائق نہ ہوں تو وہ لفظ اللہ تعالی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ لہذا "اللہ صاحب" کہنا ناجائز ہے۔

واللہ تعالی اعلم

اسم جلالت کے طور پر لفظِ "خدا" کا استعمال

الاستفتاء:-

محترم مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ جناب والا درج ذیل مسئلہ کے متعلق وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

اللہ تعالی کے 99 نام قرآن سے ثابت ہیں، ان کو چھوڑ کر لفظِ "خدا" کو بطور اسم جلالت استعمال کیا جاتا ہے، یہ صحیح ہے یا غلط؟ آیا "خدا" کہنے سے گناہ گار تو نہیں ہوگا؟

الجواب:-

اس بارے میں متکلمین کے دو مسلک ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف وہ الفاظ بولے جاسکتے ہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ جائز نہیں ہے۔ اس مذہب پر تو لفظ " خدا " کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ دوسرا مذہب جو مذہب مختار ہے۔ وہ یہ ہے کہ منقول اسماء کے علاوہ ہر ایسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولنا جائز ہے جس میں کسی خراب معنی کا احتمال نہ ہو۔ لہذا لفظ " خدا " بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کے کہ مجھ سے زید نے کہا کہ اس نے ایک مولوی صاحب کو یہ کہتے سنا تھا کہ خدا حاضر و ناظر نہیں ہے اور جو خدا کو حاضر و ناظر جانے یا مانے وہ کافر ہے۔ براہ کرم شرعی فتویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا جائے۔

سائل: محمد اختر، اقبال آباد، کراچی

الجواب:-

حاضر و ناظر کے جو معنی لغت میں ہیں ان معانی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان الفاظ کا بولنا جائز نہیں ہے۔ "حاضر" کے معنی عربی لغت کی معروف و معتبر کتب "المنجد" اور "مختار الصحاح" وغیرہ میں یہ لکھے ہیں: نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ، جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ اور ناظر کے معنی "مختار الصحاح" میں آنکھ کے ڈھیلے کی سیاہی جبکہ نظر کے معنی کسی امر میں تفکر و تدبر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا اور آنکھ سے کسی چیز میں تامّل کرنا لکھے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو پاک سمجھنا واجب ہے۔ بغیر تاویل ان الفاظ کو اللہ تعالیٰ پر نہیں بولا جاسکتا۔ اسی لیے اسماء حسنیٰ میں حاضر و ناظر بطور اسم یا صفت شامل نہیں ہیں۔ قرآن وحدیث میں یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین یا ائمہ مجتہدین نے یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیے ہیں۔ متاخرین کے زمانہ میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو بعض علماء نے اسے کفر قرار دیا تھا مگر علماء کی اکثریت نے فرمایا کہ یہ کفر نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں تاویل ممکن ہے اور تاویل یہ کی کہ حضور کے معنی مجازاً "علم" کے اور نظر کے معنی "رؤیت" مراد لیے جائیں تو یہ علیم وبصیر کے معانی میں ہو جائیں گے۔ درمختار میں ہے:

یا حاضر ویا ناظر لیس بکفر

اس پر علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے لکھا:

فان الحضور بمعنی العلم شائع مایکون من نجوی ثلاثة الا هو رابعهم والنظر بمعنی الرؤية الم یعلم بان الله یرٰی فالمعنی یا عالم یا من یرٰی

(جلد سوم، صفحہ ٣٣٦ اور ٣٣٧، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

تو صاحب درمختار کا یہ کہنا کہ یاحاضر اور یاناظر کہنا کفر نہیں، اس بات پر دلیل ہے کہ بعض علماء نے حاضر و ناظر کہنے کو کفر قرار دیا تھا اس کے انکار کے لیے صاحبِ درمختار نے یہ لکھا، اگر کسی شخص نے حاضر و ناظر کو کفر نہ کہا ہو تو صاحبِ درمختار کا قول لغو اور بے معنی قرار پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی شریکہ حیات حضرت سارہ کو ساتھ لے کر ہجرت فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اس راستہ میں آپ کو ڈاکو ملیں گے اور وہ آپ کی شریکہ حیات کے متعلق دریافت کریں گے۔ آپ یہ نہ کہنا کہ یہ میری بیوی ہے بلکہ یہ کہنا کہ یہ میری بہن ہے۔

سائل: عبداللہ قادری

الجواب:-

اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے جھوٹ بولا، یہ کفر ہے۔ نہ اس نے جھوٹ بولا ہے نہ اس کے لیے جھوٹ بولنا ممکن ہے۔ احادیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ سمجھا دیا تھا کہ جب ظالم بادشاہ تم سے میرے متعلق کلام کرے تو تم یہ کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو۔ قرآن میں ہے:

انما المومنون اخوہ

(سورة (۴۹) الحجرات، آیت: ۱۰)

یعنی مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اسی بناء پر تھا اور یہ صحیح تھا، جھوٹ نہیں تھا۔ اسے جھوٹ نہیں کہتے بلکہ "توریہ" یعنی "ذو معنی بات" کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف کسی عیب کی نسبت کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص جو بظاہر مسلمان ہے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ:

(١) تو ایک لاکھ نبی پیدا کر سکتا ہے،

(٢) چاہے تو جھوٹ بول سکتا ہے،

(٣) چاہے تو زنا کر سکتا ہے،

(٤) چاہے تو اولاد بنا سکتا ہے۔

کیا ایسے عقائد رکھنے والا شخص مسلمان کہلا سکتا ہے یا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالخالق، ڈرگ روڈ، کراچی

الجواب:-

اس قسم کی واہیات باتیں کرنے والا سخت گناہ گار، گستاخ اور اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے والا ہے۔ اس لیے اس کے مسلمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ کافر ہے۔ وہ قدرت کے معنی جانتا ہے اور نہ ہی ایسی بنیادی بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سبحان السبوح عن الکذب المقبوح" اور دوسرے علمائے اہلسنت کی اس موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی سنت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

(١) اللہ جل شانہ کی پہلی سنت کیا ہے؟

(٢) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی سنت کیا ہے؟

امید ہے جواب سے سرفراز فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

سنت کی تعریف

الجواب:-

(١) سنت دو طرح کی ہوتی ہیں قولی اور فعلی۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی سنتِ قولی جو احادیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو پیدا فرما کر اس سے فرمایا اکتب یعنی لکھ الی اخرہ

(مسند الامام احمد ابن حنبل، ٣١٢/٥، مکتبہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان)

اور اللہ تعالیٰ کی پہلی سنتِ فعلی نورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اول ما خلق اللہ نوری

(مدارج النبوۃ، جلددوم، صفحہ: ٣، ایچ-ایم-سعید کمپنی، کراچی)

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

(٢) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی فعلی سنت یہ ہے کہ پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور شہادت کی انگلی اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار فرمایا اور قولی سنت یہ ہے کہ پیدا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا و کبریائی کو بیان فرمایا:

ان اول ما تکلم بہ لما ولدتہ امہ حین خروجہ من بطنھا اللہ اکبر کبیراً و الحمد للہ کثیراً و سبحان اللہ بکرۃ واصیلا

(سیرت حلبیہ، جلد اول، صفحہ: ٦١، مطبوعہ: محمد آفندی مصطفیٰ، مصر)

واللہ تعالیٰ اعلم

انبیائے کرام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا گوشت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے اور پیارے صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام "دنبہ" لے کر آئے، تاکہ اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے دنبہ ذبح کیا تو اس کا گوشت کہاں گیا؟ بانٹ دیا گیا، آگ اٹھا کر لے گئی یا کوئی درندہ کھا گیا؟

برائے مہربانی اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:-

اس بارے میں تفاسیر میں مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ اس دنبہ کے سینگ خانہ کعبہ میں رکھے گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری تک محفوظ تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے مکہ پر حملہ کیا تھا جس سے خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی تھی اور کعبہ منہدم ہو گیا تھا۔ تو سینگوں کا کیا ہوا؟ اس کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ گوشت کے متعلق زیادہ مشہور قول وہ

ہے جس کو علامہ صاوی نے اپنی "تفسیر صاوی" میں لکھا ہے کہ اس کا گوشت جانور کھا گئے تھے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

بعض علماء کرام اپنی تقاریر میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کے بارے میں ایسے واقعات بیان کرتے ہیں مثلاً ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے ، سارا بدن ختم ہو گیا ، لوگوں نے علاقہ سے باہر نکال دیا ، ایک کیڑا نیچے گرا تو اٹھا کر پھر بدن پر رکھ لیا وغیرہ وغیرہ ۔

اس طرح کے واقعات صحیح ہیں یا نہیں ؟

سائل : محمد ابراہیم قادری ، پاکستان اسٹیل

الجواب :-

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر ایسے کیڑے پڑنا تفسیروں میں منقول تو ہے مگر یہ واقعہ تمام مفسرین نے نقل نہیں کیا ۔ بعض تفسیروں میں یہ واقعات لکھ کر اس واقعہ کی صحت کے متعلق یہ بھی لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی واقعہ کے بارے میں شبہ تھا ۔ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کسی ایسے مرض میں مبتلا نہیں فرماتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اس لیے جب تک کسی صحیح حدیث سے یہ واقعہ ثابت نہ ہو ، اسکا بیان کرنا ٹھیک نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا کی شادی

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ شرع مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا ہے یا نہیں ؟

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کس سن میں ہوا ؟ جبکہ اس وقت سن عیسوی یا ہجری کا حساب نہ تھا ۔ وضاحت فرمائیں ۔

(۳) بی بی زلیخا کا فسق ثابت ہے یا نہیں ؟

(۴) بی بی زلیخا مومنہ ہیں یا کافرہ ؟

(۵) بی بی زلیخا کو رنڈی ، بدکارہ کہنے والے پر شرعاً سزا ہے یا نہیں ؟

(۶) بی بی زلیخا کے بارے میں بدگوئی کرنے والے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

الجواب:-

تفسیر کبیر ، تفسیر صاوی ، تفسیر طبری اور تفسیر روح المعانی نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جیل سے بلانے کے بعد جب ان کی براءت کا اظہار ہو گیا اور زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہو گیا تو بادشاہ مصر نے زلیخا کا نکاح یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر دیا اور ان سے دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ اس وقت "سن" کا رواج نہ تھا ، مگر دنیا کے سارے کام تاریخ معین کر کے ہوتے تھے ، اسی طرح ان کا نکاح بھی ہوا ہو گا۔

بی بی زلیخا کے بارے میں معصیت و بدکرداری کا کہیں ثبوت نہیں ہے ، زیادہ سے زیادہ ارادہ معصیت قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے ، تو صرف اپنی طرف سے کسی شخص کی طرف معصیت کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رنڈی اور بدکارہ کہنے کا مقصد تو یہ ہے کہ زنا کی تہمت لگائی جا رہی ہے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کے متعلق جو کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے "حدِ قذف" میں لگائے جائیں گے۔ اور دوسری سزا یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً

(سورۃ (۲۴) النور ، آیت : ۰۴)

اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو۔

لہٰذا جس شخص نے بی بی زلیخا کے متعلق اس قسم کے الفاظ کہے اسے توبہ کرنا چاہیے۔ اور جس نے اس قسم کے الفاظ بولے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں ، اس کی امامت ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ فاسق ہیں اور فاسق کی امامت کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ، آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور دوبارہ اترنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس جگہ پیدا ہوئے ؟

اور کہاں سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ؟ اور پھر کس جگہ اتریں گے ؟

مہربانی فرما کر دلائل کے ساتھ جواب دیں تاکہ منکر کو تسلی ہو ۔ بینوا و توجروا

سائل : حافظ جمال الدین ، خطیب جامع مسجد مجاہدین ، سبزی منڈی ، کراچی

الجواب:-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام " بیت اللحم " میں پیدا ہوئے اور بیت المقدس سے اٹھائے گئے اور " بیت المقدس " کے مشرقی مینارے پر اتریں گے ۔

(تفسیرِ خازن ، تفسیرِ معالم التنزیل ، صفحہ : ۲۹۹ ، جلد : ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کی آمد کا انکار

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت امام مہدی کا آنا کن دلائل سے ثابت ہے ؟ اور اس کے بارے میں مسلمان کا کیا عقیدہ ہونا چاہیے ؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے ؟ اور اسی طرح نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جواب سے مطلع فرمائیں ۔

المستفتی : محمد سرور ، ایف بی ایریا ، کراچی

الجواب:-

حضرت امام مہدی کے بارے میں مختلف احادیث ہیں ، مگر صحیح حدیث ترمذی کی روایت ہے ۔ جس میں امام مہدی کی تشریف آوری کا ذکر کیا گیا ہے ۔

(حصہ دوم ، ابواب الفتن ، باب ما جاء فی المہدی)

لہٰذا امام مہدی کی تشریف آوری کا منکر گمراہ ہے ۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کے نزول کی روایت حد تواتر تک پہنچتی ہے ۔ لہٰذا نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والا کافر ہے ۔ اسکا انکار حقیقتاً مرتد قادیانی نے شروع کیا ۔ اس کا جو مقصد اس کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے نبی بننے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کیا اور ان کے انتقال فرمانے کی بات کی ۔ ان کے دوبارہ نازل ہونے کا انکار کیا اور اس کے بعد احادیث میں مسیح السلام کے آنے کا جو تذکرہ تھا اس کو اپنے متعلق بنا کر یہ دعویٰ کیا کہ مسیح موعود میں ہوں جن کے آنے کی بشارت دی گئی ہے ۔ یہ

سب اس کا مکر و فریب تھا اور احادیث متواتر المعنی کا انکار۔ جو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرے، وہ قادیانیت کے اسی اصول کی تائید کرتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

ایک شخص نے "امید کی خوشی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اور اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مثالیں دیتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وہ پہلا گناہ گار انسان جب شیطان کے چنگل میں پھنسا اور تمام نیکیوں نے اس کو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اس کو پکڑا تو صرف تو ہی اس کے ساتھ رہی"

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں لکھا۔

"وہ پہلا ناخدا جب طوفان کی موجوں میں بہا جاتا تھا اور بجز مایوسی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا تو اس (امید) ای طوفان میں اس کا بیڑا پار لگانے والی تھی"

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں یہ اندازِ تحریر اختیار کیا ہے۔

"دیکھو وہ بڈھا آنکھوں سے اندھا اپنے گھر میں بیٹھا روتا ہے اس کا پیارا بیٹا بھیڑوں کے ریوڑ میں غائب ہو گیا ہے وہ اس کو ڈھونڈھتا ہے پھر وہ نہیں ملتا۔"

آپ سے التماس ہے کہ شرعِ متین کی رو سے بیان فرمائیں کہ یہ عبارات کفریہ ہیں یا نہیں؟

الجواب:-

جو عبارات سوال میں نقل کی گئی ہیں ان سے انبیاء علیہم السلام کی شان میں سخت گستاخی اور بے ادبی ہوئی اور واقعات کے خلاف بہتان ہے۔ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

فنسی و لم نجد لہ عزماً

(سورۃ (۲۰) طٰہٰ، آیت: ۱۱۵)

یعنی آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے ان کو معصیت (گناہ) کا ارادہ کرنے والا نہ پایا۔

اور آدم علیہ السلام نے بھول کر صرف ایک غلطی کی یعنی اس درخت کا پھل کھا لیا جس سے منع کیا گیا تھا۔ اس مضمون نگار نے جو لکھا کہ تمام نیکیوں نے اس کو چھوڑا اور تمام بدیوں نے اس کو گھیرا۔ یہ صراحتاً

افتراء اور بہتان ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا اور ساتھ میں ان کی اور ان کے ساتھیوں یعنی کشتی میں سوار ہونے والوں کی سلامتی کا وعدہ فرمایا تھا۔ پھر نوح علیہ السلام کے متعلق مایوس و نا امید ہونا لکھنا، اور یہ کہنا کہ بجز مایوسی کے کچھ نظر نہ آتا تھا، صریح جھوٹ ہے نیز قرآن اور نوح علیہ السلام پر اختراع ہے۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق جو الفاظ لکھے وہ صریح گستاخی اور بے ادبی ہے۔

مسلمانوں کو اس مضمون نگار کے خلاف سخت احتجاج کرنا چاہئے تاکہ اسے قرار واقعی سزا دی جا سکے اور اس کے مضمون کو بھی ضبط کرانا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ:

(۱) ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس معاہدہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستخط نہ ہوں تو وہ معاہدہ باطل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلیکشن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہیں تھے اس لیے ان کی خلافت صحیح نہیں؟ نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیگر خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر فضیلت دیتا ہے؟

(۲) اسی طرح مذکورہ شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابی ماننے سے انکار کرتا ہے۔ دلیل میں یہ کہتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام خط لکھا انہیں اپنے پاس مدینہ بلایا مگر وہ حاضر نہیں ہوئے۔ جنگ صفین میں صلح کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نمائندہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نمائندے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکہ دیا۔

(۳) جب صحابہ اور اہل بیت کا نام آئے تو پہلے اہل بیت کا نام لیا جائے کیونکہ وہ دوسرے صحابہ سے افضل ہیں اس لیے کہ درود ابراہیمی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا اس میں "اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد" فرمایا ہے، اس میں ال (اہل بیت) کا ذکر تو ہے دیگر صحابہ کا نہیں؟

(۴) افغانستان کے جہاد کو مفاد پرستوں کی جنگ کہتا ہے؟

(۵) اپنے بیٹے کو ڈاکٹریٹ کرنے کے لیے ماسکو بھیجا تھا۔

مذکورہ بالا سوالات کا شق وار جواب کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی رو سے بحوالہ کتب معتبرہ عنایت فرما کر مذکورہ شخص اور اس کے معتقدین کو گمراہی سے بچائیں، نیز اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسا شخص سنی مسلمان ہو سکتا ہے؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو پیشوا بنانا جائز ہے؟ اور جو اس کو اپنا پیشوا مانتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

سائلین: حنفی سلطان چشتی فرنٹیر کالونی،
محمد ندیم اقبال سعیدی کاتب نوائے وقت،
مختار احمد قادری مدرس دارالعلوم امجدیہ،

الجواب:-

(۱) مذکورہ شخص نے جس کتاب کا حوالہ دے کر یہ بات کی ہے ، جو سوال میں مذکور ہے ، یہ کتاب شیعہ کی لکھی ہوئی ہے اور یہ بات کہنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کرہا ہے ایسے شخص کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا:

عن ربعی ابن حراش انہ سمع علیاً رضی اللہ عنہ یخطب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکذبوا علی فانہٗ من یکذب علی یلج النار

(مسلم شریف جلد اول ، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)

ربعی ابن حراش سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کرتے سنا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ جو بھی مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اور دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے :

ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تعمد علی کذباً فلیتبوآء مقعدہ من النار

(بخاری جلد اول ، کتاب العلم ، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا پس اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :-

قائل مذکور نے افتراء علی النبی کر کے جو روایت گڑھی اس کا مقصد خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کرنا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اجماع قطعی سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ نورالانوار میں ہے :

فالاقوی اجماع الصحابة نصاً مثل ان یقولوا جمیعاً اجمعنا علی کذا فانہ مثل الایة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحدہ ومنہ الاجماع علی خلافة ابی بکر

(باب مراتب اهل الاجماع ، صفحہ : ۲۲۶ ، میر محمد کتب خانہ ، آرام باغ ، کراچی)

پس صحابہ کا اجماع قوی تر ہے نص کے طور پر۔ مثلاً ان کا کہنا ہم نے اس پر اجماع کیا پس بے شک یہ اجماع آیت قرآنیہ اور حدیث متواتر کی مثل ہے یعنی افادہ یقین میں یہاں تک کہ اجماع صحابہ کے منکر کو کافر کہا جائے گا اور اسی سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع کرنا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے :

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر

(صفحہ : ۲۶۴ ، جلد دوم ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہے۔

اسی طرح بزازیہ میں ہے :

ومن انکر خلافة ابی بکر رضی اللہ عنہ فھو کافر فی الصحیح

(صفحہ : ۳۱۸ ، جلد : ٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کیا وہ کافر ہے صحیح قول کے مطابق۔

شرح مواقف میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو ایسے اجماع سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام جو حق پر مضبوطی سے قائم تھے اور ان کے اتفاق سے اس اجماع کا ثبوت ہے اور ان کے ایسے اتفاق کو اجماع قطعی کہتے ہیں۔

(صفحہ : ۳۵۴ ، جلد : ۸)

لہٰذا شخص مذکور خلافت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کرنے کے باعث کافر ہے اور جھوٹی روایت بیان کر کے حدیث کی وعید کی رو سے جہنمی ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :-

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں قرآن و حدیث میں جتنی بشارتیں آئی ہیں ، ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل ہیں۔

آیت نمبر ۱

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقٰتل اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قٰتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنی

(سورة (۵۷) الحدید ، آیت : ۱۰)

تم میں وہ برابر نہیں جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خیرات کی اور جہاد کیا یہ بڑے درجے والے ہیں ان سے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خیرات اور جہاد کیا اور اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

آیت نمبر2

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً

(سورۃ (۴۸) الفتح ، آیت : ۲۹)

اور جو رسول اللہ کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں ایک دوسرے پر مہربان تم انہیں رکوع و سجود کرنے والے پاؤ گے۔

آیت نمبر3

کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار

(سورۃ (۴۸) الفتح ، آیت : ۲۹)

جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

آیت نمبر4

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم و اموالھم یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا و ینصرون اللہ و رسولہ اولئک ھم الصادقون ○

(سورۃ (۵۹) الحشر ، آیت : ۸)

(صدقات) ان مہاجروں کے لیے ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کا فضل اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں یہ لوگ سچے ہیں۔

آیت نمبر5

والذین تبوّؤالدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون ○

(سورۃ (۵۹) الحشر ، آیت : ۹)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر (مدینہ) اور ایمان میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو سخت محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

آیت نمبر6

والذین جآءُ وْ من بعد هم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم o

(سورة (۵۹) الحشر، آیت : ۱۰)

اور جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ اے رب ہمارے بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

آیت نمبر7

والذین اٰمنوا و هاجروا و جاهدوا فی سبیل اللّٰه والذین اٰوو اونصروا اولئک هم المومنون حقاً لهم مغفرة و رزق کریم

(سورة (۸) انفال، آیت : ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت وجہاد کیے اور جنہوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

آیت نمبر8

ان الذین یغضون اصواتهم عندرسول اللّٰه اولئک الذین امتحن اللّٰه قلوبهم للتقوی لهم مغفرة واجرعظیم

(سورة (۴۹) الحجرات، آیت : ۳)

بے شک وہ جو رسول اللہ کی بارگاہ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیے، ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

آیت نمبر9

والسبقون الاولون من المهجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللّٰه عنهم و رضوا عنه و اعدلهم جنت تجری تحتها الانهار خلدین فیها ابداً ذالک الفوز العظیم

(سورة (۹) التوبة، آیت : ۱۰۰)

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

آیت نمبر 10

فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم فی شقاق

(سورة (٢) البقرة، آیت : ١٣٧)

پھر وہ اگر ایسا ہی ایمان لائیں جیسا کہ اے صحابہ تم لائے تو وہ ہدایت پائیں گے۔

آیت نمبر11

واذا قیل لهم آمنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما آمن السفها

(سورة (٢) البقرة، آیت : ١٣)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا ایمان یہ لوگ (صحابہ) لائے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا احمق ایمان لائے۔

اسی طرح صحابہ کرام کے فضائل میں بکثرت احادیث مروی ہیں ان میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہیں۔ ان میں سے چند احادیث یہ ہیں۔

حدیث نمبر1

مسلم و بخاری نے ابو سعید سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

میرے کسی صحابی کو برا نہ کہو تمہارا پہاڑ بھر سونا خیرات کرنا ان کے سوا سیر جَو کے صدقہ کے برابر نہیں ہوسکتا نہ ان کے آدھے کے۔

(مسلم شریف جلد دوم، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابة)

حدیث نمبر2

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تارے آسمان کے لیے امن ہیں اور میں صحابہ کے لیے امن ہوں اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امن ہیں۔

(مسلم شریف جلد دوم، کتاب الفضائل، باب ان بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امان لا صحابه و بقاء اصحابه امان للامة)

حدیث نمبر3

ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو انہیں اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا ، جس نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی ، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے (اپنے عذاب کی) گرفت میں لے لے ۔

(ترمذی شریف ، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

حدیث نمبر4

رزین نے حضرت عمر بن الخطاب سے روایت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :

میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے ۔

(مشکٰوۃ المصابیح ، باب مناقب الصحابۃ ، الفصل الثالث)

حدیث نمبر5

ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جب تم انہیں دیکھو جو میرے صحابی کو برا کہتے ہیں تو کہدو کہ تمہارے شر پر اللہ کی پھٹکار ہو ۔

(ترمذی شریف ، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

ان احادیث کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی فضائل ہیں ، یہ روایات ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی تھے اور کاتب خطوط بھی ، یعنی جو نامہ و پیام سلاطین وغیرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھواتے تھے ۔ چنانچہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا کرتے تھے ، ابو نعیم نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے تھے ۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار عالم و مجتہدین صحابہ میں ہوتا ہے اور خصوصاً مجتہدین صحابہ بڑے اشرف و اعلیٰ مانے جاتے ہیں ۔ چنانچہ امام بخاری نے ابن ابی ملیکۃ سے روایت کی کہ :

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک رکعت ہی وتر پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کرتے ہیں وہ فقیہ ہیں یعنی مجتہد ۔

بخاری میں ہی دوسری روایت ہے :

امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے وتر کی ایک رکعت پڑھی اس وقت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایک غلام حاضر تھے انھوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کچھ نہ کہو وہ عظیم المرتبت صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

(بخاری شریف ، جلد اول ، کتاب المناقب ، باب ذکر معاویۃ)

ترمذی میں حضرت عبدالرحمن ابن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے :

اے اللہ ! امیر معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا یعنی ہادی مہدی اور معاویہ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔

(ترمذی شریف ، باب مناقب معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما)

حافظ حارث ابن اسامہ نے ایک بہت لمبی حدیث روایت فرمائی جس میں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے فضائل ہیں اس میں یہ بھی ہے :

ومعاویۃ ابن ابی سفیان اعلم امتی و اجودھا

(تطہیر الجنان)

یعنی معاویہ میری امت کے بڑے علم ، حلم اور سخاوت والے ہیں۔

کسی نے عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ابو عبد الرحمٰن ، معاویہ اور عمر ابن عبد العزیز میں سے کون افضل ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ :

معاویہ کے گھوڑے کی ناک کا غبار جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے موقع پر واقع ہوا وہ عمر ابن عبدالعزیز سے ہزار گنا اچھا ہے۔

کیوں نہ ہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ خیال رہے کہ عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ بزرگ ہیں جن کے علم ، زہد ، تقویٰ اور امانت پر تمام امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم متفق ہے اور ان سے خضر علیہ السلام ملاقات فرماتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سے مواقع پر تعریف فرمائی ، انہیں دمشق کا حاکم مقرر کیا اور کبھی معزول نہ فرمایا اگر آپ تھوڑی لغزش بھی ملاحظہ فرماتے تو فوراً معزول فرما دیتے۔ جیسے کہ معمولی شکایت پر سعد بن وقاص اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنھما جیسی بزرگ ہستیوں کو معزول فرمادیا تھا۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پورے زمانہ خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت کے عہدہ پر بحال رکھا۔ یہ ان دو بزرگ صحابہ کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتہائی عظمت و امانت کا اقرار واعلان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے مواقع پر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

تعریف فرمائی ۔ نیز سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ کے متعلق ارشاد فرمایا :

اخواننا بغوا علینا

(شامی ، جلد سوم ، صفحہ : ۳۳۹ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں ہم سے بغاوت کر بیٹھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، ترمذی اور نسائی تمام محدثین نے مختلف احادیث روایت کی ہیں ، امام بخاری نے آٹھ حدیثیں روایت کیں اور امام بخاری صرف ثقہ راویوں کی روایت لیتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدثین کے نزدیک ایک مستند راوی ہیں اور ان پر کوئی جرح نہیں ہے ۔ اسی لیے امام عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مناقب کا مجموعہ ہیں ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مختصر فضائل ہم نے نقل کر دیئے ہیں ۔ جس جاہل شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کیا وہ درپردہ شیعہ ہے اور "تقیہ" کر کے سنی بنا ہوا ہے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کر کے اس نے شیعیت کا اظہار کر دیا ہے ۔ نیز اس قائل کا یہ کہنا کہ حضرت امیرمعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی اس لیے وہ مجرم ہیں تو پھر اسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بھی یہی کہنا ہوگا کیونکہ جنگ دونوں طرف سے ہوئی تھی ۔

یہ تو صرف اہلسنت و جماعت کے لوگ ہیں جو دونوں پر زبان طعن نہیں کھولتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام پر طعن نہیں کیا جاسکتا ۔ ان دونوں کی خطاء اجتہادی تھی اور خطاء اجتہادی میں جو حق پر ہوتا ہے اسے دونا ثواب ملتا ہے اور جس سے غلطی ہوتی ہے اسے ایک ثواب ملتا ہے ۔ لہٰذا دونوں ثواب کے مستحق ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا تھا کہ :

اللہ تعالیٰ میرے اس بچے کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا ۔

یہ صلح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فریقوں میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ ہوئی ۔

حاصل کلام یہ ہے جس شخص کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ شیعہ ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انکار اور افتراء علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرنے کی وجہ سے کافر ہے ۔ مسلمانوں کا اس سے تعلقات رکھنا ، مرید ہونا اور اس کی صحبت میں بیٹھنا حرام ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لاتقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین

(سورۃ (٦) الانعام ، آیت : ٦٨)

نصیحت کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو ۔

ال نبی کا مفہوم :-

(۳) درود ابراہیمی میں ایک روایت یہ ہے :

اللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد

اور اس کی ایک روایت بخاری میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

قولوا اللهم صلی علی محمد وعلی ازواجه و ذریته

(بخاری ، جلد دوم ، کتاب الدعوٰت ، باب هل يصلی علی غير النبی)

اس سے علماء نے یہ استدلال کیا کہ آل سے مراد تمام ذریت اور ازواج مراد ہیں تاکہ دونوں روایتوں میں مطابقت ہو جائے اس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آل سے مراد تمام امت ہے اسی بات کو " نیل الاوطار " میں علامہ شوکانی نے نقل کیا ہے اور امام نعت نشوان حمیری کا ایک شعر بھی نقل کیا۔

ال النبی هم اتباع ملته
من الاعاجم والسودان والعرب

(نيل الاوطار ، جلد دوم ، صفحه : ۳۰۰ ، مطبوعه : مكتبه شركة ، مصر)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل وہ جو آپ کے پیروکار ہیں
خواہ وہ عجمی ہوں یا سوڈانی یا عربی

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں :

واختلف العلماء فی آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اقوال اظهرها وهو اختيار الازهری وغيره من المحققين انهم جميع الامة

(مسلم شریف ، جلد اول ، صفحہ : ۱۵۵ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

آل نبی صلی علیہ وسلم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ظاہر یہ ہے جس کو ازہری اور ان کے علاوہ بہت سارے محققین نے اختیار فرمایا کہ آل سے مراد تمام امت ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے :

والمراد بالال علی ما اختاره النووی جميع الامة

(جلد اول ، صفحه : ۲۲٦ ، مطبوعه : المكتبه العربية ، كوئٹه)

اور مراد لیا جائے آل سے جملہ امت اس بناء پر کہ جس کو علامہ نووی نے اختیار کیا ہے۔

علامہ طحطاوی " مراقی الفلاح " کی شرح میں اسی درود ابراہیمی کے بارے میں فرماتے ہیں :

والمراد بالال هٰهنا سائر امته الاجابة مطلقاً

(مقدمه حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح)

یہاں آل سے مراد تمام امت اجابت ہے۔

لہٰذا پیر کا یہ استدلال بھی غلط ہے کہ صحابہ کا تذکرہ کیوں نہیں ہے۔

(۴) افغانستان میں مجاہدین نے روس کی فوجوں سے اس وقت جنگ شروع کی جب فوجوں نے آکر کمیونزم کے لیے کام شروع کیا۔ تو یہ حقیقت میں اسلام کی حفاظت کے لیے دفاعی جنگ تھی، لہٰذا یہ جہاد ہے۔ اس کے جہاد ہونے کا انکار وہی کرے گا جو کمیونزم اور روسیوں کی حمایت کرے گا۔ کوئی مسلمان ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

(۵) اس پیر کا اپنے بیٹے کو روس میں ڈاکٹریٹ کے لیے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود کمیونزم کا حامی ہے۔ اسی لیے جہادِ افغانستان کو جہاد ماننے کے لیے تیار نہیں۔

پہلے سوال کے جواب میں جب بیان کر دیا گیا کہ یہ کافر ہے تو اس سے اسلام کی تائید کی امید رکھنا ہی غلط ہے کیونکہ کافر کفر ہی کی تائید کرے گا اس لیے کہ:

"الکفر ملة واحدة"

(تفسیر مدارک، بحوالہ خزائن العرفان، سورہ مائدہ حاشیہ آیت نمبر ۵۱)

تمام کفار ایک ملت ہے۔

رسالت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا اور اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ نہ پیا۔ جبکہ بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کس کا دودھ اعلیٰ و افضل ہوسکتا ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ عرب کے رواج کے مطابق ایسا ہوا۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے اپنی والدہ کے سوا کسی کا دودھ پیا تھا۔ برائے مہربانی اس امر کی وضاحت فرما دیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کا دودھ کیوں نہیں پیا اور اس میں کیا حکمتیں تھیں؟

زید، دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے والی روایت کا انکار کرتا ہے اور بطور دلیل کہتا ہے کہ دیگر انبیاء کرام مثلاً حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے اپنی اپنی والدہ کا دودھ پیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی والدہ ماجدہ کا ہی دودھ پیا۔

از راہ کرم جواب شافی عنایت فرمائیں اور بتائیں کہ زید کا روایت سے انکار کرنے پر شرعاً کیا حکم ہوگا؟

سائل: ندیم احمد قادری

الجواب:-

معاملات و واقعات دو طرح کے ہوتے ہیں منقولات اور معقولات۔ ہر ایک کے ثبوت کا طریقہ علیحدہ

علیحدہ ہے۔ معقولات کا ثبوت عقلی دلائل سے ہوتا ہے اور اس پر اعتراضات بھی عقلی دلائل سے کیے جاتے ہیں۔ منقولات کا ثبوت نقل سے ہوتا ہے اور اس کا دار و مدار نقل کرنے والوں کے حالات پر ہوتا ہے۔ اس میں بھی عام تاریخی واقعات نقل کرنے والوں پر جرح و قدح نہیں ہوتی اور روایت کی تفتیش پر بھی زیادہ زور نہیں دیا جاتا۔ دوسری منقولات وہ ہیں جن کا تعلق شریعت سے ہے یعنی قرآن و حدیث۔ اس میں بہت زیادہ توجہ احوال روایت پر دی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث کی کتابوں کے علاوہ اسماء الرجال اور احوال رواۃ پر متعدد مبسوط کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ منقولات میں عقل سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا بلکہ راویوں کی حالت اور ان پر جرح و قدح کر کے روایت کو قبول یا رد کیا جاتا ہے۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانا اتنی روایات سے مروی ہے جو حد شہرت و تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اتنی روایات کے موجود ہوتے ہوئے یہ توہمات پیدا کرنا جو سوال میں مذکور ہیں مذہبی معلومات اور شرعی منقولات سے ناواقفی ہے۔ اگر اس قسم کے ناقص العقل شبہات نکالے جائیں تو قرآن میں بھی لوگ اس قسم کے اعتراضات پیدا کرسکتے ہیں۔ جب یہ بات طے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں تو کوئی جاہل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر "من و سلویٰ" نازل ہونا، عیسیٰ علیہ السلام پر "مائدہ" کا اترنا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کا "آسمان پر زندہ اٹھایا جانا اور وہاں قیام پذیر ہونا" وغیرہا واقعات کا انکار کر سکتا ہے کہ سید المرسلین کے ساتھ ایسے واقعات نہ ہوئے تو دوسرے رسولان عظام کے ساتھ بھی نہیں ہوسکتے۔

غرض یہ کہ سوال میں مذکور باتیں کسی ناقص العقل کا افتراء ہیں۔ خاندان بنی ہاشم عرب میں تمام خاندانوں سے اعلیٰ تھا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے کیونکہ وہاں کی آب و ہوا صحت کے لیے مفید ہوتی تھی، اس کے علاوہ شہری لوگوں کو اپنی زبان پر وثوق نہ تھا اس لیے وہ بچوں کو ابتدائی مرحلے میں دیہات میں بھیج دیتے تھے کہ وہاں غیر عربی یا دوسرے لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی تھی جبکہ شہروں میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے تھے اور یہ ان کی زبان کا اثر قبول کر لیتے تھے۔ اسی قسم کی مصلحتیں ان کے پیش نظر ہوتی تھیں۔

"اغثنی یا رسول اللّٰہ" کہنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک امام صاحب فرض نماز کے بعد دیگر کلمات دعائیہ کے ساتھ "اغثنی یا رسول اللّٰہ، اغثنی یا رسول اللّٰہ" بھی کہتے ہیں اور اسی طرح کبھی "یا رسول اللّٰہ انظر حالنا، یا حبیب اللّٰہ اسمع قالنا" بھی کہتے ہیں۔

(۱) کیا یہ کلمات کہنا دعا میں درست ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۲) کیا کوئی ایسی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی صحابی کو بطور دعا، یا بطور وظیفہ ان کلمات کی تلقین فرمائی ہو؟

(۳) اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کے لیے ایسا ارشاد فرمایا بھی ہے تو یہ کلمات صرف ان کی ذات تک محدود رہیں گے یا عام لوگوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

(۴) کیا کلمات بالا خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ اربعہ، اولیاء اور صلحاء میں سے کسی نے فرض نماز کے بعد مانگی جانے والی دعا میں شامل فرمائے؟ کیونکہ ان حضرات سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت و محبت اور ارادت و عقیدت کس کو ہو سکتی ہے؟ ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ تو نہ ہوگا؟

برائے کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں دے کر ممنون فرمائیں۔

سائل: عبداللہ، مسلم آباد، کراچی

الجواب:-

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ غیر اللہ یعنی انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو ندا کرنا اور ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور قرآن و حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ علماء اہل سنت کی متعدد تصانیف اس مسئلے پر تفصیلی دلائل کے ساتھ موجود ہیں۔ مثلاً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی "الامن والعلی" اور مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی "جاء الحق" اور "رحمت خدا بوسیلہ اولیاء"۔

یہاں مختصراً وضاحت کی جاتی ہے کہ قرآن کریم میں ہے:

و تعاونوا علی البر والتقوی

(سورۃ (۵) المائدۃ، آیت: ۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اعینونی بقوۃ

(سورۃ (۱۸) الکہف، آیت: ۹۵)

تم میری مدد طاقت سے کرو۔

قال من انصاری الی اللہ

(سورۃ (۳) آل عمران، آیت: ۵۲)

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف۔

مندرجہ بالا آیات میں بیان فرمایا گیا کہ دوسرے انسانوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔

حصن حصین میں حدیث نقل کی گئی ہے:

یا عباد اللہ اعینونی، یا عباد اللہ اعینونی، یا عباد اللہ اعینونی

(مترجمہ، صفحہ: ۱۶۵، تاج کمپنی، کراچی)

جب مدد لینا چاہے تو کہے کہ "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو"۔

دیوبندیوں کے مایہ ناز عالم مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کے جواب میں جس میں یہ پوچھا گیا کہ مندرجہ ذیل اشعار کا پڑھنا کیسا ہے؟

یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا
اننی فی بحر ہم مغرق
خذ یدی سہل لنا اشکالنا

اور

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ
سواک عند حلول الحادث العمم

جواب دیا ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے اور نہ اس کے مؤلف پر طعن ہو سکتا ہے۔

(صفحہ: ۱۵۵، مطبوعہ: علمی کتاب گھر، کراچی)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکورہ اشعار پڑھنا جائز ہیں۔ لہٰذا جو امام ان اشعار کو پڑھتے ہیں ان کے اس عمل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور نہ ان پر کوئی طعن کیا جاسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

"یا رسول اللہ" کہنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست کہتا ہے کہ یا رسول اللہ، یا غوث اور یا علی کہنے والا مشرک ہے۔ اس وجہ سے نا اتفاقی ہو گئی ہے۔ لہٰذا آپ وضاحت فرمائیں کہ

یارسول اللہ ، یا غوث اور یا علی کہنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اس کو منع کرنے والے یا شرک کہنے والے کے لیے ازروئے شرع کیا حکم ہے ؟ ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : بندہ خدا

الجواب :-

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا :

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً

(سورۃ (۲۴) النور ، آیت : ۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پکارنے سے منع نہیں کیا بلکہ اوروں کی طرح پکارنے سے منع کیا ۔ مذکورہ آیت کی تشریح میں تفسیر روح البیان اور خازن وغیرہ میں لکھا کہ :

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر نہ پکارو بلکہ القاب کے ساتھ پکارو یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ، یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ ۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ و طبرانی وغیرہم عثمان ابن حنیف سے راوی ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے عافیت دے ، ارشاد فرمایا " اگر تو چاہے تو دعا کروں اور چاہے تو صبر کر اور یہ تیرے لیے بہتر ہے " انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دعا کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا پڑھو :

اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بکَ الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فی ۔ قال ابو اسحق ھذا حدیث صحیح ۔

(سنن ابن ماجۃ ، ما جاء فی شھر رمضان ، ما جاء فی صلوۃ الحاجۃ)

اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی الرحمت کو وسیلہ بناتا ہوں ۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک میں آپ کو اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں ۔ اپنی ایک ضرورت کے بارے میں کہ میری یہ ضرورت پوری ہو جائے ۔ اے اللہ تو میری طرف متوجہ ہو ۔ ابو اسحق کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے ۔

عثمان ابن حنیف راوی حدیث فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ ہمارے پاس آئے کہ گویا کبھی اندھے نہ تھے ۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

حیات دنیاوی کے بعد بھی صحابہ کرام اور علماء و مشائخ اس پر عمل کرتے رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عثمان ابن حنیف نے ایک صحابی کو ان کی حاجت کے لیے یہ طریقہ بتایا، انھوں نے عمل کیا اور ان کی حاجت پوری ہو گئی۔

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں اور "مجربات عزیزی" میں شاہ عبدالعزیز نے لکھا کہ یہ دعا مذکورہ صحابی کے ساتھ خاص نہ تھی۔ اب بھی کسی کو کوئی حاجت پیش آئے تو وہ یہ عمل کرے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج اور آداب زیارت قبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ اشھد انک رسول اللہ۔

پھر کہے سلامتی ہو آپ پر اے اللہ کے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مواجہ میں کھڑے ہو کر کہے:

السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ السلام علیک یا صاحب رسول اللہ فی الغار۔

سلامتی ہو آپ پر اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! سلامتی ہو آپ پر اے غار میں اللہ کے رسول کے دوست۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مواجہ میں کھڑے ہو کر کہے:

السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا مظہر الاسلام السلام علیک یا مکسر الاصنام۔

(عالمگیری، جلد اول، کتاب المناسک، مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

سلامتی ہو آپ پر اے امیرالمومنین (مسلمانوں کے سردار)! سلامتی ہو آپ پر اے اسلام کے ظاہر کرنے والے، سلامتی ہو آپ پر اے بتوں کے توڑنے والے۔

قصیدہ بردہ شریف میں جو معمول مشائخ میں سے ہے علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

(طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ شریف، صفحہ: ٣٨٦، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور)

اے تمام مخلوق سے افضل ترین آپ کے علاوہ میرا کوئی نہیں
جس سے میں عام حادثات کے نزول کے وقت پناہ و سہارا لے سکوں

امام زین العابدین اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

یا رحمۃ العالمین ادرک لزین العابدین
اے سارے جہاں کی رحمت زین العابدین کا ہاتھ پکڑ لیجیے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قصیدہ نعمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

یا سید السادات جئتک قاصداً
ارجو رضاک واحتمی بحماک

(رحمتہ الرحمن شرح قصیدۃ النعمان، صفحہ: ۲۶، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ)

اے سرداروں کے سردار میں آپ کے پاس ارادے سے آیا ہوں
آپ کی خوشنودی کا طلب گار ہوں، اپنی حمایت سے میری دستگیری فرمائیے

یہ تمام ندائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کی ہیں۔ تمام مسلمان نماز میں التحیات پڑھتے ہیں اور اس میں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتے ہیں اور "ایھا النبی" اور "یا نبی" کہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مسلم شریف حدیث ہجرت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ شریف میں داخل ہوئے تو مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے و خدام گلی کوچوں میں متفرق ہو کر پکار رہے تھے۔

یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ

(جلد دوم، صفحہ: ۴۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

درمختار میں ہے کہ:

اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر قبلہ رو سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرے اس کے بعد احمد ابن علوان کے لیے اور پھر یہ کہے:

یا سیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی و الا نزعتک من دیوان الاولیاء

(جلد: ۳، صفحہ: ۳۵۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اے میرے سردار احمد بن علوان اگر آپ نے میری گمشدہ چیز مجھے واپس نہ لوٹائی تو میں آپ کا نام اولیاء کی فہرست سے نکال دوں گا۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہنا اور اولیاء کرام کو "یا" سے ندا کرنا جائز ہے۔ اور صحابہ کرام اور مشائخ و علماء کا معمول رہا ہے۔ جو اس کو ناجائز یا شرک کہتا ہے وہ جاہل ہے یا سخت بدعقیدہ و گمراہ۔ وہ صرف اس وقت کے سنیوں پر یہ فتویٰ نہیں لگاتا بلکہ صحابہ کرام اور ان تمام مشائخ و علماء پر، جو چودہ سو سال میں گزرے، سب پر یہ فتویٰ لگاتا ہے۔ اور اس کا یہ فتویٰ اس کے عقیدے کی خرابی اور گمراہی پر دلیل واضح ہے۔ اس کو امام بنانا سخت گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً منع ہے۔ اس کو ہٹا کر کسی صحیح العقیدہ، متقی و پرہیزگار عالم کو امام بنانا چاہیے۔

" یا محمد " کہنا

الاستفتاء:-

جناب مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین صاحب !
دار العلوم امجدیہ، کراچی

جناب عالی ! گزارش ہے کہ ہماری فیکٹری کی مسجد میں " یا اللہ یا محمد " لکھا ہوا تھا۔ ایک آدمی نے " یا محمد " سے " یا " کاٹ دیا ہے اور کہتا ہے کہ " یا محمد " کہنا گناہ ہے۔ کافی بحث و تکرار کے بعد معاملہ دیوبندیوں کے " دار العلوم کراچی " کورنگی والوں تک پہنچ گیا۔ دار العلوم کراچی والوں نے فتویٰ دے دیا ہے کہ " یا محمد " لکھنا گناہ ہے اور جہاں بھی لکھا ہو مٹا دینا چاہیے۔ فیکٹری میں مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ کام کرتے ہیں۔ جن میں اہل سنت، اہل تشیع، غیر مقلد، دیوبندی اور جماعتی وغیرہ موجود ہیں۔ دار العلوم کراچی والوں کے فتوی کے بعد فیکٹری کی اکثریت اس بات پر پریشان ہو رہی ہے۔

لہٰذا ہم آپ سے مسلک اہل سنت سے تعلق رکھنے کی بناء پر رجوع کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں حقیقت سے روشناس کروائیں گے کہ " یا محمد " لکھنا درست ہے یا غلط۔ فیکٹری کے تقریباً دو سو ورکرز سخت بے چینی اور اضطراب کے عالم میں ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ امید ہے کہ مسلک اہل سنت کا یہ عظیم ادارہ فوری طور پر غور کرے گا اور ہماری مشکل آسان ہو جائے گی۔

سائل : غلام سرور، ٹیکسٹائل وائنڈنگ مشینری کمپنی، کورنگی، کراچی

الجواب:-

" یا محمد " کہنا اہل سنت و جماعت کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

لاَ تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً

(سورۃ (۲۴) النور، آیت : ۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

عربی زبان میں " یا " اس طرح ہے جس طرح کہ اردو میں " اے " کسی کو نام لے کر اس طرح پکارنا اے زید، اے عمر وغیرہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ذاتی نام پر " یا " داخل کر کے پکارنے سے منع فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ احمد بن صاوی نے " تفسیر صاوی " میں لکھا ہے:

ای نداء ہ بمعنی لا تنادوہ باسمہ فتقولوا یا محمد ولا بکنیۃ فتقولوا یا ابا القاسم بل نادوہ و خاطبوہ بالتعظیم والتکریم والتوقیر بان تقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا امام المرسلین یا رسول رب

العلمین یا خاتم النبیین وغیر ذالک واستفید من الایة انه لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لافی حیاته ولا بعد وفاته فبهذا یعلم ان من استخف بجنابه صلی الله علیه وسلم فهو کافر ملعون فی الدنیا والاخرة

یعنی دعا کے معنی نداء کے ہیں اور آیت کے معنی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ذاتی نام کے ساتھ نہ پکارو۔ مثلاً یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ کہو۔ اور اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کنیت کے ساتھ بھی نہ پکارو اور یا ابالقاسم نہ کہو۔ بلکہ تعظیم و توقیر کے ساتھ خطاب و نداء کرو۔ اور اس طرح کہو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا امام المرسلین، یا خاتم النبیین، یا رسول رب العلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ۔ اس آیت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات طیبہ میں یا وصال کے بعد ایسے الفاظ سے ندا کرنا جائز نہیں ہے جو تعظیم پر دلالت نہ کرتے ہوں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو جو گھٹائے گا وہ کافر ہے دنیا اور آخرت میں ملعون ہے۔ تفسیر جلالین میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

بان تقولوا یا محمد بل قولوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ

یہ کہ تم "یا محمد" نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

اور اسی آیت کے تحت علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں لکھا ہے:

قال سعید بن جبیر و مجاهد المعنی قولوا یا رسول الله فی رفق ولین ولا تقولوا یا محمد بتجهم وقال قتادة امرهم ان یشرفوا

یعنی سعید بن جبیر اور مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہو ادب و انکساری کے ساتھ اور "یا محمد" مت کہو ترش روئی کے ساتھ۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کرو۔

یہی مضمون تفسیر بیضاوی، تفسیر روح المعانی، تفسیر روح البیان، تفسیر رازی اور تفسیر خازن میں بھی اسی آیت کے تحت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا "یا محمد" کی جگہ "یا رسول اللہ" لکھا جائے۔ دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہنا ناجائز ہے۔ انہوں نے اپنے اس فاسد عقیدے کو تو ظاہر نہ کیا بلکہ "یا محمد" کہنے اور لکھنے کو ناجائز لکھ دیا۔ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل تفاسیر میں اس آیت کے تحت لکھی ہوئی تھی جس کو ہم نے نقل کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ یعنی معظم القاب کے ساتھ نداء کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور وصال کے بعد دونوں حالتوں میں نداء کرنا جائز ہے۔ اس کو ظاہر نہ کرنا دیوبندیوں کی بد دیانتی ہے اور ان کے عقیدے کی بنیاد ہی بد دیانتی اور مکر و فریب پر ہے۔

"صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے " ؐ " یا " صلعم " لکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ " صلی اللہ علیہ وسلم " کے بجائے فقط " ؐ " ، " ؐ " یا " صلعم " لکھنا کیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم اقدس کے ساتھ پورا درود و سلام یعنی " صلی اللہ علیہ وسلم " یا " علیہ الصلوٰۃ والسلام " لکھنا چاہیے۔ صلعم، عم، ؐ، ؐ وغیرہ لکھنا حرام ہے۔ صحابی کے اسم گرامی کے ساتھ مکمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنا چاہیے۔ صرف " ؓ " لکھنا صحیح نہیں، اسی طرح " رحمۃ اللہ علیہ " کی جگہ " ؒ " لکھنا بھی جائز نہیں۔

رسول پاک کہنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ زید اور بکر میں اس بات پر بحث ہوئی۔ زید نے "رسول پاک" اور "نبی پاک" کہا، اس پر بکر نے جواباً کہا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو پاک نہیں کہنا چاہیے۔ بکر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمقتضائے بشریت ازواج مطہرات کے پاس بھی تشریف لے جاتے تھے، تو کیا (معاذ اللہ) پاک رہے؟ بکر کا کہنا ہے کہ جو "رسول پاک" کہتے ہیں وہ نرے جاہل و ناسمجھ ہیں۔ مسئلے کے بارے میں زید نے مساجد کے بعض ائمہ سے دریافت کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپاک کہنے والا دین سے خارج ہو گیا اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ براہ کرم آپ اس کی تفصیلی وضاحت قرآن وحدیث اور سلف وخلف کے اقوال کی روشنی میں کریں تاکہ عوام الناس صحیح اور اصل حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ اللہ عزوجل آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

الجواب:-

بکر کا قول لغو ہے۔ قرآن کریم میں مٹی کے بارے میں فرمایا گیا:

صعیداً طیباً

(سورۃ(۴) النساء، آیت ۴۳)

یعنی پاک مٹی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

امم سابقہ کے برخلاف میرے لیے پوری زمین کو مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا گیا یعنی تیمم کرنے کو جائز فرمایا۔

(بخاری جلد اول، کتاب التیمم، الباب الاول)

اگر مٹی ناپاک ہوتی تو انسان کو پاک کیسے کرتی؟ اسی طرح قرآن کریم میں پانی کے متعلق فرمایا:

و انزلنا من السمآء مآءً طهوراً

(سورة (٢٥) الفرقان، آیت: ٣٨)

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پاک کرنے والا۔

اور بکر یہ تو تسلیم کرے گا کہ نماز کی شرائط میں ایک شرط طہارت یعنی پاک ہونا بھی ہے۔ یعنی جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں، وہ جگہ جہاں نماز پڑھ رہا ہے یا جس کپڑے پر نماز پڑھ رہا ہے، ان سب کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی چیز پاک ہی نہیں ہے تو بکر نماز کیسے پڑھے گا؟ علاوہ ازیں کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا:

و کلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً

(سورة (٥) المائدة، آیت: ٨٨)

اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال پاکیزہ۔

اور بکر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکی کے متعلق جو یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمقتضائے بشریت ازواج مطہرات کے پاس بھی جاتے تھے تو (معاذ اللہ) پاک نہ رہے، یہ انتہائی جہالت ہے۔ جس پر غسل فرض ہوتا ہے اس کو غسل کرنا نجاست حقیقی کی بناء پر نہیں بلکہ نجاست حکمی کی بناء پر ہوتا ہے ورنہ اس کا جسم پاک ہوتا ہے، اس کا جوٹھا پاک ہوتا ہے اور اس کا ہاتھ پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ بحالت جنابت بھی مومن کا جسم پاک ہی رہتا ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ! ان المومن لا ینجس

سبحان اللہ (اللہ کی پاکی) مومن نجس نہیں ہوتا۔

آپ کا یہ فرمان جنب کے بارے میں تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور میں بحالت جنب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میں خاموشی سے وہاں سے نکل گیا اور اپنے گھر گیا، پھر غسل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ابھی تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ سے میری ملاقات اس حالت میں ہوئی تھی کہ میں جنبی تھا اس لیے میں نے بغیر غسل کیے آپ کی خدمت میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ! مومن نجس

نہیں ہوتا "۔

(بخاری شریف ، جلد اول ، کتاب الغسل ، باب عرق الجنب وان المؤمن لا ینجس)

ایک عام مومن کے بارے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے تو انبیاء کرام کے متعلق یہ استدلال کرنا کتنا غلط ہے ؟ ہر عقل والا یہ سمجھ لے گا۔ لہٰذا بکر کو اپنے اس قول سے توبہ کرنی چاہیے ۔

" سنت رسول اللہ کی " کہنا

الاستفتاء :-

جناب مفتی صاحب ! مندرجہ ذیل مسائل کے جواب قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں دیجیے ۔ عین نوازش ہو گی ۔

(۱) اکثر حنفی مسلمان سنتوں کی نیت اس طرح سے کرتے ہیں " نیت کی میں نے چار رکعات نماز سنت ، سنت رسول کی ، واسطے اللہ تعالیٰ کے ، منہ میرا طرف کعبہ شریف کے ، اللہ اکبر " لیکن ہمارے محلے کی مسجد کے پیش امام صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح سے نیت کرنا کفر ہے ۔ " سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی " نہیں کہنا چاہیے ۔ " کی " لگانے سے سنت پر رسول کی ملکیت ثابت ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنت کے مالک ہو جاتے ہیں جبکہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اس لیے یہ کفر ہے ۔

(۲) کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سنت کے مالک نہیں ہیں ؟ چاہے سنتیں نماز کی ہوں یا دیگر سنتیں ۔

(۳) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی ہر شئے کے مالک نہیں ہیں ؟

(۴) ایسے امام کے لیے کیا حکم ہے ؟

سائل : اجمل حسین ، حیدر آباد

الجواب :-

امام نے اپنے عقیدے کی وجہ سے (سنت رسول کی) کہنے کا یہ مطلب نکالا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کے مالک ہیں ۔ اور رسول کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے ۔ اللہ ہر چیز کا مالک ہے اس لیے یہ شرک ہے ۔ کیونکہ وہابیہ کا امام اسماعیل دہلوی اپنی کتاب " تقویۃ الایمان " میں یہ لکھ گیا ہے کہ :

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہے ۔

(صفحہ : ۵۷ ، مطبوعہ : دارالاشاعت ، کراچی)

امام نے اسی عقیدے کی بناء پر وہ مطلب گھڑا ۔ اس کا یہ عقیدہ بھی غلط اور اس نے جو مطلب بیان کیا

وہ بھی غلط ہے۔ عربی زبان کے مضاف ، مضاف الیہ کا ترجمہ جب اردو میں کیا جاتا ہے تو "کا" یا "کی" کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے "کتاب اللہ" کا ترجمہ "اللہ کی کتاب" ہے اسی طرح "سنۃ الرسول" کا ترجمہ "رسول اللہ کی سنت" ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

سنۃ من قد ارسلنا

(سورۃ (۱۷) بنی اسرائیل ، آیت : ۷۷)

اس آیت میں سنت کو "من قد ارسلنا" کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہوگا "جس کو ہم نے پہلے بھیجا اس کی سنت"۔ ابو داؤد ، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف میں حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فعلیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین المھدیین

(مشکوٰۃ المصابیح ، صفحہ : ۳۰ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

پس تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت۔

تو اس امام کے نزدیک یہ کفر کا حکم کہاں تک پہنچتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پہلے رسولوں کی سنت بتائی ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی سنت بتائی اور خلفاء کی سنت بتائی۔ یہی لفظ ہے جو مسلمان بولتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت" اس امام نے مسلمانوں پر کفر کا حکم لگایا اور خود کفر کیا اور معاذ اللہ ، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم کفر لگایا۔ یہ اس عقیدے کی گمراہی کا نتیجہ ہے جس کو بنیاد بنا کر امام نے یہ سعی کفر کی۔ اس جملے کا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ملکیت کا کوئی تعلق ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل کر کے دکھایا اور ہمیں جس پر عمل کرنے کا قرآن و حدیث میں حکم دیا گیا ہے اس طریقے کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام کے عقیدے کی خرابی کو سمجھنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کس چیز کے مالک ہیں تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "الامن والعلیٰ" کا مطالعہ کیا جائے۔ اتنی بات تو آپ نے بھی سنی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے جنت مانگی ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو جنت دی۔ اور دنیاوی دولت اور زمین کے خزانوں کے متعلق امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری میں حدیث شریف نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

و بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی

(جلد دوم ، کتاب التعبیر ، باب المفاتیح فی الید)

اس درمیان میں کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کے سارے خزانوں کی چابیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں ہیں۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ بخاری میں ہے:

قال عمر و سمعت عبید ابن عمیر یقول رؤیا الانبیاء وحی ثم قراہ انی اری فی المنام انی اذبحک

(بخاری، جلد اول، کتاب الوضوء، باب التخفیف فی الوضوء)

یعنی عمر کہتے ہیں کہ میں نے عبید ابن عمیر سے سنا وہ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی "انی اری فی المنام انی اذبحک" (میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔)

اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی نہ ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب دیکھ کر اپنے بیٹے کی قربانی پر تیار نہ ہوتے۔ کیوں کہ انسان کا قتل حرام ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علم غیب

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کے بارے میں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا بر سر منبر انکار کرتا ہے۔ اسکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ایسا شخص فاسق و فاجر ہے یا کافر؟

سائل: محمد شبیر عالم، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

علم غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ذاتی اور عطائی۔ ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی کے بتائے خود جانتا ہو اور عطائی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے بتانے سے جانے۔ قرآن کریم کی آیات میں دونوں طرح کی آیات ہیں، بعض کا مضمون یہ ہے کہ غیب صرف اللہ تعالٰی جانتا ہے اور بعض آیات میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب کی خبریں بتاتا ہے یہ دونوں قسمیں کے بغیر قرآن کریم کی ان آیات کا اختلاف دور نہیں کیا جا سکتا۔

اسکے سمجھنے کے لیے یوں سمجھیے کہ قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر یہ فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے مالوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ دونوں آیتوں کا مطلب یہی ہے کہ حقیقتاً ملکیت ذاتی اللہ تعالٰی کے لیے ہے اور اس نے ہمیں اپنے اموال کی ملکیت عطا فرمائی اور ہمیں ان کا مالک بنایا ہے۔ لہٰذا ہر انسان یہ کہتا ہے: یہ گھر میرا ہے یہ زمین میری ہے اور مختلف اموال کو اپنا بتاتا اور بتاتا ہے کیا اس کو کوئی شرک سمجھتا ہے؟ اسی طرح ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ تعالٰی انبیاء کرام کو غیب کی خبریں بتاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو ان کی اطلاع دی اور اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے متعلق یہ فرمادیا:

یؤ منون بالغیب

(سورة (۲) البقرة ، آیت : ۳)

یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تقریباً سبھی کلی یا جزوی طور پر ایمان بالغیب کے زمرے میں آتی ہیں۔ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ ، اسکے فرشتے ، نازل کردہ کتابیں ، تمام سابقہ رسل اور یوم قیامت ، حشر و نشر ، جنت و دوزخ سب پر ایمان لانے سے مومن ہوتا ہے اور ایمان " تصدیق " کو کہتے ہیں۔ ان باتوں کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور تصدیق علم ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے ان تمام باتوں کو ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے۔ یہ تو اجمالاً علم غیب کے متعلق بیان ہے ، تفصیل کے لیے علماء اہلسنت کی کتابیں دیکھیں۔

برصغیر میں موجہ [illegible] اسمعیل دہلوی نے اپنی کتاب " تقویۃ الایمان " جو کہ ایک طرح سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی " کتاب التوحید " کا ترجمہ ہے ، میں لکھا کہ " اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے انبیاء علیہم السلام کو علم غیب ہوتا ہے تو وہ بھی مشرک ہے۔ "

چنانچہ دیوبندیوں نے یہ کہنا اور لکھنا شروع کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس کسی قسم کا علم غیب نہیں اور انبیاء کرام سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں ، ذاتی اور عطائی کی تقسیم نہیں کرتے۔

اس طرح وہ قرآن کریم کی ان آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمانا بیان کیا ہے۔ مطلقاً علم غیب کا انکار کرنا قرآن کریم کا انکار ہے اور قرآن یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کفر ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔ اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ کسی کافر کو امام بنانا باطل ہے اور اسکے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی جائیں گی وہ باطل ہوں گی اور انکا دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ لہٰذا سوال میں جس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ مطلقاً علم غیب کا انکار کرتا ہے وہ امامت کے لائق نہیں ہے۔ اہلسنت کا عقیدہ آج بھی وہی ہے جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا عقیدہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور تمام صفات ذاتی ہیں اور انبیاء کرام کا علم غیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا ہوا ہے یعنی علم عطائی ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے یا نہیں ؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ خود سے ہے اور نہ دیئے سے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟

(۲) علم غیب عطائی کا اعتقاد رکھنا ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس کے منکر کے پیچھے نماز درست ہوتی ہے یا نہیں ؟

سائلین : عبدالحکیم قادری ، محمد یونس وارثی ، اورنگی ٹاؤن ، کراچی

الجواب:-

(۱) اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے انبیاء کرام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے۔ حشر نشر، جنت و دوزخ کی تمام تفصیلات جو حدیثوں میں بیان فرمائیں وہ سب غیب ہی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

علٰم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً ۝ الا من ارتضٰی من رسول

(سورۃ (۷۲) الجن، آیات: ۲۶ اور ۲۷)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے

اور دوسری جگہ فرمایا:

وما کان اللّٰه لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰه یجتبی من رسله من یشاء

(سورۃ (۳) ال عمران، آیت: ۱۷۹)

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کے واقعات بیان فرما کر فرمایا:

تلک من انبآء الغیب نوحیها الیک

(سورۃ (۱۱) ھود، آیت: ۴۹)

یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔

ان آیات میں علم غیب عطا فرمانے کا بیان بھی ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے بعد بھی اس علم کا نام علم غیب ہی رہتا ہے۔ لہٰذا جو شخص علم غیب عطائی کا بالکل منکر ہے وہ قرآن کی ان آیات کا انکار کرتا ہے اور قرآن کے ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے۔ لہٰذا وہ شخص کافر ہے۔

(۲) نماز، مسلمان، متقی، پرہیزگار اور صحیح العقیدہ کے پیچھے ہوتی ہے۔ فاسق کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ کافر کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی اپنی ہی نماز، نماز نہیں ہے، وہ امامت کیا کرے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت و جماعت اس مسئلے میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر؟

کیا ہم اہل سنت و جماعت، دیوبندیوں کے ساتھ مل جل سکتے ہیں یا نہیں؟ یہاں پر دیوبندی ہمیشہ میرے اوپر تنقیدیں کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا اور ہمارا اختلاف فروعی ہے ورنہ ہم سب ایک ہیں، یہ بات کہاں

تک صحیح ہے؟ اور بعض دفعہ ہمارے اور دیوبندی عالموں کے درمیان اختلاف مارپیٹ کی نوبت تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہاں پر ہر روز بعد نمازِ عشاء میلاد شریف کا اہتمام کرتے ہیں کچھ لوگ ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور ہم قیام کرتے ہیں تو یہ لوگ ”تارکِ سنت دیوبندی“ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوتے، بلکہ الٹے سیدھے سوالات کر ڈالتے ہیں جن کے جوابات سے ہم قاصر ہیں۔ بار بار کے تنازعات سے تنگ آ کر آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ ان سوالوں کے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

کیا میلاد شریف پڑھنا، فاتحہ دینا اور قیام کرنا جائز ہے؟ کن کن کتابوں میں لکھا ہے ان کے حوالوں سے ہمارے سوالات کا جواب دیں، ساتھ ہی مدرسہ کی مہر بھی لگا دیں تاکہ یہ دیوبندی جو فتنہ وفساد کی جڑ ہیں انھیں ہم جواب دے سکیں۔ دیوبندی کہتے ہیں کہ کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے امام ہو کر غلط کام کرتے تھے؟ تو کہتے ہیں کہ تم کسی حدیث یا کسی فتویٰ کی بڑی کتاب سے دکھاؤ ورنہ تم ہمارا کہنا مانو، اگر تم دکھا سکے تو ہم مان لیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ کو حوالہ جات دکھاؤں گا۔

اس لیے آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں کہ آپ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ بینوا و توجروا

سائل: عبد الشکور باخوشن، دکان احمد صالح باصر حول، شارع تہام بمکہ، المملکۃ العربیۃ السعودیہ

الجواب:-

میلاد، فاتحہ وغیرہ وہ مسائل ہیں جن میں دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف ہے۔ ان اعمال کے متعلق دیوبندی ناجائز ہونے کی دلیل صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اس لیے یہ کام ناجائز ہیں۔ ان کی یہ دلیل غلط ہے۔ اس لیے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ ناجائز ہونے کے لیے کس دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ

(سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمۃ، باب اکل الجبن والسمن)

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن باتوں کا حکم قرآن وحدیث میں بیان نہیں ہوا وہ مباح ہیں اسی لیے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ:

الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

(درمختار، جلد: ۱، صفحہ: ۷۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔

جس چیز کی حرمت و ممانعت قرآن و حدیث میں موجود ہے تو وہ چیز منع ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیرات احمدیہ" میں ایک فصل اسی عنوان سے قائم کی۔ لہٰذا ان باتوں کو جائز بتانے والوں کو کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ البتہ جو ان باتوں کو ناجائز کہتا ہے وہ دلیل دے کہ قرآن و حدیث میں فاتحہ، میلاد اور قیام منع ہیں۔ جائز بتانے کے لیے ہمیں دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر بھی ہم بیان کرتے ہیں کہ سارے دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے رسالے "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لذت و لطف پاتا ہوں۔"

(صفحہ: ۱۳، مطبوعہ: مسلم کتابوی، لاہور)

اور تمام دیوبندیوں کے سند حدیث میں استاد شاہ عبدالعزیز، شاہ ولی اللہ، اور شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، کی کتابوں میں ان کے معمولات میں میلاد، فاتحہ اور قیام سب کے بارے میں لکھا ہوا ہے۔ "سیرت حلبی" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ وہ میلاد کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اور قیام کو مستحب سمجھتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ سیوطی، علامہ ابن حجر وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں میلاد و قیام کو مستحسن قرار دیا ہے اور حدیث شریف ہے:

فمارأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن

(بحوالہ: مسند الامام احمد ابن حنبل، ۱/۳۷۹، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی جس کام کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں بشر ہونا بھی بیان فرمایا گیا اور اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔ اہل سنت کا کوئی شخص بھی بشر ہونے کا انکار نہیں کرتا۔ اور قرآن ہی میں ہے:

قد جاء كم من الله نور

(سورة (۵) المائدة، آیت: ۱۵)

یقیناً اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے پاس نور آیا۔

اس نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تفسیر جلالین، مدارک، صاوی، روح البیان اور تفسیر کبیر وغیرہ کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ قرآن میں اس آیت کے لفظ "نور" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ لہٰذا اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ دیوبندی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے منکر ہیں اور اہل سنت پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیں کہ اہل سنت کے علماء میں سے کس نے کونسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کیا ہے۔

باقی رہی دیوبندیوں سے اختلاف کی بات تو دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی ہے، جیسے قادیانی اور شیعہ وغیرہ سے۔ مدرسہ دیوبند کے بانی قاسم نانوتوی کی کتاب "تحذیر الناس" اب بھی چھپ رہی ہے اور فروخت ہو رہی ہے اس نے کتاب کے شروع ہی میں لکھا ہے کہ:

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیاء ہونا عوام کا خیال ہے ورنہ اہل فہم پر روشن ہے کہ یہ فضیلت کی بات نہیں ہے۔

اس کے بعد آگے جا کر لکھا کہ:

بالفرض بعد زمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(تحذیر الناس، صفحہ: ۳، مطبوعہ: خیر خواہ سرکار پریس، سہارنپور، ۱۳۰۹ھ)

یہ ختم نبوت کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو قادیانیوں کا ہے۔

"براہین قاطعہ" میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا کہ:

شیطان کے علم کی دلیل ہے رسول اللہ کے علم کی کوئی دلیل نہیں اور اسی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنا ممکن لکھا ہے۔

(براہین قاطعہ، صفحہ: ۵۱، مطبوعہ مطبع بلالی ساڈھورہ، ضلع انبالہ، بھارت)

"حفظ الایمان" میں اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق لکھا کہ:

ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنون اور جمیع بہائم و حیوانات کو بھی حاصل ہے۔

(حفظ الایمان، صفحہ: ۸ اور ۷، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، دہلی)

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس قسم کی گستاخیوں سے دیوبندیوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان عبارات کو لکھ کر علماء حرمین کے سامنے پیش کیا گیا تو اس پر علمائے حرمین، مصر، شام اور عراق وغیرہ نے فتویٰ دیا کہ ایسی عبارات لکھنے والے سب کافر ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ ان فتاویٰ جات کا مجموعہ "حسام الحرمین" کے نام سے زمانہ دراز سے چھپ رہا ہے اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا

الاستفتاء:-

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں صلوٰۃ وسلام یا میلاد کی محفل ہو رہی ہو وہاں ہو سکتے ہیں؟

الجواب:-

ہو سکتے ہیں اس میں شک نہیں ہے۔

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

الاستفتاء:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر کچھ لوگ انگوٹھے نہیں چومتے بلکہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیا انگوٹھے چومنے کے لیے کسی حدیث میں حکم آیا ہے؟ یا ایسا کرنے کی فضیلت آئی ہے؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین یا تبع تابعین کے دور میں لوگ ایسا کرتے تھے؟ سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو سننے پر انگوٹھے چومنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

سائل: محمد جمیل الرحمن سعیدی

الجواب:-

اس مسئلے کا جواب تفصیل سے دیکھنے کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "منیر العین فی تقبیل الابہامین" کا مطالعہ کر لیجیے انشاء اللہ اطمینان ہو جائے گا۔ کسی دور میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی بات جہالت ہے۔ یہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی شریعت کا اصول ہے کہ فلاں دور میں یہ کام ہوا تو کرو نہ ہوا تو نہ کرو۔ یہ دراصل ان گمراہ لوگوں کا خود ساختہ اصول ہے جو ہر مستحسن فعل کی مخالفت کرتے ہیں۔ جہاں تک انگوٹھے چومنے اور اس کی فضیلت کا تعلق ہے تو فتاویٰ شامی میں ہے:

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند الثانیۃ منھا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثمّ یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائداً لہ الی الجنۃ

(شامی، جلد اول، صفحہ: ۲۹۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اذان میں پہلا کلمہ شہادت یعنی "اشھد ان محمد رسول اللہ" سن کر "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" اور دوسرے کلمہ شہادت کے وقت "قرت عینی بک یا رسول اللہ" پڑھنا پھر انگوٹھوں کے ناخن دونوں آنکھوں پر رکھنے کے بعد "اللھم متعنی بالسمع والبصر" کہنا مستحب ہے جو ایسا کرے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے قائد ہوں گے جنت کی طرف۔

وسیلے کا بیان

الاستفتاء :-

جناب قبلہ مفتی وقار الدین صاحب !

ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ ایک شخص اس عقیدے کے ساتھ کہ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی بزرگ ، ولی یا پیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلا سکتے ۔ اور یہ کہ فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے ۔ یوں دعا مانگے کہ اے بزرگ اے پیران پیر دستگیر مجھے اس مشکل سے بچا لیجیے یا مجھے روزی دیجیے تو کیا ایسا کہنا شرعاً جائز ہے ؟ جواب جلد دے کر مشکور فرمائیں۔

سائل : ہمایوں رشید

الجواب :-

ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ۔ زبان وبیان کے قواعد کے مطابق فعل کی نسبت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ کبھی فاعل حقیقی کی طرف نسبت کی جاتی ہے ۔ اور کبھی متعلقات فعل میں سے کسی کو فاعل بنا کر اس کی طرف فعل کی نسبت کر دی جاتی ہے ۔ اس کی مثالیں ہر زبان میں بکثرت موجود ہیں مثلاً اردو میں کہا جاتا ہے کہ نہر جاری ہے حالانکہ نہر جاری نہیں ہوتی بلکہ پانی جاری ہوتا ہے ۔ بادل آیا اس نے بہت پانی برسایا ، جبکہ بادل پانی نہیں برساتا بلکہ اللہ تعالیٰ پانی برساتا ہے ۔ فلاں دوا سے بیمار اچھا ہو گیا جبکہ اللہ تعالیٰ بیمار کو اچھا کرتا ہے ، دوا اچھا نہیں کرتی۔ مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ یہ جملے بولتا ہے ۔ اس کا مسلمان ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان جملوں میں اسناد مجازی کا استعمال کیا گیا ہے اس لیے یہ نہ کفر ہے اور نہ ہی حرام ہے ۔ فصاحت وبلاغت کی تمام کتب میں یہ مثالیں لکھی ہیں مثلاً " مختصر المعانی " اور " متون " وغیرہ میں ہے ۔

انبت الربیع البقل

(مختصر المعانی ، صفحہ : ۹۱ ، مکتبہ فاروقیہ ، ملتان)

یعنی موسم بہار نے سبزی اگائی۔

اگر یہی جملہ کافر بولتا ہے تو یہ اسناد حقیقی ہے کیونکہ کافر موسم بہار کو فاعل حقیقی سمجھتا ہے ۔ اور جب مسلمان بولتا ہے تو یہ اسناد مجازی ہے اس لیے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حقیقتاً اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور موسم بہار ، سبب ہے ۔ لہٰذا یہ اسناد مجازی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کہنے والے کا مسلمان ہونا اسناد مجازی ہونے کی دلیل ہے ۔ قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لاھب لک غلاماً زکیا

(سورۃ (۱۹) مریم ، آیت : ۱۹)

(جبرائیل امین جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ) " میں تمہیں

پاک بیٹا دوں گا "۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اولاد دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جبریل امین نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف مجازاً کی۔ اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

توفتھم الملئکۃ

(سورۃ (۴۷) محمد، آیت: ۲۷)

یعنی فرشتوں نے ان کو وفات دی۔ جبکہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

اللہ یتوفی الانفس

(سورۃ (۳۹) زمر، آیت: ۴۲)

اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت دیتا ہے۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ موت کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ملائکہ کی طرف نسبت مجازی ہے۔ لہذا سوال میں جو صورتیں مذکور ہیں جب مسلمان یہ الفاظ بولتا ہے تو اولیاء کرام کی طرف مجازاً نسبت کرتا ہے یہ جائز ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "الامن والعلی" کا مطالعہ کیجیے۔

غیر خدا کو مشکل کشا کہنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مورخہ 8 جنوری 88ء کو جمعہ کی تقریر میں ایک خطیب صاحب نے مسئلہ ایمانیات میں اللہ پر ایمان لانا کہ وہ "حاجت روا"، "مشکل کشاء"، "خالق" اور "رازق" ہے، لفظ مشکل کشاء کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہر وہ شخص جو آپ کی اٹکی ہوئی مشکل کو حل کر دے وہ مشکل کشا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک بھنگی جو آپ کا گٹر کھول کر رکی ہوئی غلاظت صاف کرتا ہے وہ بھنگی بھی آپ کا مشکل کشاء کہلائے گا اور کہلانے کا مستحق ہے۔ "نعوذ باللہ" یہ مثال ایک انسان کے لیے استعمال کی گئی جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہے۔ اس لیے کیا ایسے شخص کا ایمان قابل تجدید ہے؟ اور وہ شخص کسی مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

سائل: زاہد علی زیدی، زکریا کالونی، ملتان

الجواب:-

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام وغیرھم کو مشکل کشاء کہنا جائز ہے یا ناجائز۔

اس کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ فعل کی نسبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ کبھی فاعل حقیقی کی طرف اور کبھی فاعل مجازی کی طرف۔ یہ استعمال ہر زبان میں ہوتا ہے۔ اردو میں بھی اور عربی میں بھی۔ اور قرآن وحدیث میں بھی اس کے پہچاننے کے لیے متکلم کے اعتقاد پر دارومدار ہوتا ہے۔ مثلاً عربی زبان میں بولا جاتا ہے۔

انبت الربیع البقل

(مختصر المعانی، صفحہ: ۹۱، مکتبہ فاروقیہ، ملتان)

یعنی موسم بہار نے سبزی اگائی۔

اس کے لفظی معنی اگر دیکھے جائیں تو یہ مطلب ہوا کہ موسم فاعل ہے اور وہ فصلیں اگاتا ہے۔ حالانکہ کھیتی اگانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ پانی اور کھاد دینا اور موسم وغیرہ کھیتی اگنے کے اسباب ہیں۔ اور سبب کو فاعل بنا کر اس کی طرف نسبت کرنا اسناد مجازی ہے۔ لہٰذا اگر کافر یہ بات کہے تو حقیقت بنا جائے گا اس لیے کہ وہ زمانہ کو ہی فاعل حقیقی سمجھتا ہے۔ اور جب مسلمان یہ کہے تو مجاز سمجھا جائے گا اس لیے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ "مختصر المعانی"، "مطول" وغیرہ کتب میں موجود ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کا مومن ہونا ہی معنی مجازی مراد لینے کے لیے کافی ہے اور مومن کے کلام میں زبردستی اسناد حقیقی بنا کر کفر کے معنی پیدا نہیں کیے جائیں گے۔ اردو زبان میں عام طور پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ دوا نے بیماری دور کردی، ڈاکٹر نے مریض اچھا کر دیا، بارش نے زمین کو سرسبز کر دیا، بادلوں نے پانی برسایا وغیرہ۔ ان مثالوں سے کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا ہے کہ یہ الفاظ کفر ہیں اور ایسا بولنے والا کافر ہے۔ اس لیے کہ بولنے والے مسلمان ہیں اور ان کا مسلمان ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب اسباب ہیں اور یہ سب نسبتیں مجازی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے حضرت مریم سے کہا:

لاھب لک غلما زکیا

(سورۃ (۱۹) مریم، آیت: ۱۹)

میں تمھیں پاک بیٹا دوں گا۔

اور مسلمان یقین رکھتا ہے کہ اولاد دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور جبرائیل امین نے اپنی طرف لڑکا دینے کی نسبت مجازاً کی ہے اسی طرح "ملک الموت" اس فرشتے کو کہتے ہیں جس کا کام موت دینا یعنی روح نکالنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

توفتھم الملائکۃ

(سورۃ (۴۷) محمد، آیت: ۲۷)

یعنی فرشتے انھیں موت دیتے ہیں۔

یہ بھی اسناد مجازی ہے اس لیے کہ موت دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس تمہید کے بعد یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے پر جب مشکل کشاء کا لفظ استعمال کرے گا تو اس سے اسناد مجازی

ہی مراد ہوگی اس لیے کہ مسلمان یقین رکھتا ہے کہ حقیقی مشکل کشاء صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی مشکلیں حل کرنے کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے اور قائل (کہنے والا) کا مسلمان ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے۔

دیوبندیوں نے مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کے لیے نسبتوں کو اسناد حقیقی قرار دیا۔ حالانکہ وہ خود بھی ایسے الفاظ بولتے ہیں مثلاً مدرسے کا چندہ مانگنے جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہماری مدد کیجئے۔ اگر کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ میری مشکل دور کیجئے، مشکل دور کر سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اصل مسئلہ یہی ہے کہ امام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشاء کہا۔ دیوبندیوں کے تکفیر مسلمین کے جذبے میں جوش آیا۔ اور انہوں نے یہ سوال کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشاء کس طرح ہو سکتا ہے؟ امام نے لفظ مشکل کشاء کا مفہوم سمجھانے کے لیے مثالیں دیں اور اس نے یہ مثال بھی دے دی جو سوال میں مذکور ہے۔ اگرچہ یہ مثال ایسے موقع پر ذکر نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن امام کا مقصد اور الفاظ اس بات پر دلالت نہیں کرتے ہیں کہ امام اللہ تعالیٰ کی طرح مشکل کشائی میں تشبیہ دے کر یہ مثالیں بیان کررہا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف لفظ مشکل کشاء کا مفہوم سمجھانے کے لیے مثال دے رہا ہے۔ اور اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ سب نسبتیں مجازی ہیں۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا غوث اعظم کو حاجت روا، مشکل کشاء یا فریاد رس ماننا کیا شرک ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ سب شرک ہے۔

سائلین: عبدالحکیم قادری، محمد یونس وارثی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

صالحین کو مدد کے لیے پکارنا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ خود حدیث میں فرمایا کہ:

جب صحرا میں مسلمان راستہ بھول جائے تو یہ کہے یاعباداللہاعینونی (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔)

یاعباداللہاعینونی، یاعباداللہاعینونی، یاعباداللہاعینونی،

(مترجمہ، حصن حصین، صفحہ: ۱۵۵، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

لہٰذا اس کو شرک کہنے والا سوچے کہ اس کے شرک کا حکم کہاں تک جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول وبراز

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات یعنی بول وبراز وغیرہ پاک تھے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: عمر حیات خاں، ڈیفنس سروسز۔ کراچی

الجواب:-

حدیث شریف میں ہے کہ ایک پیالہ تھا جسے رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پلنگ کے نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ پیالہ نہ ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس میں جو پیشاب تھا وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خادمہ برہ نے پی لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جہنم سے اپنی پناہ گاہ بنالی۔

(الخصائص الکبری (اردو)، جلد: دوم، صفحہ: ۳۷۲، گنج شکر اکیڈمی، لاہور)

علامہ شامی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور فضلات، آئمہ شافعیہ کے صحیح مذہب اور حنفیہ کے نزدیک پاک ہیں جیسا کہ مواہب اللدنیہ میں بخاری کی شرح عینی سے نقل کیا گیا ہے۔ اور شرح اشباہ میں اس پر بہت دلائل نقل کیے گئے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کی شرح شمائل میں لکھا ہے کہ یہی ہمارے آئمہ کی اکثریت کا مختار مذہب ہے۔

(شامی، جلد اول، صفحہ ۲۲۳، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے۔ رہی یہ بات کہ ان واقعات کو عوام میں بیان کرنا کیسا ہے؟ تو عوام میں ان کو بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کے درجے کو اولین درجہ قرار دیا ہے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے آخری اور محبوب نبی ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا درجہ عطا کیا یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو قرآن و حدیث و دیگر مذہبی کتب کے حوالے سے اس کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی شہادت سے ہوا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے بحوالہ مشکوٰۃ شریف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

قالت : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في مرضه الذي مات فيه : يا عائشة ! ما ازال اجد الم الطعام الذي اكلت بخيبر وهذا اوان وجدت انقطاع ابهري من ذلك السم

(مشكوٰة المصابيح ، باب وفاة النبي صلى الله عليه وسلم ، الفصل الثالث)

جس مرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ میں اس کھانے کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا تھا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا یعنی زہر ملا ہوا گوشت اب یہ وقت ہے میں اپنی رگ جاں کو کٹتا ہوا محسوس کر رہا ہوں اسی زہر کی وجہ سے۔

کسی کو کوئی شخص زہر پلا دے تو اس کی وجہ سے جو موت ہوتی ہے، وہ بھی شہادت کی موت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کا بیان

الاستفتاء:-

آج کل اکثر لوگوں میں اور خاص طور پر نوجوان طبقہ میں یہ بات کثرت سے زیر بحث آتی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کن صحابی نے پڑھائی اور کس مقام مبارک پر؟ اس کا جواب آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔ تاکہ ہماری اور دیگر عوام الناس کی ذہنی خلش دور ہو۔ ہم آپ کے نہایت مشکور ہوں گے۔

سائل: محمد فرید

الجواب:-

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز اس معروف طریقہ سے نہیں پڑھی گئی جس کے مطابق ایک عام مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور آپ پر درود و سلام پڑھ کر چلے جاتے۔ بعض احادیث اس کی موید ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تھا کہ "میرا جنازہ تیار کر کے رکھ دینا سب سے پہلے حضرت جبریل امین جماعت ملائکہ کے ساتھ حاضر ہو کر درود و سلام عرض کریں گے اس کے بعد مسلمانوں کے گروہ ایسا ہی کریں۔"

چنانچہ انسانوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کیا اس کے بعد لوگ آتے رہے اور صف بستہ ہو کر ایسا ہی کرتے رہے۔

نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلِ مبارک کے عکس پر لکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلِ پاک کا نقشہ جو آجکل ملتا ہے، اسپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بارے ایک صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اگر کسی بھی شخص کے جوتے کے نقشے پر اس کا نام لکھا ہو تو وہ کسی صورت بھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ اس کا نام اس کے جوتے پر لکھا ہو۔ تو پھر سوچنے کی بات ہے ایک مسلمان یہ کسطرح برداشت کر سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس نعلِ پاک کے عکس پر لکھا جائے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ پاک کے عکس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا جائے تو کوئی بھی شخص اس قسم کی بات میں نہیں الجھے گا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ برائے کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ذہنی الجھن سے نجات دلائیں اور ہماری رہنمائی فرمائیں۔ شکریہ

المستفتی: محمد ارشد چشتی، جمشید روڈ، کراچی

الجواب:-

کسی چیز کا عکس اصل شی کا حکم نہیں رکھتا اور کسی شی کے نقشہ پر اصل چیز کے احکام نہیں ہوتے ہیں۔ اگر نقشے پر اصل شی کے احکام ہوں تو لوگ کعبہ کے نقشے کا طواف بھی کر لیا کریں جو درست نہیں ہے اسی طرح نعلِ پاک کا نقشہ، اصل نعل نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر نام اقدس لکھنے میں حرج نہیں ہے۔

مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ

الاستفتاء:-

جناب مفتی محمد وقار الدین صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت آپ بفضل خدا خیریت سے ہوں گے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ کافی عرصہ سے آپ کی خدمت

میں حاضری نہ دے سکا۔ گزارش ہے کہ میرے پاس ایک کتاب ہے جس کا نام "تاریخ المدینۃ المنورہ" ہے اس کتاب میں تین مضامین ہیں:

(۱) مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ
(۲) مدینہ طیبہ کی مکہ معظمہ پر فضیلت
(۳) مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔

اب اس سلسلہ میں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام روئے زمین پر افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً۔ اب ان دو شہروں میں سے کس کو دوسرے پر فضیلت و ترجیح دی جائے۔ تو اس میں علمائے کرام کے عقول واذہان بھی متحیر ہیں۔ بایں ہمہ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ زمین کا وہ حصہ جو رحمت للعالمین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر اور اعضائے شریفہ سے مس کیے ہوئے ہے وہ نہ صرف مکہ معظمہ بلکہ کعبۃ اللہ اور عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا روضہ اطہر کو کعبۃ اللہ اور عرش عظیم سے افضل قرار دینا جائز ہے؟

سائل: سید سلطان عبدالقادر قادری، فیڈرل کیپٹل ایریا، کراچی

الجواب:-

یہاں درج ذیل تین صورتیں ہیں:

(۱) شہر مکہ اور شہر مدینہ میں سے کونسا شہر افضل ہے؟
(۲) کعبہ اور قبہ مبارک میں کون افضل ہے؟
(۳) وہ خاک پاک جو جسم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر انور میں متصل ہے اور تمام عالم کے دوسرے اجزاء میں کون افضل ہے؟

اس سلسلے میں علماء کرام کے دو گروہ ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ:

؎ طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما رہے تھے اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی تھی:

اللھم انک ان اخرجتنی من احب البقاع الی فاسکنی فی احب البقاع الیک

(صفحہ: ۱۸، مطبوعہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

یعنی اے اللہ اس وقت جب تو نے مجھے اس شہر سے جو میرے نزدیک تمام شہروں سے محبوب شہر ہے، نکال دیا تو تو ہی مجھے اس شہر میں سکونت عطا فرما جو تیرے نزدیک تمام شہروں سے پسندیدہ ہو۔

مکہ سے تشریف لیجانے کے بعد مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا مسکن بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو مدینہ طیبہ، مکہ معظمہ سے زیادہ محبوب ہے۔

(۲) کعبہ، قبر مبارک سے افضل ہے،

(۳) خاک پاک کے لیے محدثین کا اختلاف ہے کہ مٹی کے وہ ذرات جو جسم اطہر سے قبر انور میں متصل ہیں، وہ کائنات کی ہر چیز سے افضل ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ امت کا اس پر اتفاق ہے اور قرآن و حدیث میں منصوص ہے کہ ہر انسان مرنے کے بعد زمین کے اسی حصہ میں جاتا ہے جس جگہ کے اجزاء سے انسان پیدا ہوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر ان اجزاء سے بنا ہے جن اجزاء پر قبر انور میں جسم مبارک رکھا گیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل عالم میں کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا وہ اجزاء ارض بھی بے مثال ہیں۔

ختم نبوت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں:

قادیانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعد جو بھی نبی (معاذ اللہ) آئیگا وہ نبوت کے اس اعلیٰ مرتبے کو نہ پہنچے گا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے: البتہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ (معاذ اللہ)

آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے کو حل فرمائیں۔ خصوصاً کوئی ایسی حدیث بتایئے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

سائل: عزیز داؤد، حسینی سوسائٹی، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

ما کان محمد ابآ احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیّن وکان اللہ بکل شیئ علیما ○

(سورۃ (۳۳) الاحزاب ، آیت : ۴۰)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ، ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے ۔

حدیث شریف میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : ان مثلی و مثل الانبیآء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ و یعجبون و یقولون ھلاّ وضعت ھذہ اللبنۃ ، قال : انا اللبنۃ و انا خاتم النبیّن ۔

(صحیح بخاری ، جلد اول ، کتاب المناقب ، باب خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور انبیاء سابقین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک محل بنایا پھر اسے سجایا اور آراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ، تو لوگ اس کے گرد گھومنے اور حیرت کرنے لگے اور کہنے لگے : یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی (کہ عمارت اور اس کا حسن مکمل ہو جاتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں ۔

امام مسلم بن حجاج القشیری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے ۔ اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں :

فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیآء علیھم السلام

(صحیح مسلم ، جلد : دوم ، کتاب الفضائل ، باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن)

یعنی وہ اینٹ کی جگہ میں ہی ہوں ، میں آیا تو سلسلہ نبوت اختتام پذیر ہو گیا ۔

امام مسلم بن حجاج القشیری نے مسلم شریف میں ایک اور حدیث روایت کی ہے :

عن سعد بن ابی وقاص قال خلّف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن ابی طالب فی غزوۃ تبوک فقال یا رسول اللہ تخلفنی فی النساء والصبیان فقال اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی ۔

(مسلم جلد دوم ، کتاب الفضائل ، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو (مدینہ میں) اپنا جانشین بنایا تو انہوں نے عرض کی ، یارسول اللہ ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : کیا تم اس بات پر راضی

نہیں کہ تمھارا مرتبہ میرے نزدیک وہی ہو، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا، بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس آیت قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کی نبوت خواہ وہ ظلی ہو یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی حیثیت سے کسی نبی کے آنے کو ماننے یا ممکن بتانے والا آیات قرآنیہ اور احادیث کا منکر ہے اور قرآن و حدیث کا منکر کافر و مرتد ہے۔

درود و سلام

اذان و اقامت سے پہلے "صلوٰۃ وسلام" پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں:

اذان و اقامت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر " الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ " کہنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: خالد رفیق، ملیر سٹی، کراچی

الجواب:-

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے: جو بھی اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ لہٰذا مسلمان ہر اچھے کام کو بسم اللہ سے شروع کرتا ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنا قراءت قرآن سے پہلے تو واجب ہے اور دوسری جگہ میں پڑھنے کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ فقہ سے جواز ہی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ شامی نے خطبے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کو جائز لکھا ہے۔ لہٰذا اذان و اقامت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور درود پڑھنے کا حکم بھی قرآن میں مطلقاً آیا ہے، کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا تو جو اذان و اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کو ناجائز کہتا ہے اسے ناجائز ہونے کی دلیل بیان کرنا ہوگی اور وہ کوئی دلیل بیان نہیں کرسکتا تو درود و سلام بھی جائز ہے۔

نماز کے بعد "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ہر نماز کے بعد یا صبح کی نماز کے بعد "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا کیسا ہے ؟

سائل : ابو سعید محمد فاروق

الجواب:-

"صلوٰۃ و سلام" ہر وقت پڑھنا جائز ہے لہٰذا ہر نماز کے بعد اور صبح کی نماز کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

جمعہ کے دن اجتماعی طور پر "صلوٰۃ و سلام" پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں :

(۱) ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ اس آیت مبارکہ سے درود پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر صحابہ اور تابعین و آئمہ مجتہدین کے زمانہ تک کسی جگہ جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے درود پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۲) آدمی جب چاہے درود پڑھ سکتا ہے ، لیکن اجتماعی طور پر جمعہ کے روز اسپیکر میں بلند آواز سے پڑھنا کب سے شروع ہوا اور اس کا ایجاد کرنے والا کون ہے ؟

(۳) کیا مسجد نماز کے لیے ہے یا درود و سلام پڑھنے کے لیے ؟ درود و سلام ہر مسلمان نماز میں ضرور پڑھتا ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ بعد نمازِ جمعہ جمع ہو کر بلند آواز کے ساتھ درود و سلام پڑھا جائے۔ لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں ، کوئی قرآن کی تلاوت کررہا ہوتا ہے ، ان کو حرج ہوتا ہے اور محلے کے لوگ رسول کا نام سنتے ہیں اور ادھر سے گانے بھی سن رہے ہوتے ہیں کیا اس سے رسول کا احترام ہوتا ہے یا کہ بےحرمتی ؟

امید ہے کہ ان سوالات کا صحیح جواب دے کر مطمئن کریں گے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی کتب کا حوالہ مع صفحہ نمبر دیجیے۔

سائل : محمد جہانگیر عالم ، بہار کالونی ، کورنگی ، کراچی

الجواب:-

(۱) جو آیت آپ نے تحریر کی ہے اس سے درود و سلام پڑھنا ثابت ہے۔ اس میں کسی خاص وقت اور حالت کی قید نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب اور جس ہیئت کے ساتھ چاہیں، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا جمعہ کے بعد، اذان سے پہلے اور بعد بھی درود و سلام کا پڑھنا ثابت ہوا۔ اس کے باوجود آپ کا یہ کہنا کہ نماز جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے درود پڑھنا ثابت نہیں، حقیقتاً یہ اللہ اور اس کے رسول پر افتراء ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ومن اظلم ممّن افترٰی علی اللہ کذباً

(سورۃ (٦) الانعام، آیت: ٢١)

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے۔

آپ کو اپنا یہ قول کسی ایسی آیت سے ثابت کرنا ہوگا جس میں یہ قید ہو کہ جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے درود پڑھنا منع ہے، لیکن آپ ایسی کوئی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اس گمراہ کن اور باطل قول اور عقیدے سے توبہ کریں۔ جو لوگ جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے درود و سلام پڑھتے ہیں ان کا یہ عمل اس آیت قرآنیہ کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا ان سے دلیل طلب کرنا اور انہیں اس عمل سے روکنے کی ناپاک کوشش کرنا خلاف اصل ہے۔

آپ نے زمانہ آغاز سے متعلق جو بات لکھی ہے اس قسم کی بات جاہل اور دین سے ناواقف لوگ ہی کہتے اور لکھتے ہیں شریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی شریعت کا یہ کوئی قاعدہ اور اصول ہے۔

ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور مجتہدین کرام نے جمعہ کے بعد یا اذان سے پہلے یا اس کے بعد درود و سلام پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ صرف درود و سلام، میلاد اور فاتحہ وغیرہ میں آپ کو بدعت یاد آتی ہے دوسرے کاموں میں یہ کیوں یاد نہیں آتی؟ آپ بتایئے:

قرآن کریم میں اعراب یعنی زبر، زیر اور پیش وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لگے تھے؟ اسی طرح حدیث کی کتب صحاح ستہ اور دوسری سیکڑوں کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی تھیں؟ فقہ مدون ہوئی تھی، مدارس اس طرح قائم ہوئے تھے؟ مدارس میں درجہ بندی، نصاب معین کرنا، دستار بندی کرنا، سند دینا، مدرسہ کے لیے جلسہ کرنا، آپ لوگوں کا سیرت کے نام سے جلسے کرنا، اسی طرح آج کل سواریاں، کھانے، لباس، عمارتیں اور سڑکیں وغیرہ سب اس زمانہ میں تھیں؟ لہٰذا ان سب باتوں کو بدعت بنا کر بند کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو معیار مقرر کیا ہے اس میں اہل سنت کے معمولات سے اپنے دل کی نفرت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اگر آپ کے بیان کردہ بدعت کے معیار سے واقعی بدعت کو روکنا مقصود

ہوتا تو ان باتوں کو جن کا اوپر تذکرہ ہوا منع کرتے۔

(۲) آپ نے خود ہی لکھا ہے کہ آدمی جب چاہے درود پڑھ سکتا ہے تو کیا اجتماعی طور پر درود و سلام نماز جمعہ کے بعد پڑھنا منع ہے؟ درود و سلام تو اسی وقت سے شروع ہوا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اسپیکر نہیں تھا جب بھی لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر درود و سلام پڑھتے تھے اور اسپیکر ایجاد ہونے کے بعد بھی پڑھتے ہیں اور جہاں اسپیکر نہیں ہے وہاں بھی لوگ پڑھتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم کی کس آیت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لیے ہے اور کس حدیث میں یہ ہے کہ مسجد میں صرف نماز پڑھی جائے۔ کس مجتہد یا فقیہ نے یہ لکھا ہے کہ مسجد میں درود و سلام نہ پڑھا جائے کیونکہ مساجد صرف اور صرف نماز کے لیے بنائی گئیں ہیں اگر ایسی کوئی آیت یا حدیث یا کسی مجتہد یا فقیہ کا کوئی قول یا عبارت مل جائے تو سب سے پہلے آپ اور جس دھرم کی آپ ترجمانی کر رہے ہیں اس کے پیروکار بھی عمل کریں اور اس کے پابند ہو جائیں کہ مسجد میں صرف نماز پڑھیں قرآن خوانی، تبلیغ اور کسی قسم کی تقریر نہ کریں اور نہ ہی مجلس نکاح وغیرہ منعقد کریں۔ آج ہی اپنے مفتیوں اور مولویوں سے اس بارے میں ایک عدد فتویٰ حاصل کریں اور کم از کم اپنے مکاتب فکر کی مساجد کے منتظمین کو ارسال کریں اور ان کو لکھیں کہ مساجد میں قرآن خوانی، وعظ و تقریر اور کسی قسم کی تبلیغ وغیرہ کرنا منع ہے اور اسی مضمون کے بورڈ آویزاں کروا دیں۔

ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ مساجد نماز اور ذکر و اذکار کے لیے بنائی گئی ہیں اور درود و سلام بھی ذکر الٰہی ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور مسلمان درود و سلام پر ذکر الٰہی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ نماز میں تو درود و سلام پڑھا جائے اور نماز کے علاوہ نہ پڑھا جائے؟ جبکہ نماز میں تو سلام پڑھنا واجب ہے اور درود سنت۔ نماز کے علاوہ درود و سلام پڑھنا مسنون ہے۔ مساجد میں درود و سلام پڑھنے سے منع کرنا تو اس وعید میں داخل ہے:

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مساجد سے اللہ تعالیٰ کا ذکر روکے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے۔

اس کے بعد فرمایا:

لھم فی الدنیا خزیٌ و لھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۱۱۴)

یعنی دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

جمعہ کے دن جن مساجد میں صلوٰۃ و سلام ہوتا ہے تو فوراً فرض کے بعد نہیں ہوتا بلکہ سنتوں، نوافل اور دعاء ثانی سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا جاتا ہے یہ اتنا وقفہ ہوتا ہے کہ اس میں اطمینان سے سنتیں اور نوافل ادا کر کے صلوٰۃ و سلام میں شریک ہوا جاسکتا ہے۔ لیکن جنھیں اس عمل مبارک سے چڑ اور نفرت ہے وہی اس قسم کی

سرکشانہ حیلہ سازیاں کیا کرتے ہیں۔ آپ کو اپنی یہ بات اس وقت کیوں یاد نہیں آتی؟ جب آپ کے مولوی صاحبان مساجد وغیرہ میں گھنٹوں گھنٹوں تقریریں کرتے ہیں۔ کیا اس وقت نمازیوں کی نماز میں یا قرآن تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل نہیں ہوتا؟ کیا اس وقت گلے والے رسول کا نام نہیں سنتے اور ساتھ میں گانا سننے میں مبتلا نہیں ہوتے؟ آپ بتائیں کیا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ہوتا ہے یا کچھ اور ہوتا ہے؟

جمعہ کی نماز کے بعد اور اذان سے پہلے "صلوۃ و سلام" پڑھنا

الاستفتاء:-

جمعہ کی نماز کے بعد جو سلام پڑھا جاتا ہے اور اذان سے پہلے جو سلام پڑھتے ہیں یہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کتابوں کا حوالہ دیجیے۔

الجواب:-

درود و سلام پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اس میں وقت کی قید ہے نہ کسی حالت کی تخصیص۔ لہٰذا جس وقت بھی مسلمان چاہے درود و سلام پڑھے اگر کسی خاص وقت میں قرآن و حدیث سے درود و سلام پڑھنے کی ممانعت ثابت ہو جائے تو اس خاص وقت میں ممنوع ہوگا۔ لہٰذا جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے جو سلام اور درود شریف پڑھتے ہیں یہ جائز ہے۔ حنفیہ کا یہ اصول ہے جو فتاویٰ میں لکھا ہے۔

عالمگیر کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر تفسیرات احمدیہ میں ایک فصل اس عنوان سے مقرر کی کہ "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" کہ "اصل میں ہر چیز مباح ہے" حرمت ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے جائز کام کرنے والے کو دلیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ خود حدیث پاک میں یہ اصول مقرر فرمایا:

الحلال ما احل اللّٰه فی کتابه والحرام ماحرم اللّٰه فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفی عنه

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی)

یعنی حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جن کاموں سے سکوت فرمایا یہ ان کاموں میں سے ہیں جن پر مواخذہ نہیں ہے یعنی مباح ہیں۔

لہٰذا جو لوگ جمعہ کے بعد اور اذان سے پہلے سلام اور درود شریف پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں ان سے دلیل کا مطالبہ کرنا چاہیے ہم سے مطالبہ کرنا غلط ہے۔

دعا میں " آیتِ درود و سلام " کا پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک حافظ صاحب تراویح کے اختتام پر دعا کے ساتھ قرآن کریم کی آیتِ درود و سلام بآواز بلند پڑھتے ہیں۔ دعا میں اس آیت قرآن کو پڑھنے، پڑھوانے کی اور روکنے والے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سائل: محمود حسین، ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

وہ مواقع جہاں درود شریف پڑھا جاتا ہے ان میں آیت درود و سلام کا پڑھنا درود شریف پڑھنے کی رغبت دلانے کے لیے مستحسن ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔

قیل لکنها حسنة لحث الآية على مايندب لكل احدمن اكثارالصلوٰة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم

(جلد اول، صفحہ: ٦٠٦، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ).

کما کیا آیت درود و سلام کا پڑھنا درود و سلام کی رغبت دلانے کے لیے مستحسن ہے۔ (کیونکہ) ہر مسلمان پر کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے۔

لہٰذا امام کا دعا میں " ان اللہ و ملٰئکتہ.....الی.....وسلموا تسلیما" کا پڑھنا مستحسن ہے۔

دعا کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب:-

حصن حصین میں ہے:

والصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم كذلك

(حصن حصین صفحہ: ٢٨، ناشر تاج کمپنی، کراچی)

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا (مستحب) ہے۔

فتاوی شامی نے لکھا:

و اول الدعاء و اوسطہ و آخرہ

(جلد اول، صفحہ: ۳۸۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور دعا کے شروع، درمیان اور آخر میں درود پڑھنا مستحب ہے۔

نماز فجر کے بعد جہر کے ساتھ "صلوۃ و سلام" پڑھنا

الاستفتاء:-

کیا فجر کی نماز کے بعد روزانہ یا کبھی کبھار درود و سلام پڑھنا جس سے بعد میں آنے والے نمازیوں کو تکلیف ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں درود و سلام پڑھنے میں اتنا جہر نہیں کرنا چاہیے کہ نمازیوں کو دشواری پیش آئے۔

کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا

الاستفتاء:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا طریقہ ہمارے ہاں جو مروج ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی ایسا ہوتا تھا؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین بھی ایسا کرتے تھے؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں متعدد مجلسوں میں مختلف شہروں میں تشریف فرما ہوسکتے ہیں؟

الجواب:-

درود و سلام کے پڑھنے کا حکم قرآن کریم میں مطلقاً آیا ہے اس میں کوئی قید نہیں ہے جس طرح چاہیں پڑھیں مسلمانوں کی اکثریت کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو اچھا سمجھتی ہے لہذا حدیث شریف کے بموجب:

فمارأى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن

(مسند الامام احمد ابن حنبل، ۳۷۹/۱)

یعنی جسے مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

لہٰذا یہ اچھا طریقہ ہے۔ کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھ کر درود وسلام نہیں پڑھتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مجلس میں تشریف لاتے ہیں یہ مسلمانوں پر افتراء ہے۔

" صلوٰۃ و سلام " میں قیام کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل بعض لوگ " درود و سلام مع القیام " کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور دلائل یہ دیتے ہیں کہ کیا آپ صحابہ کرام سے زیادہ عاشق رسول ہیں؟ جب کہ اس دور میں اسکا وجود نہ تھا اور نہ کسی تابعی یا تبع تابعی کے دور میں تھا۔

الجواب:-

اصولی طور پر یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جواز یا عدم جواز کے دلائل کیا ہیں؟ فقہ حنفی میں اصول لکھا ہوا ہے:

ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

(در مختار مع الشامی ، جلد اول ، صفحہ : ۷۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اشیا میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔

جن امور کی جب قرآن و حدیث سے مخالفت ثابت ہو گی وہ ناجائز و ممنوع ہوں گے ورنہ جائز۔ خود حدیثوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ جن چیزوں سے میں نے سکوت کیا ہے یعنی اس کا کچھ حکم نہیں بتایا وہ تمہارے لیے مباح ہیں۔ لہٰذا جو شخص درود و سلام کھڑے ہو کر پڑھنے ، میلاد و قیام ، فاتحہ ، عرس ، سوم و چالیسواں ، اور اہل سنت کے دیگر معمولات کو ناجائز و حرام کہتا ہے وہ دلیل بیان کرے کہ قرآن کریم کی کون سی آیت میں یا کون سی حدیث میں ان کی ممانعت آئی ہے اور اگر ناجائز ہونے کے لیے صرف اتنی دلیل کافی ہو کہ قرن اول میں یہ کام نہ تھا تو یہ بات کہنے والے پہلے دین و دنیا کے وہ تمام کام بند کر دیں جو قرن اول میں نہ تھے۔ مثلاً قرآن چھاپنا ، حدیث کی کتابوں کو جمع کرنا اور چھاپنا ، فقہ کی تدوین اور دینی مدارس قائم کرنا ، قرآن کریم میں اعراب لگانا ، رکوع و آیات کے نشانات لگانا ، ریلوں ، ہوائی جہازوں اور موجودہ دور کی سواریوں میں سفر کرنا ، موجودہ زمانے کے چٹ پٹے مصالحے دار کھانے کھانا ، عمارات بنانا ، مسجدوں کو آراستہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں ہے کہ یہ وجہ بتا کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ کام نہیں تھے اہل سنت کے معمولات کے پیچھے

پڑ جانا اور خود وہ تمام کام کرنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھے ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے ؟

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے کہ باآواز بلند کھڑے ہو کر بعد نماز صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو کب سے ؟ کیا خلفاء راشدین اور علماء دین نے اجتماعی کیفیت سے پڑھا ہے اور قرآن اس سلسلے میں کیا حکم دیتا ہے اور قرآن میں جو آیت درود و سلام ہے وہ دعائیہ ہے یا احکامی ؟ یہ مسئلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کیا جائے ۔ عین نوازش ہو گی ۔

سائل : محمد عبد الرحمن خان ، عزیز آباد ، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں درود و سلام پڑھنے کا مطلق حکم ہے ، اس میں نہ کوئی وقت کی قید ہے نہ کسی حالت کی ۔ اور قرآن کے مطلق حکم میں کسی کو کوئی قید لگانے کا حق نہیں ۔ لہٰذا مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر ، اجتماعی طور پر پڑھے یا تنہا ۔ اور احادیث میں جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے ۔

مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد ، نسائی ، ابن ماجہ اور بیہقی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بارے میں فرمایا:

> فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی

(مشکوٰۃ المصابیح ، باب الاذان ، الفصل الثانی)

یعنی جمعہ کے دن میرے اوپر درود میں کثرت کرو اس لیے کہ تمہارے درود میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں ۔

لہٰذا جو مسلمان قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہوئے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں یہ قرآن کے اطلاق پر عمل ہے ۔ جو اس کو منع کرتا ہے وہ یہ ثابت کرے کہ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کی ممانعت ہے ، یا سب کو مل کر پڑھنے کی ممانعت ہے ، اسے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل لا کر اپنا دعویٰ ثابت کرنا ہو گا اور وہ کوئی دلیل نہیں لا سکتا ۔

رہا یہ مطالبہ کہ خلفائے راشدین اور صحابہ نے یہ کام کیا ہے یا نہیں کیا ۔ یہ مطالبہ بھی غلط ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث کے مطلق حکم پر عمل کرنے کے لیے ہیئت مخصوصہ پر مطالبہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ صحابہ کرام نے آج کل جیسی مسجدوں میں کبھی نماز پڑھی ہے ؟ یا آج کل جیسے قالین اور دریوں یا موزائیک کیے گئے فرش پر صحابہ کرام نے نماز پڑھی ہے ؟ یا قرآن لکھا ہوا دیکھ کر صحابہ نے تلاوت کی ہے یا

نہیں ؟ وغیرہ وغیرہ۔

شرع مطہرہ کا اصول یہ ہے اور یہی اصول حدیث میں منصوص ہے کہ "اصل اشیاء میں مباح ہوتا ہے" جو ممانعت کا قول کرے اسے دلیل لانا ہوتی ہے جائز بتانے کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ لہذا منع کرنے والوں کو دلیل لانا ضروری ہے اور درود و سلام پڑھنے والوں کے لیے قرآن وحدیث کا مطلق حکم ہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کہنے کی حقیقت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" اور "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" یہ درود و سلام کب سے ہے اور کہاں سے ثابت ہے؟ کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ درود شریف تھا؟ واضح دلائل اور تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: ایک بندہ

الجواب:-

معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا:

التحیات للہ والصلوٰات والطیبات

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ

"تشہد" نماز میں پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ "السلام علیک ایھا النبی" اور "السلام علیک یا نبی اللہ" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمارے فتاوی در مختار، طحطاوی وغیرہ نے التحیات کی بحث میں یہ لکھا کہ یہاں اللہ کے کلام کو نقل کرنے کی نیت سے نہیں پڑھے گا بلکہ اپنی جانب سے انشاء سلام کی نیت کرے گا۔

(در مختار مع الشامی، جلد اول، صفحہ: ۳۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لہذا جب نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم ہے تو "یا نبی سلام علیک" پڑھنے کا حکم بھی ثابت ہو گیا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ:

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے قرآن میں ہمیں حکم دیا:

یاایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما (سورۃ (٣٣) الاحزاب، آیت: ٥٦)

اس میں سلام پڑھنے کا طریقہ ہمیں سکھادیا یعنی التحیات سکھا دی اب درود بھی سکھا دیجیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود ابراہیمی سکھا دیا۔

(بخاری جلد دوم، کتاب التفسیر، باب قوله ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین امنو صلو علیه وسلمو تسلیما)

تو اس سے معلوم ہوا قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے سلام کا طریقہ یہی ہے جو التحیات میں ہے۔

"درود رضویہ" کی حقیقت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس سلسلے میں کہ اعلیٰ حضرت سے منقول درود شریف یعنی "درود رضویہ" کا ذکر حدیث میں کہیں موجود ہے؟ اس کے متعلق تحقیق کے ساتھ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔ اس درود شریف کے پڑھنے پر جو ثواب بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں ایک ٹیچر کا یہ کہنا ہے کہ "یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس درود کے پڑھنے سے یہ ثواب ہوتا ہے؟ اس طرح کا ثواب بتلانا شرک ہے۔" شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرما کر راہنمائی فرمائیں۔

سائل: محمد ارشد رمضان، فاطمہ جناح کالونی، جمشید روڈ، کراچی

الجواب:-

درود شریف پڑھنے کا جو حکم قرآن کریم میں آیا ہے اس میں زمانہ، وقت، ہیئت اور الفاظ کی کوئی قید نہ لگائی اور کوئی صیغہ بھی اس کے لیے متعین نہ فرمایا۔ اس لیے مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، جس طرف کو منہ کر کے اور جن الفاظ سے چاہے درود پڑھے۔ جو لوگ صرف درود ابراہیمی کو درود کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں اس لیے کہ بخاری شریف و مسلم شریف اور حدیث پاک کی ہر کتاب میں ہزاروں جگہ محدثین نے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا تو کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ صرف درود ابراہیمی ہی درود ہے اور "صلی اللہ علیہ وسلم" درود نہیں؟ اسی طرح بہت سے بزرگان دین اور محدثین نے درود شریف کے مختلف صیغوں کی کتابیں لکھیں ہیں۔ "دلائل الخیرات" پڑھنا تمام بزرگان دین کا ہمیشہ معمول رہا ہے اس میں مختلف الفاظ کے ساتھ درود کے صیغے لکھے ہیں۔ لہٰذا سوال میں مذکور درود پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" میں صیغہ خطاب پر اعتراض ہے یا صرف "ندا" پر تو یہ بھی لغو ہے۔ مسلم شریف میں واقعہ ہجرت میں روایت کیا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ شریف میں پہنچے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے وہ پکار رہے تھے:

یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ

(مسلم شریف ؛ جلد دوم ، صفحہ : ۴۱۹ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

مشہور محدث تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام " میں تحریر فرماتے ہیں:

والمقصود من هذه الاحاديث بيان هذا النوع من السلام على النبى صلى الله عليه وسلم بلفظ خطاب والغيبة جميعاً ولا فرق فى ذلك بين الغائب عنه والحاضر عنده صلى الله عليه وسلم

(صفحات : ۴۳ و ۴۴ ، المكتبة النوريه رضويه ، فيصل آباد)

ان احادیث کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ نبی کریم پر لفظ خطاب اور غیبت دونوں طرح سے سلام جائز ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ سلام بھیجنے والا حضور سے غائب ہو یا وہاں حاضر ہو کر سلام بھیجے۔

شفاء شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا:

وعن علقمة اذا دخلت المسجد اقول السلام عليك ايها النبى رحمة الله و بركاته صلى الله و ملئكته على محمد

(حصہ دوم ، صفحہ : ۵۳ ، مطبوعہ : عبدالتواب اکیڈمی ، بیرون بوہڑ گیٹ ، ملتان)

اور حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں " سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں " اللہ اور اس کے فرشتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔

درود کے فوائد و فضائل سے حدیث وفقہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں مشکوٰۃ شریف میں نسائی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

من صلى على صلوٰة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات و حطت عنه عشر خطيئات و رفعت له عشر درجات

(صفحہ : ۸٦ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میرے اوپر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ مٹا دے گا اور اس کے دس درجات بلند کر دیئے جائیں گے۔

اور شفا میں اس روایت میں ایک لفظ زیادہ ہے اس کی دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور مشکوٰۃ میں ترمذی کے حوالے سے روایت کیا گیا:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اولى للناس بى يوم القيامة اكثرهم على صلوٰة

(صفحہ : ۸٦ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔

اور ترمذی اور شفاء وغیرہ میں ایک طویل حدیث ابی ابن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں تو میں اپنے وظائف میں کتنا حصہ درود کے لیے مختص کردوں ؟ فرمایا کہ جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھائی حصہ فرمایا کہ جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو اچھا ہے تمہارے لیے میں نے عرض کیا کہ نصف حصہ فرمایا جتنا چاہو کرو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے اچھا ہے میں نے عرض کیا کہ دو تہائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لیے اچھا ہے میں نے عرض کیا کہ کل وقت درود کے لیے ہی مختص کر دیتا ہوں تو فرمایا جب تم ایسا کروگے تو تمہارے اہم امور کی اللہ تعالی کفالت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

(بحوالہ مشکوٰۃ ، صفحہ : ۸٦ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

درمختار میں ایک حدیث روایت فرمائی :

عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی مرۃ واحدۃ فتقبلت منہ محا اللہ عنہ ذنوب ثمانین سنۃ

(بر حاشیہ شامی ، جلد : ۱ ، صفحہ : ۳۸۴ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی جس نے میرے اوپر ایک مرتبہ درود پڑھا اور اس کا وہ درود قبول ہوگیا تو اللہ تعالی اس کے اسی برس کے گناہوں کو مٹا دے گا ۔

اس میں درود قبول ہونے کی شرط تھی اس پر علامہ شامی نے طویل حدیث کے بعد لکھا کہ درود ہمیشہ قبول ہوتا ہے کبھی رد نہیں ہوتا ۔

ان روایات سے درود رضویہ کا جواز اور ثواب بھی معلوم ہوگیا اور یہ درود حقیقت میں تین درود ہیں :

۱) صلی اللہ علی النبی الامی والہ ، ۲) صلی اللہ علیہ وسلم ، ۳) صلوۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ ۔

لہٰذا اس مجموعہ کو دس سے ضرب دیجیے تو ان احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالی تیس رحمتیں نازل فرمائے گا ، تیس خطائیں معاف فرمائے گا ، تیس درجے بلند فرمائے گا اور تیس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

یاد رہے کہ اجر و ثواب دینے والا اللہ تعالی ہے اس کو بیان فرمانے والے اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اس میں شک کرنے والا محروم و خائب و خاسر ہے اور جس نے اس کو شرک بتایا وہ شرک کے معنی بھی نہیں جانتا

الاستفتاء:-

علمائے دین اس مسئلہ پر کیا فرماتے ہیں کہ:

درود شریف " صلی اللہ علی النبی الامی و الہٖ، صلی اللہ علیہ وسلم، صلوٰۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ " حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور درود ابراہیمی کے علاوہ دیگر درود شریف ثابت ہیں یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائلین: مصلیان جامع مسجد طیبہ، پی سی ایچ ایس سوسائٹی

الجواب:-

جو لوگ صرف درود ابراہیمی کو درود کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں اس لیے کہ بخاری و مسلم شریف اور حدیث پاک کی ہر کتاب میں ہزاروں جگہ محدثین نے " عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " لکھا تو کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ صرف درود ابراہیمی ہی درود ہے اور " صلی اللہ علیہ وسلم " درود نہیں۔ اس لیے بہت سے بزرگان دین اور محدثین نے درود شریف کے مختلف صیغوں کی کتابیں لکھیں۔ دلائل الخیرات پڑھنا تمام بزرگان دین کا ہمیشہ معمول رہا اس میں مختلف الفاظ کے ساتھ درود لکھے ہیں۔ خود دیوبندی حضرات کی کتابوں میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آتا ہے تو " صلی اللہ علیہ وسلم " لکھتے ہیں کسی جگہ درود ابراہیمی نہیں لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود کے مختلف صیغوں میں سے کوئی صیغہ لکھ دیا جائے تو قرآن مجید کے حکم پر عمل ہو جائے گا۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں:

ایک طغری مدنی مسجد کمرشل ایریا لیاقت آباد میں لگا ہوا تھا۔ اس طغری میں درود پاک اور سلام لکھا ہے:

صلی اللہ علی النبی الامی والہٖ و اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلاماً علیک یا سیدی یا رسول اللہ

اس کے علاوہ درود و سلام کے نیچے اردو میں یہ عبارت لکھی ہے کہ جو شخص بالخصوص اس درود شریف کو نماز جمعہ کے بعد ١٠٠ مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے پڑھے گا اسے بے شمار فضائل حاصل ہوں گے۔ ایک شخص نے اس طغری کو اتار دیا اور کہا یہ درود و سلام صحیح نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت کیا جائے اور اردو کی عبارت میں کہ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے پڑھنا یہ حدیث میں نہیں ہے، اس لیے یہ غلط ہے۔ اس طغری کو

اتارنے پر لوگوں میں بڑا غصہ پھیلا ہوا ہے ۔

لہذا درود و سلام اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے پڑھنے کے متعلق حدیث مبارکہ سے مسئلہ کا حل صادر فرمائیں ۔

سائل : محمد حسین ، امام مسجد مدنی ، لیاقت آباد ، کراچی

الجواب :-

درود شریف پڑھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا اور اس میں زمانے ، وقت ، ہیئت اور الفاظ کی کوئی قید نہیں لگائی اور کوئی صیغہ بھی اس کے لیے متعین نہ فرمایا اس لیے مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ، بیٹھ کر ، جس طرف کو منہ کر کے اور جن الفاظ سے چاہے درود پڑھے ۔ جو لوگ صرف درود ابراہیمی کو درود کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں ۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم اور حدیث کی ہر کتاب میں ہزاروں جگہ محدثین نے " عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " لکھا تو کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ صرف درود ابراہیمی ہی درود ہے اور " صلی اللہ علیہ وسلم " درود نہیں ۔ اس لیے بہت سے بزرگان دین اور محدثین نے درود شریف کے مختلف صیغوں کی کتابیں لکھیں ۔ دلائل الخیرات پڑھنا تمام بزرگان دین کا ہمیشہ معمول رہا ہے اس میں مختلف الفاظ کے ساتھ درود کے صیغے لکھے ہیں ۔ لہذا سوال میں مذکور درود پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے اگر " الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ " میں صیغہ خطاب پر اعتراض ہے یا حرف نداء پر تو یہ بھی لغو ہے ۔ مسلم شریف میں واقعہ ہجرت میں روایت ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں پہنچے تو مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور پکار رہے تھے " ینادون یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ "

(مسلم شریف ، جلد دوم ، صفحہ : ۴۱۹ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

اور مشہور محدث حضرت تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام " میں تحریر فرماتے ہیں :

والمقصود من هذه الاحاديث بيان هذا النوع من السلام على النبى صلى الله عليه وسلم بلفظ خطاب والغيبة جميعاً ولا فرق فى ذلك بين الغائب عنه والحاضر عنده صلى الله عليه وسلم

(صفحات : ۴۳ ، ۴۴ ، المکتبۃ النوریہ رضویہ ، فیصل آباد)

ان احادیث کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ نبی کریم پر لفظ خطاب اور غیبت دونوں طرح سے سلام جائز ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ سلام بھیجنے والا حضور سے غائب ہو یا وہاں حاضر ہو کر سلام بھیجے ۔

لہذا اس درود شریف کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ۔ جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنے کا حکم حدیث میں ہے ۔ ابو داؤد ، ابن ماجہ ، نسائی نے یہ حدیث روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فاكثروا على من الصلوٰة فيه

(سنن ابن ماجه ، فرض الجمعة ، باب فى فضل الجمعة)

یعنی جمعہ کے دن میرے اوپر کثرت سے درود پڑھا کرو

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " الوظیفۃ الکریمہ " میں اس درود شریف کے متعلق اس طرح پڑھنے کو لکھا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ اس کے چالیس فائدے ہیں جو صحیح اور معتبر حدیثوں سے ثابت ہیں۔ جس شخص نے ظفری اتارا ہے اس نے غلط کیا اسے توبہ کرنا چاہیے۔

درود تاج کے منکر کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ زید نے بکر سے کہا کہ آپ جو درود پڑھتے ہیں وہ مجھے سنائیں۔ بکر نے درود تاج کو پڑھنا شروع کیا جب پڑھتے پڑھتے وہ "صاحب التاج والمعراج" تک پہنچے تو زید نے کہا کہ میں ان الفاظ کو کینسل اور ریجیکٹ کرتا ہوں۔ لہٰذا آپ سے معلوم کرنا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائلین: محمد سلیم، محمد فیصل، محمد بشیر، عبدالحمید، نذیر احمد

الجواب:-

درود تاج کے یہ الفاظ " صاحب التاج والمعراج " قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ قرآن کریم میں معراج کے واقعہ کو صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ تمام کتابوں میں متعدد سندوں سے واقعہ معراج کی تفصیل منقول ہے اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معراج کا انکار کرنا کفر ہے، اس لیے کہ یہ قرآن و حدیث کا انکار ہے۔ اسی طرح " صاحب التاج " کا مفہوم "سیادت و سرفرازی" ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ کتب حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا سيد ولد ادم يوم القيمة ولافخر

(ترمذی شریف، حصہ دوم، ابواب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں یہ بھی فخر کی بات نہیں ہے۔

اس لیے جس شخص نے ان کلمات پر یہ کہا کہ میں انہیں رد کرتا ہوں ، اس نے قرآن کا انکار کیا ہے اور اس پر فرض ہے کہ بالاعلان سب کے سامنے توبہ کرے ، نئے سرے سے ایمان لائے اور اگر شادی شدہ ہے تو نکاح بھی پھر سے کرے ۔ جب تک وہ ایسا نہ کرے تمام اہل محلہ پر لازم ہے کہ وہ اس سے تعلقات منقطع رکھیں اس سے ملنا جلنا ، سلام و کلام کرنا بند کردیں مرجائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں ۔

غیر نبی پر سلام بھیجنے کا حکم

الاستفتاء :-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب !
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام گزارش ہے کہ ہم آپ سے ایک مسئلے کے بارے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس بارے میں علمائے دین کیا کہتے ہیں ؟ مسئلہ یہ ہے کہ بعض جگہ جمعہ میں اور فجر کی نماز کے بعد لوگ سلام پڑھتے ہیں ۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا تعلق ہے اس پر تو کسی سنّی کو اعتراض نہیں لیکن بعض لوگ اس کے ساتھ یہ اشعار بھی پڑھتے ہیں ۔

مرشدی شاہ احمد رضا خاں رضا
فیضیاب کمالات حساں رضا
جن کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ
وقت آیا تو جنت کا رستہ لیا
ایسے پیر طریقت پہ لاکھوں سلام

کیا غیر نبی پر سلام بھیجنا جائز ہے ؟ جبکہ اعتراض کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ سلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ شاہ احمد رضا پر پڑھا جاتا ہے ۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے درود و سلام میں شریک ہونا کم کردیا ہے ۔ امید ہے کہ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ کو حل فرماکر ممنون فرمائیں گے ۔

سائل : آل رسول ، اطہر علی خاں

الجواب :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے بعد تبعاً دوسرے لوگوں پر بھی درود پڑھنا جائز ہے ۔ نماز میں جو درود پڑھتے ہیں اس میں

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید ۔

اے اللہ رحمت نازل فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جیسے تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور ال ابراہیم (علیہ السلام) پر بیشک تو تعریف کیا گیا، بزرگی والا ہے ۔

اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولاد پر درود پڑھا گیا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا تذکرہ سلام میں کیا گیا اس کے بعد سلام لکھنے والے کا تذکرہ سلام پڑھنے والے کرتے ہیں لہٰذا اس میں حرج نہیں ہے ۔

کسی حنفی المسلک کا "تثویب" سے انکار

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد جو اہلسنت و جماعت کی ہے ۔ اس میں ایک شخص جو کہ فقہ حنفی سے تعلق رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اذان سے پہلے اور اذان و اقامت کے درمیان "صلوٰۃ و سلام" (بطور تثویب) پڑھنا منع ہے ۔ آپ سے مودبانہ عرض ہے کہ اس مسئلہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ۔

سائل: سمیع الدین

الجواب:-

صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیا ہے ارشاد فرمایا:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماً

(سورۃ(۳۳) الاحزاب، آیت: ۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو ۔

اس میں کوئی وقت کی قید ہے نہ کسی حالت و کیفیت کی پابندی ۔ یہ حکم مطلق ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب، جس وقت اور جس طرح چاہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھ سکتے ہیں ۔

اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے تو درود و سلام پڑھنے کو فقہا نے "تثویب" لکھا ہے اور تثویب کے معنی یہ بیان کیے ہیں ۔ ہدایہ میں ہے:

العود الی الاعلام وھو علی حسب ما تعارفوہ

یعنی اعلان کے بعد دوبارہ اعلان کرنا اور یہ حسب عرف ہے ۔

ہمارے یہاں کا عرف درود و سلام پڑھنا ہے متاخرین فقہا نے تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ آگے لکھتے ہیں:

والمتاخرون استحسنوہ فی الصلوات کلہا لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ

(ہدایہ اولین، باب الاذان، صفحہ: ٨٩، مکتبہ شرکۃ علمیۃ، ملتان)

یعنی متاخرین فقہا نے (تثویب کو) تمام نمازوں میں مستحسن قرار دیا لوگوں کے امور دین میں سستی کی وجہ سے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کا اذان سے پہلے یا بعد درود و سلام کے پڑھنے سے متعلق یہ کہنا کہ یہ منع ہے، غلط ہے اور فسادنیت پر مبنی ہے۔

" صلوٰۃ و سلام " کو بدعت کہنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ جمعہ کی نماز کے بعد یا کسی اور موقع پر درود و سلام پڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ ان امور کو بدعت کہنے یا انکار کرنے والے کو کیا حکم لگایا جائے گا؟

سائلین: مصلیان جامع مسجد طیبہ، سوسائٹی

الجواب:-

قرآن کریم میں درود و سلام پڑھنے کا مطلق حکم آیا ہے اس میں وقت کی قید ہے نہ کسی حالت کی۔ اور قرآن مجید کے مطلق حکم میں کسی کو کوئی قید لگانے کا حق نہیں۔ لہٰذا مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر، اجتماعی طور پر پڑھے یا تنہا۔ اور حدیثوں میں جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ مشکوٰۃ میں ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بارے میں فرمایا:

فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الجمعۃ، فصل الثانی)

یعنی جمعہ کے دن میرے اوپر درود میں کثرت کرو اس لیے کہ تمہارا درود میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے۔
لہٰذا مسلمان قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہوئے کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں یہ قرآن کے اطلاق پر عمل ہے۔ جو اس سے منع کرتا ہے اسے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل لاکر اپنا یہ دعویٰ ثابت کرنا ہوگا کہ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کی ممانعت ہے یا سب کو مل کر پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

درود شریف کو لعنت کہنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ مسجد میں نماز مغرب کے بعد درود شریف پڑھا جا رہا تھا کہ زید نے نمازیوں کے سامنے کہا کہ یہ لعنت کب ختم ہو گی ، اس پر ہمیں بڑی عار ہوئی اور زید سے تلخ کلامی میں تصادم ہو گیا۔ شریعت کی رو سے جواب عنایت ہو کہ زید مسلمان رہا یا نہیں ؟

سائل : بابر قریشی ، سیکٹر G - 5 نیو کراچی

الجواب:-

درود و سلام پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اور حدیث میں درود کو رحمت خداوندی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے فرمایا :

من صلی علی مرۃ صلی اللّٰہ علیہ عشرا

(ترمذی ، جلد اول ، ابواب الوتر ، باب صفۃ الصلوٰۃ علی النبی)

یعنی جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود یعنی رحمت فرمائے گا۔

لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کر دینا۔ لہٰذا جس شخص نے درود و سلام پڑھنے کو لعنت سے تعبیر کیا۔ اس نے امر الٰہی کی توہین کی اور حدیث کی تکذیب کی لہٰذا وہ کافر ہے۔ اسے بالاعلان توبہ کرنا فرض ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔ اور جب تک وہ ایسے نہ کرے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے ملنا جلنا ، سلام و کلام کرنا ، اس کے ساتھ اٹھنا ، بیٹھنا سب بند کر دیں۔

داڑھی

داڑھی کا شرعی حکم

الاستفتاء:-

داڑھی رکھنا سنت ہے یا فرض ؟ اور اگر داڑھی نہ رکھی جائے تو کیا گناہ ہو گا ؟

الجواب:-

داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک "قبضہ" یعنی ایک مشت ہے۔ در مختار میں ہے:

والسنة فيها القبضة

(جلد : ۵، صفحہ : ۲۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی داڑھی کے معاملے میں ایک مشت کی مقدار سنت ہے۔

داڑھی نہ رکھنا یا حدِ شرعی سے کم رکھنا فسق ہے، جو گناہ کبیرہ ہے جبکہ اس عمل پر اصرار کیا جائے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں:

(۱) داڑھی رکھنا سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ؟

(۲) داڑھی منڈوانے اور کٹوانے والے کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے ؟

برائے مہربانی ان مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

(۱) داڑھی، ایک مٹھی کے برابر رکھنا، سنت موکدہ قریب من الواجب اور محققین کے نزدیک واجب ہے۔

(۲) داڑھی منڈوانے یا کٹوا کر ایک مٹھی سے کم کرنے والے فاسق ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی کی مقدار

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ شریعت مطہرہ میں داڑھی کی کوئی مقدار مقرر ہے یا نہیں؟ اگر مقدار مقرر ہے تو کتنی ہے؟ اس مقدار مقررہ سے کم داڑھی والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے۔ تو کیا حرام ہے، مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نیز کیا ایسے امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازیں واجب الاعادہ ہیں؟ اگرچہ کئی سالوں کی نمازیں کیوں نہ ہوں۔ معتبر کتب کے زیادہ سے زیادہ حوالے دے کر مشکور فرمائیں۔

سائل: حافظ فیض محمد، جام پور، کوٹ مغلاں

الجواب:-

تقریباً ستّر احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم آیا ہے۔ اس لیے داڑھی رکھنا سنت موکدہ قریب من الواجب اور محققین کے نزدیک واجب ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل رہا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل نقل کیا گیا ہے کہ:

وہ داڑھی مٹھی میں پکڑ کر جو اس سے بڑھی ہوتی تھی اسے کاٹ دیتے تھے۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)

ان کے اس فعل سے یہ معلوم ہوا کہ داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے۔

در مختار میں ہے:

والسنة فیها القبضة

(جلد: ۵ صفحہ: ۲۸۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی داڑھی میں ایک مشت کی مقدار سنت ہے۔

لہٰذا داڑھی منڈوانے والا ، کٹوانے والا اور کاٹ کر حد شرع سے کم کرنے والا فاسق ہے۔ اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ در مختار میں ہے:

و یکرہ امامۃ فاسق

(ملخصاً ، جلد اول ، صفحہ : ٤١٤ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

اور ایسے شخص کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ فتاویٰ شامی ، در مختار میں ہے:

کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا

(جلد اول ، صفحہ : ٣٣٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی ہر وہ نماز جو کراہت تحریمہ کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا واجب ہے۔

فاسق کو امام بنانا بھی گناہ ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ و قد وجب علیھم اھانتہ شرعاً

(جلد : ١ ، صفحہ : ١٣٤)

یعنی فاسق کو منصب امامت پر کھڑا کرنا ، اس کی تعظیم ہے۔ درآنحالیکہ اس کی اہانت شرعاً واجب ہے۔

اور "حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار" میں ہے:

فی تقدیمہ تعظیمہ و قد وجب علیھم اھانتہ شرعاً

(جلد اول ، صفحہ : ٢٤٣ ، مطبوعہ : المکتبۃ العربیۃ ، کوئٹہ)

یعنی فاسق کو امام بنانا اس کی تعظیم ہے ، جبکہ شرعاً اس کی اہانت ضروری ہے۔

لہٰذا جتنی نمازیں فاسق کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے اگرچہ کئی سالوں کی ہوں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی کی حدود

الاستفتاء:-

داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں تک ہے؟

الجواب:-

رخسار اور گلے کے درمیان ، نیچے کے جبڑے پر ، جو بال ہیں وہ داڑھی ہے۔

داڑھی کی حدود اور خط بنانے کی اجازت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ:

داڑھی ایک مشت سے زیادہ، ٹھوڑی کے نیچے اور دائیں بائیں سے کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ داڑھی کا خط بنانے کا کیا طریقہ ہے؟

سائل: عبدالرؤف قادری، اصغر پریس

الجواب:-

ٹھوڑی کے نیچے اور اس کی اطراف میں ایک مشت داڑھی رکھنے کا حکم ہے۔ مشت سے زیادہ ہو تو کاٹ سکتے ہیں۔ البتہ رخساروں کے بال اور حلق کے نیچے گلے کے بال منڈوا سکتا ہے، جسے خط بنانا کہتے ہیں۔ "بچی" (وہ بال جو نیچے کے ہونٹ اور ٹھوری کے بیچ میں ہوتے ہیں) اور اس کے طرفین کے بال منڈوانا مکروہ ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ داڑھی کی کم از کم شرعی لمبائی کس حد تک ہے۔ یہ بات جو عوام میں مشہور ہے کہ کم از کم ایک مٹھی رکھنی چاہیے، کیا یہ درست ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ گلے اور رخساروں کے بال صاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: قاری محمد امین، ملیر، کراچی

الجواب:-

شریعت میں داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو کاٹ دینی چاہیے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

(والسنة فيها القبضة) وهو ان يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه كذا ذكره محمد في كتاب الاثار عن الامام قال و به نا خذ

(صفحہ: ۲۸۸، جلد پنجم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی داڑھی کے بارے میں سنت ایک مٹھی ہے اور وہ یوں ہے کہ آدمی مٹھی میں داڑھی پکڑے اور جتنی زیادہ ہے اسے کاٹ دے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور فرمایا کہ ہمارا مسلک یہی ہے۔

علامہ شامی نے طبرانی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کی مرفوع حدیث روایت کی ہے:

من سعادة المرء خفة لحيته واشتهر ان طول اللحية دليل على خفة العقل

(صفحہ: ۲۸۸، جلد پنجم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

آدمی کی سعادت داڑھی ہلکا کرنے میں ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ داڑھی کا زیادہ لمبا کرنا بے وقوفی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کا یہ فعل منقول ہے کہ:

وہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر نیچے سے کاٹ دیا کرتے تھے۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)

اور رخساروں کے بال بھی صاف کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جبڑے کی ہڈی کے نیچے سے گلے کے بال صاف کردینے میں کوئی حرج نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی کی بچی کے طرفین کے بال مونڈنے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی و معظمی جناب مفتی محمد وقارالدین صاحب!

السلام علیکم

مزاج گرامی! بعد سلام سنت خیرالانام عرض ہے کہ:

ماشاء اللہ بعض اشخاص ریش مبارک رکھتے ہیں اور نچلے لب کے دونوں کناروں پر تھوڑے تھوڑے بال ترشواتے ہیں۔ اس طرح یہ بال ترشوانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

برائے کرم جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں! اس سے بہت سوں کا بھلا ہوگا۔

سائل: سید انور علی

الجواب:-

نیچے کے ہونٹ کے بیچ میں جو بال ہوتے ہیں ان کو باقی رکھ کر بعض لوگ اس کے دونوں جانب سے تھوڑی تھوڑی جگہ منڈوا کر یا بال کاٹ کر اسے صاف کر دیتے ہیں، یہ بدعت سیہ اور خلاف سنت ہے۔ شامی میں ہے:

نتف الفنيكين بدعة و هما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلى

(صفحہ: ۲۸۸، جلد پنجم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

باچھوں (ہونٹوں کے ملنے کی جگہ) کے زیریں بالوں کو اکھیڑنا بدعت ہے اور وہ داڑھی کی "بچی" کی طرفین اور نیچے کے ہونٹ کی بال ہیں۔

داڑھی کے بارے میں حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا داڑھی منڈوانا گناہ صغیرہ میں شامل ہے یا گناہ کبیرہ میں؟ اگر گناہ کبیرہ میں شامل ہے تو عوام الناس کی اکثریت اس گناہ میں مبتلا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل: مولوی سید امیر حسین شاہ شیرازی، بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

داڑھی کا منڈوانا گناہ صغیرہ ہے۔ لیکن صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور اصرار کا مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کو تین بار بلا توبہ کیا جائے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

لو ارتکب کبیرة تسقط عدالته و فی الصغائر العبرة للغلبة لتصیر کبیرة

(جلد چہارم، صفحہ: ۴۱۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر کبیرہ (گناہ) کا مرتکب ہوا تو اسکی عدالت ساقط ہو جائے گی اور صغیرہ (گناہوں) پر اصرار سے وہ بھی کبیرہ گناہ شمار ہوتے ہیں۔

جو لوگ داڑھی منڈوانے پر مصر ہیں وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور وہ فاسق ہیں۔ لہٰذا انہیں اس فعل سے توبہ کرنا چاہیے۔

داڑھی کا ایک مشت سے کم ہونا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ داڑھی کتنی مقدار تک رکھنی چاہیے اور اس کا رکھنا سنت ہے یا واجب؟ نیز کیا داڑھی کا منڈوانا حرام ہے؟ برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

سائل: محمد شعیب، متعلم دار العلوم امجدیہ

الجواب:-

تقریباً ستر احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم آیا ہے اس لیے داڑھی رکھنا سنت موکدہ قریب از واجب ہے جبکہ محققین کے نزدیک واجب ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء سابقین نے خود داڑھی رکھی اور داڑھی رکھنے کا حکم بھی دیا۔ اسکے علاوہ تمام صحابہ کرام، بزرگان دین، علمائے کرام اور تمام نیک مسلمانوں کا عمل یہی رہا ہے کہ وہ داڑھی کٹانے اور منڈوانے کو گناہ سمجھتے رہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل نقل کیا گیا ہے کہ:

وہ داڑھی مٹھی میں پکڑ کر جو اس سے بڑھی ہوئی ہوتی تھی اسے کاٹ دیتے تھے۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)

انہی کے فعل سے یہ معلوم ہوا کہ داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے۔ لہذا داڑھی منڈوانے والا یا کاٹ کر ایک مشت سے چھوٹی کرنے والا فاسق ہے اور جن لوگوں کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب ہے ان کے نزدیک منڈوانا حرام ہے۔ اور جن لوگوں کے نزدیک سنت موکدہ ہے ان کے نزدیک بھی گناہ ہے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق حدیث شریف میں کہا گیا ہے:

من رغب عن سنتی فلیس منی

(بخاری، جلد دوم، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

میری سنت سے اعراض کرنے والوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی منڈوانے یا کتروانے والوں کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص، داڑھی منڈواتا ہے یا حد شرعی سے کم رکھتا ہے یعنی کٹواتا ہے اور وہ موذنی و امامت وغیرہ بھی کرتا ہے۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ داڑھی سنت کے مطابق رکھنی چاہیے تو کہتا ہے کہ اسلام داڑھی میں رکھا ہوا نہیں ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ سنت کوئی ضروری نہیں ہے، سنت کو چھوڑنے سے گناہ نہیں ہوتا۔ اس کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟ ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

ویکرہ اذان امراۃ و خنثی و فاسق و لو عالماً

(جلد اول، صفحہ: ۲۸۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی عورت، خنثیٰ اور فاسق کی اذان مکروہ ہے اگرچہ وہ عالم ہوں۔

جس طرح فاسق کی اذان مکروہ ہے اسی طرح اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔

اس شخص کا یہ کہنا کہ اسلام داڑھی میں رکھا ہوا نہیں ہے، انتہائی جہالت ہے۔ اس طرح تو اسلام فرائض میں بھی رکھا ہوا نہیں۔ مثلاً کوئی مسلمان نماز پڑھنا چھوڑ دے تو نماز چھوڑ دینے سے کافر نہیں ہو جاتا۔ اسلام میں تو داڑھی اور اس کے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ داڑھی کے واجب ہونے کی صورت میں اسکا رکھنا لازم ہے کیونکہ ترک واجب پر "عذاب بالنار" ہے۔ اور اگر سنت ہے تو اس کے ترک کی وعیدیں بھی بہت سخت ہیں۔ حدیث میں فرمایا:

من رغب عن سنتی فلیس منی

(بخاری، جلد دوم، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

جو میری سنت سے اعراض کرے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

حنفیہ کی اصول میں مایہ ناز کتاب "التوضیح التلویح" میں لکھا ہے کہ

ترک سنت پر جو عتاب ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی ہے۔

لہٰذا سنت کے ترک کرنے والے سوچیں کہ میدان حشر میں اگر شفاعت سے محرومی ہوئی تو ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پورا مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اس طرح کی بیہودہ باتیں کرنے والوں کے شر سے بچائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ:

جو شخص داڑھی منڈواتا ہے یا ایک مشت سے کم رکھتا ہے وہ فرض نمازوں، تراویح یا وتر کی نماز کی امامت کرا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ ایسے شخص کی اذان و اقامت کا کیا حکم ہے؟ یہاں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اذان، اقامت، یا امامت کے کام سرانجام دینے میں کوئی عذر یا مجبوری نہیں ہے۔ بلکہ داڑھی منڈوانے والے یا ایک مشت سے کم رکھنے والے یہ کام شوقیہ اور کار ثواب سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنے میں کوئی گناہ کا پہلو ہے؟ اگر گناہ کا پہلو ہے تو ایسے گناہ کے نہ روکنے پر مسجد سے متعلق کون کون لوگ گناہ گار ہو سکتے ہیں اور کیا

ایسا اذان دینے والا بھی گناہ گاروں میں شامل ہو گا ؟
برائے کرام قرآن و سنت کی روشنی میں احکامات سے جلد مطلع فرمائیں۔

سائل : عبدالغفور خاں

الجواب :-

داڑھی منڈوانا یا حد شرعی سے کم کرنا فسق ہے ۔ اور ایسے شخص کی اقتداء میں پڑھی جانے والے نماز مکروہ تحریمی واجب اللاعادہ ہے ۔ فرض اور تراویح وغیرہ تمام نمازوں کا یہی حکم ہے ۔ اذان و اقامت کا بھی وہی حکم ہے جو امامت کا ہے ۔ درمختار میں " ویُکْرَہُ " لکھنے کے بعد جن جن کی امامت مکروہ ہے اس میں لکھا ہے : " وفاسق " ۔ علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے :

فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ۴۱۴ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی شرح منیہ میں ہے کہ فاسق کی امامت کی کراہت ، کراہت تحریمی ہے ۔
اور اس سے پہلے درمختار ہی میں لکھا ہے :

کل صلوة ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتها

(جلد اول ، صفحہ : ۳۳۷ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی گئی اس کا اعادہ واجب ہے ۔
اور فاسق کی اذان کے بارے میں درمختار میں ہے :

و فاسق

(ملخصاً ، جلد اول ، صفحہ : ۲۸۹ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی فاسق کی اذان مکروہ ہے ۔
ایسے شخص کا امامت کرنا اور اذان دینا گناہ ہے اور جو لوگ ایسے شخص کی اذان ، اقامت اور امامت پر راضی ہیں وہ بھی گناہ گار ہیں ۔

داڑھی رکھوانے میں والدین کی ذمہ داری

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ مسائل میں :
(۱) داڑھی کا منڈوانا یا ایک بالشت سے کم رکھنا گناہ کبیرہ ہے یا نہیں ؟

(۲) جو آدمی داڑھی منڈوانے کو گناہ کبیرہ یا حرام نہ سمجھے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) اگر والدین، اولاد کو داڑھی منڈوانے سے نہ روکیں تو آیا وہ گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟ جبکہ اولاد کا نان و نفقہ والدین کے ذمہ ہے۔

سائل: محمد اسلم، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

(۱) داڑھی ایک مشت رکھنا صحیح مذہب پر قریب من الواجب ہے اور اس واجب کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت اور شعائر اسلام میں سے ہے، اس کا ترک کرنا گناہ اور حد شرعی سے کم کروانا ممنوع و حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالفوا المشرکین و فروا اللحیٰ و احفو الشوارب

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی پوری رکھو اور مونچھیں کم کرو۔

اور بعض حدیثوں میں ہے کہ مونچھیں کم کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں جیسی شکل نہ بناؤ۔ شریعت میں داڑھی کی مقدار ایک مشت ہے۔

(۲) جو گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ گمراہ ہے۔

(۳) والدین پر لازم ہے کہ اپنے بیٹوں کو داڑھی منڈوانے سے منع کریں اور قرآن پاک کے حکم کے مطابق "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ادا کریں اور اپنی اولاد کو سختی سے سنت پر عمل کرنے کا حکم دیں۔

شادی کے لیے داڑھی منڈوانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

اس زمانہ میں مردوں کی کثیر تعداد داڑھی منڈواتی ہے۔ ایک شخص جس نے شروع سے ہی داڑھی رکھ لی تھی، جب اس کی شادی کا موقع آیا تو لڑکی والوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ آپ داڑھی منڈوا دیں، تو پھر ہم آپ کو رشتہ دیں گے، ورنہ نہیں۔ تو ایسی صورت میں لڑکا کیا کرے؟ آیا وہ داڑھی منڈوائے یا نہیں؟ اگر وہ

داڑھی نہیں منڈواتا تو وہ لوگ اس کو رشتہ نہیں دیتے۔ اگر منڈواتا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کس سمت کو ترجیح دے؟

آپ دلائل کی روشنی میں جواب تحریر فرمادیں۔

سائل: نور محمد، ٹنڈوالہ یار

الجواب:-

کسی کے کہنے پر یا شادی کے لیے داڑھی کا منڈوانا حرام ہے اور ایک مرتبہ رکھ لینے کے بعد کسی دنیاوی مقصد کے لیے داڑھی منڈوا دینا یا حد شرعی سے کم کردینا سخت حرام اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے کے مترادف ہے۔

محافل

محفل میلاد اور قیام میلاد

الاستفتاء:-

میلاد کی محفل کرنا کیسا ہے ؟ اور کیا میلاد میں قیام کرنا جائز ہے ؟

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و فضائل اور احکامات وغیرہ بیان کرنے کے لیے جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان مجالس کو میلاد کی محافل کہتے ہیں ۔ ایسی محافل کا انعقاد سینکڑوں برس سے مسلمانوں کا معمول ہے ۔ امام ترمذی نے ترمذی شریف حصہ دوم میں میلاد کے نام سے ایک باب مقرر کیا ہے ۔

باب ما جاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کا ذکر کرنے کا بیان ۔

ایسی مجالس کے اختتام پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا مسلمانوں کا معمول ہے ۔ علامہ سیوطی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اسے مستحب لکھا ہے اور دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ " ہفت مسئلہ " میں لکھا:

" مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا

ہوں اور قیام میں لذت و لطف پاتا ہوں۔ "

(صفحہ : ۱۲ ، مطبوعہ : مسلم کتابوی ، لاہور)

دیوبندی نہ محدثین کی بات مانتے ہیں نہ اپنے پیر کی۔

محفلِ نعت کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

محترم جناب مولانا مفتی محمد وقار الدین صاحب ، مدظلک !
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسئلہ یہ ہے کہ ہماری مسجد میں منبر کے پاس بعد نماز عشاء نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ کیا مسجد میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا جائز ہے؟ نیز نعت کے دوران لوگ نعرے لگاتے ہیں اور روپوں کا نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حل بتائیں۔ نوازش ہوگی۔

سائلین : مصلیان جامع مسجد فاروقی ، اورنگی ، کراچی

الجواب:-

مسجد میں نعت کی محفل منعقد کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں یہ روایت ہے ، ترمذی کے الفاظ یہ ہیں :

یضع لحسان منبراً فی المسجد

یعنی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھا جاتا تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام سنا کرتے تھے۔ اسی نعت خوانی کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا :

ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما یفاخر او ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ترمذی ، حصہ دوم ، ابواب الاستیذان والادب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، باب ما جاء فی انشاد الشعر)

بیشک اللہ تعالیٰ جبریل امین کے ذریعے حضرت حسان کی مدد فرماتا ہے جتنی دیر تک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کرتے رہتے ہیں یا آپ کی جانب سے مدافعت کرتے رہتے ہیں۔

نعت خوانوں کو کچھ ہدیہ پیش کرنا جائز ہے۔

گیارہویں اور عرس کی محافل کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

گیارہویں شریف کرنا اور عرس منانا قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کریں ؟

الجواب:-

اہل سنت کے نزدیک مسلمان اپنے ہر نیک کام کا ثواب دوسرے مسلمانوں کو بخش سکتا ہے۔ فتاوی شامی میں ہے :

وفی البحر من صام او صلی او تصدق و جعل ثوابه لغیره من الاموات* والاحیاء جاز و یصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة

(جلد اول ، صفحہ : ٦٦٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور بحرالرائق میں ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب دوسرے مسلمان مُردوں اور زندوں کو کرتا ہے تو جائز ہے اور اس کا ثواب اہل سنت وجماعت کے نزدیک ان (مُردوں وغیرہ) کو پہنچتا ہے۔

کسی بزرگ کے انتقال کی تاریخ کے دن ان کے مزار پر جمع ہو کر قرآن خوانی یا مجلس وعظ منعقد کرنا یا ایصال ثواب کے لیے لنگر تقسیم کرنا شریعت میں " عرس " کہلاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین نے فتاوی شامی میں حدیث نقل کی ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے مزارات پر "علی راس کل حول" یعنی ہر سال کے شروع میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ٦٦٥ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یہی عرس کی حقیقت ہے اور تمام دنیا کے سلف صالحین اور مسلمانوں کا صدیوں سے یہی معمول رہا ہے۔ گیارہویں شریف کا بھی یہی مقصد ہے۔ ایصالِ ثواب حدیثوں سے ثابت ہے۔ سوائے معتزلہ کے تمام امت کا اس پر اتفاق ہے لہٰذا قرآن و حدیث کی روشنی میں ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں الحمد للہ اولیاء کرام کے عرس مبارک منائے جاتے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ عرس اعلیٰ حضرت ، عرس مفتی اعظم ہند اور عرس

محدث اعظم پاکستان علیہم الرحمہ شامل ہیں۔ یہ عرس برادری کی سطح پر منعقد کیے جاتے ہیں، جن کا طریقہ انعقاد یوں ہے کہ برادری کے ہر گھر کا سربراہ حسب توفیق چندہ جمع کراتا ہے، اس کے بعد عرس منعقد کیا جاتا ہے، جس میں لنگر کا اہتمام بھی ہوتا ہے جو کہ صرف برادری والوں کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی لنگر عام نہیں ہوتا البتہ صرف چند حضرات باہر سے مدعو کیے جاتے ہیں۔ برادری کے بعض حضرات اس طرح عرس منانے کو پکنک سے تشبیہ دیتے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ آیا اس طرح عرس منانا کیسا ہے؟ اگر عرس صحیح ہے تو پکنک سے تشبیہ دینے والوں پر کیا حکم ہے؟

براہ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد یونس شاکر القادری

الجواب:-

عرس میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں انہیں اختیار ہے کہ وہ جن لوگوں کو چاہیں کھانا کھلائیں مگر بہتر یہ ہے کہ صرف برادری والوں کے لیے ہی مخصوص نہ کریں خاص طور پر غرباء و مساکین کو عرس و نیاز وغیرہ کے کھانے میں ضرور شریک کریں۔ جن لوگوں نے عرس کو پکنک کہا غالباً صرف برادری والوں کو مدعو کرنے کی وجہ سے کہا ہے پھر بھی انہیں عرس و نیاز وغیرہ کے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہیے۔

مخصوص مذہبی ایام پر چراغاں کرنا

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

ہمیں مندرجہ ذیل مسائل کا قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔

(۱) جیسا کہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف شب جو کہ ہمارے نزدیک اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً لیلۃ القدر (شب قدر)، شب برات، شب معراج وغیرہ پر مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ یہ چراغاں کرنے کا قرآن میں کوئی حکم ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث منسوب ہے؟

(۲) یہ رواج کہاں سے آیا ہے؟

(۳) اس کا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) اس کو کرنے سے کیا مسجد انتظامیہ کے افراد گناہ گار ہوتے ہیں یا نہیں؟

سائل: خالد رفیق، ملیر سٹی، کراچی

الجواب:-

کوئی مباح (جائز) کام جب بہ نیت ثواب کیا جائے تو مستحب ہو جاتا ہے اور سلف صالحین کے معمولات بھی مستحب کے درجہ میں آتے ہیں۔ درمختار میں مستحب کی تعریف یہ کی گئی ہے:

المستحب وهو ما فعله النبی صلی الله علیه وسلم مرة و ترکه اخری وما احبه السلف

(جلد اول، صفحہ: ۹۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی مستحب وہ کام ہے جو کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدھ مرتبہ کیا ہو اور چھوڑ دیا ہو اور پہلے کے صالحین نے جس کام کو پسند کیا وہ بھی مستحب ہے۔

اور عالمگیری میں مستحب کی تعریف یہ کی گئی ہے:

انما یتمسک بافعال اهل الدین

(جلد پنجم، صفحہ: ۳۵۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی بے شک صلحا کے اعمال سے دلیل لی جائے گی۔

ان مخصوص راتوں میں مسجد میں چراغاں کرنے کا عمل سلف صالحین کے زمانہ سے جاری ہے اور مسلمان اس نیت سے چراغاں کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظر مساجد پر پڑنے سے یہ شوق دلوں میں پیدا ہو کہ آج فضیلت والی رات ہے ہم بھی کچھ عبادت کر لیں تو لوگوں کو دعوت عبادت دینا اس چراغاں کا مقصود ہے۔ لہٰذا اس مقصد حسن سے یہ چراغاں جائز ہے۔ تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ان راتوں کے چراغاں کرنے پر لوگوں کو بدعت یاد آجاتی ہے مگر روزانہ شادی ہالوں میں جو بے تحاشہ روشنی کی جاتی ہے اور جس میں کوئی مقصد حسن نہیں بلکہ صرف ریاکاری اور خود نمائی مقصود ہے، وہاں جاکر یہ بدعت کا اعلان کیوں نہیں کیا جاتا۔ ان شادی ہالوں میں بہت سے شادی ہال ان لوگوں کی ملکیت میں ہیں جو ان برکت والی راتوں اور میلاد کے چراغاں کو بدعت کہتے ہیں اور خود اپنے ہالوں میں روزانہ لائٹ کر کے اس کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ البتہ مساجد کے چراغاں میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔

الاستفتاء:-

ربیع الاول کے مہینے میں مسجدوں، گھروں اور سڑکوں پر چراغاں کرنا اور جھنڈیاں لگانا کیسا ہے؟

نیز اس کے لیے چندہ کرنا اور اس کو ثواب جاننا کیسا ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ حوالہ جات کے ساتھ تحریر کریں۔

سائل: احمد رضا فاروقی

الجواب:-

ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں جو چراغاں کیا جاتا ہے حقیقتاً اس میں سنت اللہ کی پیروی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں کثرت سے یہ بات منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے

وقت ایسی روشنی ظاہر ہوئی تھی کہ مکہ معظمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو بصرہ کی عمارتیں نظر آگئیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال میں بھی بندوں کو عمل کی تلقین ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن میں بیان ہوا کہ "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔" جبکہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون

(سورۃ (۳۶) یٰس، آیت: ۸۲)

یعنی جب کسی چیز کو چاہے تو فرمائے ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تو اس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ زمین پر انسان کو رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ تعلیم دی کہ میں نے آہستہ آہستہ زمین و آسمان کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس پر رہنے والے انسان کو بھی اپنے کام آہستہ آہستہ اطمینان سے کرنے چاہئیں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ تو جس طرح یہاں حکم نہیں ہے بلکہ فعلِ باری تعالیٰ میں تعلیم ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا اور اتنی تیز روشنی ظاہر فرمائی کہ مکہ معظمہ سے ملکِ شام تک کی عمارتیں منور ہو گئیں۔ حورانِ بہشت حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کے لیے حاضر تھیں۔ ملائکہ زمین سے آسمان تک صف بستہ کھڑے ہوئے تھے۔ عالم برزخ سے حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہما کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت کے لیے بھیجا گیا تھا۔

اس میں یہ تعلیم تھی وہ خالق و مالک ہو کر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار کرنے کے لیے اہتمام فرماتا ہے تو بندے بھی ولادت باسعادت کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار کرنے کا اہتمام کریں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ صرف ربیع الاول کے مہینے میں چراغاں کرنے اور جھنڈیوں کے لگانے پر یہ لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ شادیوں اور دیگر تقریبات کے مواقع پر جو چراغاں ہوتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اس کے لیے چندہ کرنا بھی جائز ہے اور مسلمان اس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اور مسلمان جس کام کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ حدیث میں ہے:

فما رای المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن

(مسند الامام احمد ابن حنبل، ۱/۳۷۹، مکتبہ احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی جس کام کو مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

کیا حدیث میں یہ حکم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری امت وہ کام کرے جو خلفاء اربعہ نے کیا یا شریعت نے کوئی ایسا اصول مقرر کیا کہ مسلمان صرف وہ کام کریں جو چاروں آئمہ نے کیا ہو؟ اگر ایسا ہے تو سب سے پہلے ان لوگوں پر لازم ہے کہ یہ وہ کام نہ کریں جو ان حضرات نے نہیں کیے۔ مثلاً آج کل جو سواریاں ہیں ان پر سوار نہ ہوں، انواع و اقسام کے کھانے ہیں وہ نہ کھائیں، پکے مکانات میں نہ رہیں، احادیث اور فقہ کی تمام کتابیں نہ پڑھیں یہ تمام مدارس اور دیوبند کا مدرسہ جو بنا ہے یہ سب بدعت ہیں اسے بھی بند

کردیں۔ بلکہ چھپا ہوا قرآن بھی نہ پڑھیں اور اس پر اعراب بھی نہ لگائیں۔ یہ تمام چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں نہ تھیں۔ اور اس طرح ان لوگوں پر لازم ہے کہ کم از کم اپنی مساجد میں جو مینارے بنے ہوئے ہیں ان کو تڑوا دیں اور آئندہ اپنی مساجد میں مینارے تعمیر نہ کرائیں کیونکہ یہ بدعت ہیں۔

الاستفتاء:-

(۱) ربیع الاول کے مہینے میں سڑکوں پر چراغاں کیا جاتا ہے اس میں لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں۔ آیا یہ رقم اسراف میں شامل ہے یا اس سے مستثنیٰ ہے؟

(۲) کیا گیارہویں شریف اور محرم الحرام کے مہینے میں چندہ جمع کرنا ضروری ہے، اگر اکیلے فاتحہ کرے تو کیسا ہے؟

سائل: احمد رضا فاروقی

الجواب:-

اسراف کے معنی یہ ہیں کہ ناجائز کام میں رقم خرچ کی جائے یا ایسے کام میں رقم خرچ کی جائے جس کا مقصد صحیح نہ ہو مثلاً شراب، سنیما، گانا وغیرہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنا یا اپنے روپے کو دریا میں پھینک دینا یا نوٹوں کو جلا دینا وغیرہ، یہ صورتیں اسراف کی ہیں۔ نیکی میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے اس کا اصول یہ ہے:

لا خیر فی السرف ولا سرف فی الخیر

یعنی اسراف میں نیکی نہیں ہے اور نیکی میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ صرف ربیع الاول کے مہینے میں چراغاں کرنے اور جھنڈیوں کے لگانے پر یہ لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ شادیوں اور دیگر تقریبات کے مواقع پر جو چراغاں ہوتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اور اگر اسراف کے یہی معنی ہیں کہ مطلقاً ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے تو یہ مکان بنانا سب اسراف ہوگا اس لیے کہ ایک جھگی میں بھی رہا جاسکتا ہے، اچھے اور قیمتی کپڑے بنوانا بھی اسراف ہوتا اس لیے کہ ٹاٹ، کھدر وغیرہ سے بھی ستر پوشی ہو سکتی ہے، اچھے کھانوں پر خرچ کرنا بھی اسراف ہوگا موٹے آٹے کی روٹی کو چٹنی یا سرکہ کے ساتھ کھانے سے بھی پیٹ بھر سکتا ہے۔ ان سب باتوں میں جب روپیہ صرف کرنا اس لیے اسراف نہیں ہے کہ مقصدِ صحیح کے لیے صرف کیا جا رہا ہے اگرچہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اسی طرح میلاد کے موقع پر صرف کرنا اسراف نہیں ہے کہ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

(۲) بہتر تو یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنا پیسہ خرچ کر کے نذر و نیاز کرے البتہ اجتماعی طور پر نیاز کے لیے لوگوں سے بلاجبر چندہ کر کے فاتحہ و نیاز کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

مذہبی تہواروں کی خوشی میں فائرنگ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر پروگرام ہوتے ہیں، ہمارے محلے کے لوگ بھی ہر سال یکم ربیع الاول شریف سے لیکر گیارہ ربیع الاول شریف تک ہر رات تقاریر اور نعت شریف کا پروگرام کرتے ہیں اور بارہ ربیع الاول کو صبح فائرنگ کا پروگرام ہوتا ہے جس میں لڑکے ہر طرح کا اسلحہ چلاتے ہیں، یہ فائرنگ مسجد سے متصل ہوتی ہے۔ لہذا گزارش یہ ہے کہ از روئے شرع شریف بیان فرمائیں کہ اس فائرنگ کا کیا حکم ہے؟ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ خوشی میں سب جائز ہے۔

العارض: عبد اللطیف، کمہار، کراچی

الجواب:-

کسی بھی موقع پر اس طرح کا فعل یعنی فائرنگ کرنا انتہائی قبیح و مذموم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور ربیع الاول شریف کے موقع پر اس کا ارتکاب سخت گناہ کا باعث ہے۔ لوگوں کا کہنا غلط اور شریعت پر بہتان ہے۔ ایسا کہنے والوں کو توبہ کرنی چاہیے اور خلاف شرع کاموں سے گریز کرنا چاہیے۔

بارہ ربیع الاول کے دن لنگر تقسیم کرنا

الاستفتاء:-

بارہ ربیع الاول کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا اور لوگوں میں لنگرِ عام تقسیم کرنا کیسا ہے؟ اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے کہ نہیں؟ کیونکہ بعض لوگ اس کو بدعت، ناجائز اور حرام کہتے ہیں۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے بارہ ربیع الاول کو کھانا پکا کر تقسیم کرنے میں زیادہ ثواب ہے یا کہ بغیر تعین حسب استطاعت فقراء، مساکین کو خفیہ طور پر حسب ضرورت کچھ دے دینے میں زیادہ ثواب ہے؟

سائل: محمد طلحہ، کراچی

الجواب:-

باتفاق مسلمین اہل سنت کے نزدیک ہر نیک کام خواہ نماز ہو یا ذکر و اذکار یا کھانا کھلانا وغیرہ کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ حیات ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ فتاوی شامی میں ہے:

فی البحر من صام او صلی او تصدق و جعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز و یصل ثوابہا

اليهم عند اهل السنة والجماعة

(جلد اول ، صفحہ : ٦٦٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

بحرالرائق میں ہے جس نے روزہ رکھا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب اپنے مُردوں اور زندوں کو پہنچا دیا تو جائز ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس کا ثواب ان مُردوں اور زندوں تک پہنچتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

و بهذا علم انه لا فرق بين ان يكون المجعول له ميتاً او حياً

(جلد اول ، صفحہ : ٦٦٦ ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور اس سے معلوم ہوا کہ جس کے لیے ثواب پہنچا رہے ہو وہ زندہ ہو یا مردہ اس میں کوئی فرق نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔۔۔ ایصال ثواب کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے جو عام لوگوں کو ایصال ثواب کرنے کا ہے۔ بلکہ ایصال ثواب کرنے والے کی طرف سے یہ عقیدت کا اظہار ہے اور بطور شکرانہ یا نذرانہ ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایصال ثواب ، صحابہ کرام اور بزرگان دین کا معمول رہا ہے :

الا ترىٰ ان ابن عمر كان يعتمر عنه صلى الله عليه وسلم عمراً بعد موته من غير وصية و حج ابن الموفق وهو فى طبقة الجنيد عنه سبعين حجة وختم ابن السراج عنه صلى الله عليه وسلم اكثر من عشرة الاف ختمة وضحىٰ عنه مثل ذالك

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ٦٦٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بغیر وصیت کے عمرہ کرتے رہے۔ اور ابن الموفق ، جو اولیاء کے طبقہ جنیدیہ میں سے ہیں ، نے ستر حج کیے اور ابن سراج نے دس ہزار سے زائد مرتبہ قرآن ختم کیے اور اتنی ہی قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کی۔

لہٰذا بارہ ربیع الاول شریف کے دن یا کسی بھی وقت ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور جو لوگ جائز کام کریں ان کو دلیل دینے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ لوگ جو اس جائز کام کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں انہیں قرآن و حدیث سے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ اعمال ناجائز و حرام ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ ، شاہ عبدالعزیز اور حاجی امداداللہ رحمۃ اللہ علیہم کی کتابوں میں بھی اس عمل کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے "الدر الثمین" میں اپنے والد ماجد سے نقل کیا ہے کہ:

كنت اصنع به طعاماً صلة بالنبى صلى الله عليه وسلم فلم يفتح لى سنة من السنين شئى اصنع به طعاماً فلم اجد الا حمصاً مقليا فقسمته بين الناس فرايته صلى الله عليه وسلم و بين يديه هذا الحمص متبهجا بشاشا

(صفحہ : ٦١ ، میر محمد کتب خانہ ، کراچی)

میں (پیدائش کے دنوں میں) کھانا بنایا کرتا تھا ایک سال مجھے تنگی مال کا سامنا تھا جس کی وجہ سے میں کھانا تیار نہ کر سکا۔ میں نے بھنے ہوئے چنے کے علاوہ کچھ نہ پایا تو یہی چنے لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ بعد ازیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ چنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "فتاویٰ عزیزیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

فقیر کے مکان پر ہر سال دو مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ ایک ذکر ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری ذکر شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان میں سینکڑوں افراد جمع ہوتے ہیں، قرآن کریم و درود شریف پڑھا جاتا ہے، وعظ ہوتا ہے، پھر سلام پڑھا جاتا ہے، بعد ازاں کھانے پر ختم پڑھ کر حاضرین کو کھلایا جاتا ہے۔

(جلد اول، صفحہ ۲۰۰ اور ۱۹۹، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

رشید احمد گنگوہی کے استاد شاہ عبدالغنی دہلوی لکھتے ہیں:

و حق آنست کہ نفس ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و سرور و فاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پر فتوح سید الثقلین علیہ السلام از کمال سعادت انسان است

(شفاء السائل)

یعنی حق یہ ہے کہ مطلقاً ذکر ولادت حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، خوشی کا اظہار کرنا اور فاتحہ یعنی سید الثقلین علیہ السلام کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کرنا کمال سعادت انسانی ہے۔

جو لوگ اس جائز و مستحسن فعل کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں اور ان ہی بزرگوں کو جن کے یہ اقوال اور معمولات نقل کیے گئے ہیں، اپنا پیر، استاذ اور پیشوا سمجھتے ہیں، ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے اور توبہ کا دروازہ کھلا ہے کہ وہ اپنے عقائد فاسدہ کو چھوڑ دیں اور توبہ کریں اور ان اکابرین کے مسلک پر عمل کریں جنہیں قرآن و حدیث پر عبور حاصل تھا۔

دن متعین کرنے کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت صریح ہے:

و ذکرھم بایّم اللہ

(سورۃ (۱۴) ابراہیم، آیت: ۵)

(اے موسیٰ علیک السلام) انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔

یہ تو ہر سنی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ہر دن اور ہر رات بلکہ ہر زمانہ کی تمام ساعات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ لیکن ایام اللہ سے یہاں مراد خدا کے وہ مخصوص و متعین دن ہیں جن میں اس کی خاص نعمتیں اس کے بندوں پر نازل ہوئیں۔ دن متعین کرنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے اور یہ حدیث بھی

صریح ہے :

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت و فیہ انزل علی

(مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب الصوم ، باب صیام التطوع ، الفصل الاول)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن اترا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک کام کے لیے دن مخصوص کر لیا جائے تو شرعاً نہ تو وہ کام حرام ہوتا ہے اور نہ ہی دن متعین کرنا حرام ہے۔ لہذا بارہ ربیع الاول شریف کے دن کھانا کھلانا زیادہ اچھا ہے۔ کسی دوسرے دن بھی کھلایا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

خلوص نیت کے ساتھ خواہ پوشیدہ طور پر کھلایا جائے یا ظاہر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ البتہ لوگوں کو رغبت دلانے کے لیے ظاہری طور پر کھلانا زیادہ اچھا ہے۔

مسجد میں محفل میلاد کا انعقاد

الاستفتاء:-

ہماری مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد ذکر و اذکار اور نعت خوانی کی محفل ہوتی ہے۔ جس سے کچھ حضرات ناراض ہوتے ہیں کہ بلند آواز سے مسجد میں ذکر و اذکار کرنا ممنوع ہے۔ لہذا آپ سے ہماری گزارش ہے کہ براہ کرم اس مسئلے کی قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

مساجد میں ذکر کرنا اور نعت خوانی وغیرہ جائز و مستحسن امر ہے۔ اس کو منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ صرف یہ خیال رکھا جائے کہ کسی بیمار کے آرام میں ، کسی عبادت کرنے والے یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی عبادت و تلاوت میں خلل واقع نہ ہو۔ اگر مسجد میں ایسے لوگ ہوں جو عبادت کر رہے ہیں تو زیادہ جہر نہ کیا جائے۔ فتاویٰ شامی میں ہے :

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الّا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری۔

(جلد اول ، صفحہ : ۴۸۸ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

مساجد وغیرہ میں اجتماعی ذکر کرنے کے مستحب ہونے پر علماء سلف و خلف کا اجماع ہے۔ الّا یہ کہ ان کی آواز سے سونے والوں ، نمازیوں یا قرآن کی تلاوت کرنے والوں کے عمل میں خلل یا تکلیف ہو۔

مسجد میں محافل منعقد کرنا

الاستفتاء:-

ہمارے محلہ کی مسجد میں ہر قمری مہینے کی گیارہویں شب کو گیارہویں شریف کی محفل منعقد کی جاتی ہے۔ اور اکثر و بیشتر محفل میلاد کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں پر مختلف مواقع کی نسبت سے عرس بھی منائے جاتے ہیں۔ ان محفلوں میں کثرت سے نعت خوانی ہوتی ہے، نعرہ بازی بھی ہوتی ہے، صلوٰۃ و سلام بھی پیش کیا جاتا ہے اور موقع کی مناسبت سے تقاریر بھی کی جاتی ہیں، لیکن مقررین کو بہت کم وقت دیا جاتا ہے۔

ان محفلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فقہ حنفی کی رو سے مسجد میں ایسی محفلیں منعقد کرنا جائز ہیں یا ناجائز؟ کیا تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے یہ بات ثابت ہے؟

سائل: جنید حسن خاں

الجواب:-

مسجد میں ہر قسم کے ذکر خیر کی محافل و مجالس منعقد کرنا جائز ہیں اور شرعاً ان کے انعقاد میں کوئی حرج نہیں۔ کیا تابعین یا تبع تابعین سے ان محافل کے بارے میں ممانعت ثابت ہے؟ جہاں تک تابعین اور تبع تابعین کا تعلق ہے تو ان کے زمانے میں بھی تمام مجالسِ خیر مساجد ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ یہ جلسے جو سڑکوں اور میدانوں میں شامیانے لگا کر کیے جاتے ہیں اس کا ثبوت خیر القرون میں کوئی نہیں دے سکتا اور دیوبندی علماء کو بھی ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی کرنا

الاستفتاء:-

آج کل رواج ہے کہ جب کسی کے جان یا مال پر پے در پے پریشانیاں آتی ہیں تو وہ کچھ عزیزوں یا اہل محلہ کو جمع کر کے ختم قرآن کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب:-

درست ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی تلاوت جس جگہ کی جاتی ہے وہاں اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ علامہ نووی نے "کتاب الاذکار" میں حدیث نقل کی ہے:

من قرأالقرآن ثم دعاامّن علی دعائہ اربعۃ آلاف ملک

(صفحہ: ۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جس نے قرآن مجید کی تلاوت کی پھر دعاء مانگی اس کی دعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔

محفلِ فحش گوئی

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک تعلیمی ادارے کے اساتذہ اسٹاف روم میں وقفہ کے دوران جمع ہوتے ہیں اور اس محفل میں کچھ فحش اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کی جاتی ہیں۔ اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ سننے اور سنانے والے دونوں گناہ گار ہوں گے یا کہ صرف سنانے والے؟ اور اس محفل میں بیٹھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد صدیق، غریب آباد، کراچی

الجواب:-

فحش گوئی گناہ ہے اور بخوشی اسکو سننا بھی گناہ ہے۔ لہذا جو لوگ بخوشی وہاں بیٹھ کر فحش کلامی سنتے ہیں، وہ گناہ گار ہیں۔ مگر جو شخص وہاں مجبوراً بیٹھتا ہے، کانوں میں آواز آرہی ہے، دل سے نفرت کرتا ہے اور منع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

قوالی

قوالی کی حقیقت

الاستفتاء :-

مکرم و معظم حضرت قبلہ مفتی صاحب !
دار العلوم امجدیہ ، کراچی

حضرت محترم کی بڑی مہربانی ہوگی جو حسب ذیل مسئلہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں بالتفصیل وضاحت فرمائیں گے۔

سماع یعنی قوالی کا مسئلہ وضاحت طلب ہے۔ فقہ حنفیہ کے ماننے والوں میں متعدد سلسلے مثلاً چشتی ، صابری ، نقشبندی ، قادری اور سہروردی وغیرہ ہیں مگر چشتیہ ، سہروردیہ اور صابریہ سلسلے کے لوگ قوالی (سماع) کو جائز کہتے اور اس پر عمل کرتے ہیں ، جبکہ قادریہ اور نقشبندیہ سلسلے کے لوگ قوالی کو جائز قرار نہیں دیتے لیکن ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں ممانعت بھی نہیں ہے ، ہم دانستہ طور پر قوالی کرتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا کہیں موقع ہوتا ہے کہ چھٹکارا ناممکن ہو تو سن لیتے ہیں اور قادریہ سلسلے کے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور غوث الاعظم قوالی سماعت نہیں فرماتے تھے۔ لیکن اس کے جواب میں دیگر سلسلے کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ صحیح

ہے کہ حضور غوث الاعظم قوالی نہیں سنتے تھے لیکن آپ نے کسی جگہ ممانعت بھی نہیں فرمائی ہے اور اس کے ثبوت میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو ایک دعوت کے موقع پر ان کے اصرار پر خود حضور غوث الاعظم نے قوالی کا علیحدہ اہتمام فرمایا تھا۔

اس سلسلہ میں غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں متعدد احادیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں قوالی کو جائز قرار دیا ہے۔ اس رسالے کا نام " سماع " ہے (مقالاتِ کاظمی حصہ دوم میں یہ رسالہ شامل ہے)۔ ان کے علاوہ کچھ لوگوں کا یہ استدلال بھی ہے کہ حضور غوث الاعظم مسلک کے لحاظ سے شافعی تھے اور ان کے پیروکار قوالی کو جائز قرار دیتے ہیں اور بڑی دھوم دھام سے گیارہویں مناتے اور قوالی کی محفل سجاتے ہیں۔

الجواب :-

باجے، ہارمونیم، سارنگی، طبلہ اور ڈھول وغیرہ کے جواز کی شریعت میں کوئی صورت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

و من الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزواً اولئک لھم عذاب مھین o

(سورۃ (٣١) لقمان، آیت : ٦)

اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنا لیں، ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیت گانوں اور باجوں وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور بخاری شریف میں ہے۔

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف

(جلد دوم، کتاب الاشربۃ، باب ما جاء فی من یستحل الخمر و یسمیہ بغیر اسمہ)

ضرور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال ٹھرائیں گے۔

اسی بناء پر فقہ حنفی میں مزامیر کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولو علم قبل الحضور لا یحضر

یعنی (کسی دعوت میں) جانے سے پہلے یہ معلوم تھا کہ وہاں گانا باجا ہوگا تو وہاں نہیں جائے گا۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و دلت المسالة على ان الملاهى كلها حرام حتى التغنى بضرب القضيب

(ہدایہ آخرین ، کتاب الکراھیۃ ، فصل فی الاکل والشرب ، صفحہ : ۴۵۵)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام لہو کام حرام ہیں یہاں تک کہ لکڑی بجا کر گانا گانا۔

یہی مضمون درمختار و شامی میں بیان ہوا ہے۔ درمختار میں ہے:

قال ابن مسعود صوت اللهو و الغناء ينبت النفاق فى القلب كما ينبت الماء النبات و فى البزازية استماع صوت الملاهى كالضرب قضب و نحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر اى بالنعمة

(جلد پنجم ، صفحہ : ۲۳۵ اور ۲۳۶ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

حضرت ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں گانے باجے کی آواز دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جیسے پانی نباتات کو اگاتا ہے۔ اور بزازیہ میں ہے لہو و لعب کی آواز سننا جیسے لکڑی بجانا اور اسی طرح کوئی اور چیز بجانا حرام ہے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ لہو و لعب کا استماع (سننا) نافرمانی ہے اور اس کے پاس بیٹھنا فسق ہے اس سے لطف اندوز ہونا کفران نعمت ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

اما استماع صوت الملاهى كالضرب بالقضيب و غير ذالك حرام و معصية لقوله عليه الصلوة والسلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسوق و التلذذ بها من الكفر انما قال ذالك على وجه التشديد وان سمع بغتة فلا اثم عليه ويجب عليه ان يجتهد كل الجهد حتى لا يسمع لما روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ادخل اصبعيه فى اذنيه

(علی حاشیۃ عالمگیری ، جلد سوم ، صفحہ : ۴۰۶ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی لہو و لعب کی آواز سننا مثلاً لکڑی بجانا اور اس کے علاوہ حرام اور معصیت ہے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے لہو و لعب کا سننا معصیت ہے اور اس کے پاس بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفران نعمت ہے یہ آپ نے شدت اظہار کے طور پر فرمایا ہے۔ اور اگر اچانک یہ آواز سنے تو اس پر گناہ نہیں ہے اور اس پر واجب ہے کہ بھرپور کوشش کرے یہاں تک کہ وہ یہ آواز نہ سنے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں گوش مبارک میں اپنی انگلیاں شریف داخل کرلی تھیں۔

بالکل یہی مضمون فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔

(رجوع کیجیے ! علی حاشیۃ عالمگیری ، جلد : ۶ ، صفحہ : ۳۵۹ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

غرض یہ کہ فقہ کی روشنی میں مزامیر کے ساتھ قوالی سننے کا کوئی جواز نہیں ہے اور طریقت کا بھی کوئی سلسلہ شریعت سے آزاد نہیں ہے۔ قادریوں اور چشتیوں کی شریعت علیحدہ علیحدہ نہیں ہے۔ لہذا آج کل کے صوفیوں کو جب شریعت کی کوئی دلیل نہ ملی تو انہوں نے گھڑ لیا کہ چشتیوں کے نزدیک قوالی جائز ہے۔ لیکن چشتیہ کے مایہ ناز بزرگ حضرت سیدی مولائی خلیفہ بابا فرید محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ " فوائد الفواد " میں فرماتے ہیں " مزامیر حرام است " اور ان کے خلیفہ فخرالدین رازی نے حضرت محبوب الٰہی کے زمانہ میں ان کے حکم سے سماع کے بارے میں ایک رسالہ " کشف القناع عن اصول السماع " تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا ہے:

اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنہم فبری ء عن هذه التهمة و هو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من كمال صنعة اللہ تعالٰی (ماخوذ)

(احکام شریعت (از تصنیفات ' اعلحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رضی اللہ تعالٰی عنہ ' حصہ اول ' صفحہ : ۶۳ ' ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی ' کراچی)

یعنی ہمارے مشائخ کرام کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہیہ سے خبر دیتے ہیں۔

اور حضرت مولانا محمد ابن مبارک کرمانی مرید حضور پر نور شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر و خلیفہ حضرت محبوب الٰہی اپنی کتاب " مستطاب سیر الاولیاء " میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز می فرمود کہ چند ایں چیز می باید تا سماع مباح می شود مسمع و مستمع و مسموع و آلہ سماع مسمع یعنی گوئندہ مرد تمام باشد کودک نباشد و عورت نباشد مستمع آنکہ می شنود ازیاد حق خالی نباشد و مسموع آنچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد و آلہ سماع مزامیر است چون چنگ و رباب و مثل آں می باید کہ درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال است۔

(بحوالہ ' احکام شریعت ' حصہ اول ' صفحہ : ۶۳ ' مدینہ پبلشنگ کمپنی ' کراچی)

یعنی حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ چند شرائط ہوں تو سماع مباح ہوگا۔ کچھ شرطیں سنانے والے میں ' کچھ سننے والے میں ' کچھ اس کلام میں جو سنایا جائے اور آلہ سماع کے بارے میں کچھ شرائط ہیں۔ یعنی سنانے والا کامل مرد ہو ' چھوٹا لڑکا اور عورت نہ ہو ' سننے والا یاد خدا سے غافل نہ ہو ' اور جو کلام پڑھا جائے فحش اور تمسخرانہ نہ ہو ' اور آلات سماع یعنی مزامیر جیسے سارنگی و طبلہ وغیرہ اس قسم کی کوئی چیز نہ ہو۔

لہٰذا انصاف چاہیے کہ خاندان چشت کے جلیل القدر بزرگ کا قول مقبول ہوگا یا آج کل کے مدعیان تصوف کی بے بنیاد و ظاہر الفساد تہمت خاندان چشت پر۔ مزید تفصیل کے لیے " احکام شریعت " کا مطالعہ فرمائیں۔

مزامیر کے ساتھ قوالی کے بارے میں اعلیحضرت کا فتویٰ

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قوالی، مزامیر کے ساتھ سننا کیسا ہے؟ عرض ہے کہ ہمارا تعلق اہلسنت و جماعت سے ہے اور ہم اکثر قوالیوں کی محافل میں شرکت کرتے اور قوالی کراتے رہے ہیں۔ لیکن جب سے ہم نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ احکام شریعت حصہ اول صفحہ ۶۰ میں پڑھا ہے کہ "قوالی مزامیر کے ساتھ سننا حرام ہے۔" اس وقت سے طبیعت پریشان ہے۔ میں ایک مجلس میں گیا تو دیکھا کہ قوالی ہو رہی ہے، ڈھول اور سارنگی بج رہے ہیں اور چند قوال، پیران پیر کی شان میں اشعار اور نعت کے اشعار پڑھ رہے ہیں۔ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔ کیا ایسی محفل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہیں؟ ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو کس طرح؟

سائل: محمد صدیق مغل قادری، دہلی کالونی، کراچی

الجواب :-

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں جو فتویٰ ہے وہ صحیح ہے اور باجے وغیرہ کی حرمت پر ہمارے فقہاء کرام نے شدت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ لفظ "سماع" سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا غلط بیانی کرتے ہیں۔ "سماع" کے معنی صرف "سننا" کے ہیں۔ حمد و نعت کے اشعار سننا بالاتفاق جائز ہے اور عاشقانہ اشعار میں بھی اگر فحش گوئی نہ ہو تو ان کا سننا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر فحش گوئی ہو تو ناجائز۔ سماع میں مزامیر داخل نہیں ہیں، آلات موسیقی شامل ہو جانے سے سماع ناجائز ہو جاتا ہے۔ جو سن چکے اس سے توبہ کر لی جائے، اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اور آئندہ احتراز کریں۔

قوالی سننے اور کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

الاستفتاء :-

بخدمت جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ مجھے ایک مسئلہ درپیش ہے جس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے جوابات دے کر مشکور فرمائیں گے۔

میرے استاد جنھوں نے مجھے قرآن پڑھایا ہے ایک مسجد کے پیش امام ہیں۔ وہ ہر سال اپنے گھر پر قوالی کراتے ہیں جو مزامیر اور ساز وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور قوال داڑھی منڈے ہوتے ہیں۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے، جو قوالی سنتا ہو؟

سائل: امتیاز الدین خان

الجواب:-

مزامیر و ساز کے ساتھ قوالی سننا حرام ہے۔ لہذا ایسی قوالی سننے والے کی امامت مکروہ ہے، اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ قوالی سننا کیسا ہے؟

سائل: سلطان محمود والد مولوی ممتاز احمد، ساکن تحصیل مری

الجواب:-

باجے جتنی قسم کے ہیں وہ سب منع ہیں۔ حدیثوں میں ان کی سخت ممانعت ہے۔ لہذا مروجہ قوالی جو باجوں کے ساتھ ہوتی ہے، ناجائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

پیری مریدی

پیر بننے کی شرائط

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ:

پیری مریدی کی شرائط کیا ہیں، ؟ کیا ایک جاہل آدمی جسے قرآن پاک ناظرہ بھی پڑھنا نہ آتا ہو وہ پیر ہو سکتا ہے ؟ جبکہ وہ کسی سے خلافت یافتہ بھی ہے۔

سجادہ نشینی کے لیے کیا شرائط ہیں ؟ آیا اس میں نسبی لحاظ و وراثت جاری ہوگی یا علم و تقوی کا لحاظ ہوگا ؟
نیز ایسا شخص جس کو کسی بزرگ نے اپنا سجادہ مقرر کیا ہو لیکن وہ شخص نماز جیسے اہم فرض کا بھی پابند نہ ہو، اہل علم بھی نہ ہو اور داڑھی بھی حد شرعی سے کم ہو، تو ایسا شخص سجادہ نشین بنایا جا سکتا ہے یا کہ نہیں ؟ اور کیا معتقدین و مریدین اپنے پیر خانہ میں سے کسی ایسے فرد کو جو پیر کی شرائط پر پورا اترتا ہو اسے سجادہ بنا دیں انھیں اس کا اختیار ہے یا نہیں ؟ جبکہ سجادہ بنانے والے بزرگ اس دنیا سے وصال فرما چکے ہیں۔ جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل : ڈاکٹر صلاح الدین ، حیدر آباد

الجواب:-

پیر کے لیے صحیح العقیدہ، متقی، پرہیزگار اور کسی سلسلہ سے اجازت یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جاہل شخص نہ شریعت کو جانتا ہے اور نہ ہی اسے معرفت خداوندی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کو خلافت دینا اور پیر بنانا ناجائز ہے۔ سجادگی میں وراثت نہیں ہوتی، بلکہ جانشین مقرر کرنا سجادگی ہے، اس میں بھی وہی شرائط ملحوظ رکھی جائیں جو پیر میں ہونا ضروری ہیں۔ سجادہ بنانا خود پیر کامل کا کام ہے، دوسرا شخص کسی کو سجادہ مقرر نہیں کر سکتا۔

مختلف سلاسل میں بیعت اور تجدید بیعت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام مندرجہ ذیل صورتوں کے بارے میں کہ:

ایک شخص جو کسی سے مرید ہو، تو کیا وہ دوسری جگہ بھی بیعت ہو سکتا ہے؟

یا ایک شخص تین سلسلوں یعنی چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بیعت ہے، اب اگر وہ قادریہ سلسلے میں بیعت کرنا یا شامل ہونا چاہے، تو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا ان تین سلسلوں میں بیعت کسی شخص کے مرشد وصال کر گئے ہوں تو پھر کیا وہ قادری سلسلے میں شامل ہو سکتا ہے؟

میرے ایک دوست مولوی الیاس صاحب کے مرید ہیں، کہتے ہیں: "ایک شخص اگر پہلے سے قادری نہیں تو وہ قادری سلسلے میں شامل ہو سکتا ہے۔"

الجواب:-

بیعت کے معنی بیچنے کے ہیں۔ جو مال ایک مرتبہ بیچ دیا جائے وہ دوبارہ نہیں بیچا جا سکتا۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی صاحب سلسلہ مجاز پیر سے بیعت ہو گیا، تو پھر کسی دوسرے سے مرید نہیں ہو سکتا۔ اپنے پیر کے انتقال کے بعد اگر کسی دوسرے صاحب کمال بزرگ سے اکتسابِ فیض کے لیے رجوع کرے تو یہ جائز ہے، اس کو مرید نہیں بلکہ "طالب" کہتے ہیں۔

پیر یا شیخ کے سامنے عورت کا بے پردہ جانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے شیخ یا پیر کے سامنے بغیر پردہ کے آ سکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ اپنے پیر صاحب کے ہاتھ اور سر وغیرہ دبا سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا یہ کہنا ہے کہ "پیر صاحب میرے روحانی باپ ہیں اور میں ان کی روحانی اولاد ہوں۔"

برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: شارق حسین قریشی

الجواب:-

مرید ہونے کے بعد بھی پیر عورت کے لیے نامحرم ہے اور کسی عورت کا پیر کے سامنے بے پردہ آنا جائز نہیں۔ اور جسم کو چھونا خاص کر دبانا حرام ہے۔ بخاری و مسلم اور صحاح کی دوسری کتب حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ما مسّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده امراةً قط

(مسلم، جلد دوم، کتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اجنبی عورت کو نہیں چھوا۔

بلکہ صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے، تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوامت کے باپ ہیں، جیسا کہ بخاری میں قراءت شاذہ کے حوالے سے منقول ہے:

وهو اب لهم

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معصیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل جب یہ ہے، تو پیران کرام کو کس طرح روا ہے کہ نامحرم عورتوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کریں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔

جعلی پیر

الاستفتاء:-

ایسے نام نہاد پیر کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے جو اپنے سامنے عورتوں کو بے پردہ بلاتا ہو اور سر، ہاتھ اور پیر وغیرہ تنہائی میں دبوائے؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں جو حالات لکھے ہیں اگر یہ صحیح ہیں، تو یہ پیر نہیں ہے شیطان ہے اس سے بیعت ہونا تو بڑی بات ہے اس کے پاس بیٹھنا بھی جائز نہیں ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ما مسّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده امراةً قط

(مسلم، جلد دوم، کتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اجنبیہ کو نہیں چھوا۔

بلکہ صرف زبان سے بیعت لیا کرتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بخاری میں قرآن کریم کی قراءت شاذہ میں سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے باپ ہیں۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرتے وقت بھی کسی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ لی تھی۔ تو ان پیروں کو یہ اجازت کیسے ہو جائے گی کہ ان کا جسم عورتیں دبائیں اور وہ بے پردہ پیر کے سامنے آئیں؟ مرید ہونے کے بعد بھی عورت نامحرم رہتی ہے اور اس کو اپنے پیر سے اسی طرح پردہ کرنا لازمی ہے جس طرح دوسرے لوگوں سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

الاستفتاء:-

کیا کسی پیر کو اجازت ہے کہ اپنی بیعت شدہ نوجوان خواتین کو اپنی محفل میں بلائے اور رات کو محفل کے بعد اپنے کمرہ میں بلا کر ان کے ساتھ شب باشی کرے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ اس مقصد کے لیے مخصوص لحاف (رضائی) بنوائی ہے جو کہ بیک وقت دس یا پندرہ اشخاص کے لیے کافی ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:-

یہ تمام باتیں حرام ہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ:

لا یخلونّ رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان

(ترمذی، جلد اول، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات)

جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے۔

ایسے جاہل، بدعمل اور شیطان صفت نام نہاد پیروں کے واقعات اخبارات میں آتے رہتے ہیں کہ وہ اپنی مرید عورتوں کو لے کر فرار بھی ہو جاتے ہیں۔

قطع تعلق کروانے والے پیر کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں میری بیوی میکے چلی گئی۔ جب میں بیوی کو لینے کے لیے گیا تو میری زوجہ کو سسرال بھجوانے کے لیے ایک پیر نے کچھ شرائط عائد کیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

میں خود اس پیر کا احترام کروں اور اسکی بیعت بھی کروں، نیز میں اپنی زوجہ کو کلی طور پر پیر کی تحویل میں

دے دوں اور مذکورہ شرائط کو تحریری طور پر قبول کروں۔

اب آپ سے عرض ہے کہ میرے ساس و سسر اور اس نام نہاد پیر کے لیے کیا حکم ہے؟ اور پتہ چلا ہے کہ میری زوجہ بھی یہی چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ میں والدین کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی، مجبور ہوں۔ تو ایسی بیوی کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا نکاح ہونے کے بعد اس کو خاوند کا جائز حکم ماننا چاہیے؟ یا اپنے والدین اور پیر کا حکم ماننا چاہیے؟

الجواب:-

شادی کے بعد بیوی کو شوہر کا ہر ایسا حکم ماننا ضروری ہے جو کہ شریعت کے خلاف نہ ہو۔ ایسے درندہ صفت پیر سے ملنے کو منع کرنا ہر شوہر پر ضروری ہے۔ اگر شوہر منع نہیں کرتا اور اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی بیوی، بیٹی یا بہن وغیرہ کو ایسے پیر کے پاس جانے کی اجازت دیتا ہے، اس کو شریعت میں "دیوث" کہتے ہیں، احادیثِ مبارکہ میں ایسے شخص کی سخت مذمت آئی ہے۔ تمام لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو ایسے پیروں کے پاس جانے سے روکیں۔

الاستفتاء:-

اب جبکہ چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور میں اس دوران اپنی بیوی کو بارہا لانے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن وہ اپنے گھر نہیں آئی، تو ایسی صورت میں کیا میں نان نفقہ ادا کرنے کا پابند ہوں؟ نیز جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کے اخراجات و ماہانہ خرچ دینا مجھ پر لازم ہے یا کہ نہیں؟

الجواب:-

اس صورت میں جب بیوی شوہر کی مرضی کے خلاف اور اس کے بلانے کے باوجود اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہوئی ہے، نان نفقہ کی مستحق نہیں ہے البتہ بچے کا نفقہ (خرچ) دینا شوہر کی ذمہ داری ہے۔

الاستفتاء:-

نیز اگر میری کوشش اور کیس جیت جانے کے بعد بھی میری بیوی اپنے گھر نہ آئے، تو ایسی صورت میں اگر وہ خود طلاق لینا چاہے تو میں نے جو مہر بصورت زیورات اور نقدی بارہ ہزار روپیہ ادا کر دیا ہے، کیا وہ مہر میں واپس لے سکتا ہوں یا کہ نہیں؟

الجواب:-

ایسی صورت میں جب زیادتی بھی بیوی کی ہے، تو جب وہ طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر کے لیے یہ جائز

ہے کہ جتنا مہر مقرر ہوا تھا اگر وہ ادا کر دیا ہے تو اس کی واپسی اور اگر ادا نہیں کیا ہے تو اس کے ساقط کر دینے کی شرط لگائے۔ جب وہ مہر معاف کر دے گی تو طلاق دے دے۔

الاستفتاء:-

میں باردانہ کا کام کرتا ہوں، اکیلا فرد ہوں اور علیحدہ رہتا ہوں، میں نے جو دعویٰ حقوق زوجیت کا کر رکھا ہے وہ دیوانی کیس ہے اسمیں دس سال بھی لگ سکتے ہیں۔ اور سسرال والوں نے کورٹ میں بھی وہی " پیر " والی شرائط رکھی ہیں۔ اس لیے مروجہ قانون کے تحت میں نے یونین کونسل میں دوسری شادی کی درخواست دی اور لکھا کہ میری نوجوانی فی ختم ہو جائے گی لہٰذا مجھے دوسری شادی کی اجازت دی جائے۔ الحمدللہ میں دو عورتوں کو بیک وقت رکھ سکتا ہوں اور قرآنی آیات کی روشنی میں ان کے درمیان مساوی سلوک کرنے کی کوشش کروں گا۔

کیا ایسی صورت میں کونسل مجھ کو اجازت دے سکتی ہے اور اگر نہ دے تو یونین کونسل کے چیئرمین کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب:-

اس صورت میں جب بیوی آپ کے پاس نہیں آتی ہے تو دوسری شادی کر لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن کریم میں تو ویسے بھی چار بیویوں تک کی اجازت دی گئی ہے۔

پیر اور مرید کا شریعت کی خلاف ورزی کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) اگر کوئی شخص جس کو لوگ " پیر " کہتے ہیں وہ فوٹو کھچواتا ہو اور اپنی محفل میں فوٹو بازی اور ویڈیو فلم بنانے کو منع نہ کرے بلکہ وہ اس فعل پر رضامند ہو۔ کیا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شخص کو " پیر " کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ کسی بھی پیر کو چاہے وہ کچھ بھی کرے مثلاً سنتوں کا لحاظ نہ رکھے تو اس کے بارے میں زبان سے کچھ نہ کہنا چاہیے کیونکہ کہنے والے کی سخت پکڑ ہو جاتی ہے۔ تو ہم جو کہ اس جگہ حاضر ہوں اور وہ شخص سنتوں کو بے دردی سے پامال ہوتے دیکھ رہا ہو اور اگر وہ لوگوں کو روکے تو یقیناً لوگ باز آجائیں۔ مگر وہ باوجود اختیارات ہونے کے کسی کو یعنی اپنے مریدین کو نہیں روکتا۔ کیا ایسے شخص کو ہم " مرشد " کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۳) کوئی پیر اپنی محفل میں داڑھی منڈے سے نعت خوانی کروائے۔ لیکن سلام کریں تو جواب نہ دے جبکہ جواب دینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تو ایسے شخص کی محفل میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

(۴) جو شخص کسی ایسے آدمی کو ولی کامل یا مرشد نہ کہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے کہ وہ شخص ٹھیک کہتا ہے یا غلط؟

سائل: محمد اسلم قادری، لانڈھی کراچی

الجواب:-

اسلام میں بزرگی کا دار و مدار تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے۔ قرآن کریم میں اولیاء کرام کی یہی علامتیں اور صفات بیان کی گئی ہیں۔

الذین اٰمنوا و کانو یتقون ○

(سورة (۱۰) یونس، آیت: ٦٣)

وہ ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

محرمات (حرام چیزیں) کا مرتکب ولی نہیں ہوسکتا۔ فوٹو کھچوانا حرام ہے، علامہ شامی نے اسے گناہ کبیرہ بتایا، احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن تمام انسانوں میں سخت ترین عذاب تصویر بنانے والوں کو دیا جائے گا۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب المصورین)

لہذا جو شخص تصویر کھچواتا ہے اور لوگوں کو یا اپنے مریدوں کو بھی اس سے منع نہیں کرتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصویر کو جائز سمجھتا ہے وہ کسی طرح بزرگ نہیں ہوسکتا، اس کو پیر کہنا ہی غلط ہے اور اس سے مرید ہونا ناجائز ہے۔ جو شخص اپنے مریدوں کو برائی سے نہ روکے وہ پیر ہی کیسا؟

دیگر جو باتیں سوال میں لکھی ہیں وہ سب ناجائز ہیں۔

پیر کا جھوٹ بولنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں:

(۱) کیا تین سال کا بچہ ایک عالم دین بزرگ کا مسند نشین بن سکتا ہے؟

(۲) ایک شخص اپنے بزرگوں کے اصول اور مرتب کیے ہوئے ضابطہ کو تسلیم نہیں کرتا جو کہ قرآن و

حدیث کے مطابق بنایا گیا ہو۔ ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) ایک پیر وعدہ خلافی کرتا ہے، جھوٹ بولنے کا عادی ہے، اپنے مریدین کی موجودگی میں تو وقت پر نماز ادا کرتا ہے ورنہ نماز کی پابندی ہی نہیں کرتا۔ ایسے پیر کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) جو امام اپنی داڑھی کاٹ کر چھوٹی کرتا ہے جو کہ حد شرع سے بہت چھوٹی ہے اور دانستہ طور پر چھوٹی کراتا رہتا ہے کیا اس کے پیچھے صاحب طریقت بزرگ کی نماز ہو جاتی ہے؟

سائل: بندہ خدا، پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی

الجواب:-

(۱) عالم یا پیر کی جانشینی کا مطلب یہ ہے کہ یہ جانشین جس کی جگہ پر بیٹھتا ہے اس کی جگہ امامت کرے۔ بچہ یہ کر نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کے جانشین بنانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

(۲) قرآن و حدیث میں مختلف احکام ہیں مثلاً فرائض، واجبات، سنن، مستحبات اور مباح۔ اب ان میں کون سے حکم کا انکار کرتا ہے۔ ویسا ہی حکم اس پر ہوگا۔

(۳) پیر کا کام یہ ہے کہ وہ رشد و ہدایت کرے اور مرید ہونے کے بعد ہر مرید اپنے پیر کی عزت کرے۔ لیکن اگر کسی پیر میں یہ خرابیاں ہیں جن کو سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو شرعاً ایسے شخص کی عزت کرنا جائز نہیں ہے۔ "تبیین الحقائق" میں ہے:

فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً

(جلد: ۱، صفحہ: ۱۳۴، مطبوعہ مصر)

امامت کے لیے اس کو آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے۔ درآنحالیکہ اس کی اہانت کرنا واجب ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً

(جلد اول، صفحہ: ۲۴۳، مکتبہ عربیہ، کوئٹہ)

اس کا منصبِ امامت پر فائز ہونا اس کی تعظیم ہے درآنحالیکہ اس کی اہانت کرنا واجب ہے۔

(۴) داڑھی منڈوانے والا یا کٹوا کر حد شرع سے کم کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ در مختار میں ہے:

کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا

(جلد اول، صفحہ: ۳۲۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ہر وہ نماز جو کراہت تحریمہ کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا واجب ہے۔

مصلی پر بیٹھ کر منکے بجانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک پیر صاحب ہماری مسجد میں ہر منگل کو بعد نماز مغرب مصلی پر بیٹھے ہوئے کچھ اشعار پڑھتے ہیں اور لکڑی کے منکوں کو ساز کی طرح بجاتے ہیں۔ جو کہ تقریباً ایک انچ موٹے ہیں، ایک دھاگے میں ۸ تا ۱۰ منکے ہوتے ہیں اور اس طرح دو لڑیاں منکوں کی ہوتی ہیں جن کو آپس میں بجاتے ہیں۔ کیا مصلی پر بیٹھ کر، مسجد کے اندر اس طرح منکے بجانا جائز ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب:-

مسجدیں عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں۔ ان میں شور کرنا اور اس طرح لکڑی کے منکوں کو بجانا جس سے ساز کی طرح آواز نکلے ناجائز و حرام ہے۔ مسجد میں جب دوسرے لوگ نماز پڑھ رہے ہوں یا ذکر و اذکار میں مصروف ہوں تو کسی شخص کے لیے بلند آواز سے قرآن پڑھنا بھی جائز نہیں رہتا۔

بے عمل پیر کی بیعت توڑنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید جس شخص سے مرید ہے وہ صاحب نہ خود شریعت پر چلتے ہیں اور نہ مریدوں کو شریعت کی پابندی کراتے ہیں۔ مثلاً ٹی وی دیکھنا، شادی کی تقریب میں فوٹو کھچوانا، سونا پہننا، محرم نامحرم کا فرق نہ کرنا اور ایسی ہی دوسری بہت سی رسومات کی حوصلہ افزائی کرنا ان کا معمول ہے۔ ایسے پیر کی بیعت برقرار رکھنا چاہیے یا توڑ دینا چاہیے، کیا اس صورت میں دوسرے شیخ کامل سے بیعت کر سکتے ہیں؟

سائل: انظار الحق

الجواب:-

مرید ہونے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس پیر سے بیعت کی جائے وہ اہلسنت و جماعت کے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہو، شریعت پر عمل پیرا ہو اور اس کا سلسلہ طریقت منقطع نہ ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پیر کے متعلق جو باتیں لکھی گئی ہیں اگر یہ صحیح ہیں تو پیر جب اپنے مریدوں کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے مریدوں کی صحیح رہنمائی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ سونا تو مرد کے لیے مطلقاً حرام ہے۔ تصویر کھچوانا مسلمانوں کے لیے حرام اور گناہ ہے اور اسی طرح نامحرم خصوصاً جوان عورتوں کو مجلس میں آنے سے نہ روکنا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا یہ شخص اس قابل نہیں کہ اس سے بیعت کی جائے۔ اس کے مریدین کی

دوسرے متقی پرہیزگار "پیر" سے بیعت کر سکتے ہیں۔

ہاتفِ غیبی

الاستفتاء:-

ہاتفِ غیبی سے کیا مراد ہے؟

الجواب:-

اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور آواز سے پاک ہے۔ "ہاتفِ غیبی" کا مطلب منجانب اللہ فرشتہ کا اعلان ہوتا ہے۔

(جنوں سے آئندہ کی خبر پوچھنا)

بزرگ کی سواری آنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہمارے پڑوس میں ایک محترمہ رہائش پذیر ہیں، جنھوں نے اپنے گھر میں ایک مزار بنایا ہوا ہے۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ ان پر کسی بزرگ کی سواری آتی ہے۔ ہم اس سلسلہ میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس دعویٰ کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کسی عورت پر کسی بزرگ کی سواری آسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ عورت دنیا داری میں مبتلا ہے اور تعویذ وغیرہ بھی کرتی ہے، اس کا شوہر اور بچے بھی ہیں۔ لہذا آپ سے ہماری گزارش ہے کہ اس بارے میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: وسیم، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

جھوٹی قبر بنانا دھوکہ دینا ہے اور یہ حرام ہے۔ اور کسی مرد یا عورت پر کسی بزرگ کی سواری نہیں آتی، یہ دعویٰ فریب ہے۔ صرف جنات کا اثر ہوتا ہے وہ بھی کسی کسی پر۔ مگر ان جنات سے سوال کرنا یا آئندہ کا حال معلوم کرنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ○

(سورۃ (۳۴)، سبا، آیت: ۱۴)

پھر جب سلیمان (علیہ السلام) زمین پر آیا، جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

ان سے سوال کرنا جو خود نہیں جانتے ، عقل کے خلاف ہے اور اس وعید میں داخل ہے جو حدیث میں بیان کی گئی کہ :

عن بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتی عرافا فسالہ عن شیء لم تقبل لہ صلوۃ اربعین لیلۃ

(مسلم شریف ، جلد دوم ، کتاب السلام ، باب تحریم الکھانۃ و اتیان الکھان)

کاہن کے پاس جو شخص جائے گا اور سوال کرے گا تو چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا۔

پیر کے وضو کے پانی کو منہ پر ملنے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی و معظمی جناب مفتی محمد وقار الدین صاحب !

السلام علیکم

مزاج گرامی ! بعد سلام سنت خیر الانام عرض ہے کہ :

ایک پیر صاحب جن کے بہت سے مریدین ہیں اور ان کی ایک جماعت بھی ہے۔ ان کے لیے مشہور ہے کہ جب وہ منہ ہاتھ دھوتے یا وضو کرتے ہیں تو ان کے مریدین ان کے مستعمل پانی کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ پر مل لیتے ہیں اور بعض مریدین تو اس پانی کو پی بھی لیتے ہیں ، کچھ تبرکاً محفوظ کر لیتے ہیں۔ مریدین اسکی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمایا کرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستعمل پانی کو نیچے گرنے نہیں دیا کرتے تھے ، بلکہ اپنے ہاتھوں میں لیکر شوق سے اپنے چہروں پر ملتے اور پی بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ہم بھی اس سنت کو اپناتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا ازروئے شرع محمدی جائز ہے یا نہیں ؟ برائے کرم جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں اس سے بہت سوں کا بھلا ہو گا۔

سائل : سید انور علی

الجواب:-

وضو اور غسل کا وہ پانی جو اعضاء سے گزر کر گرتا ہے وہ " ماء مستعمل " ہے۔ ماء مستعمل کے متعلق حنفیہ کے تین قول ہیں ، ایک قول یہ ہے کہ نجاست غلیظہ ہے ، دوسرا قول یہ ہے کہ نجاست خفیفہ ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ پاک ہے مگر وضو اور غسل کے لائق نہیں۔

اس کو پینا اور کھانے میں استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ در مختار میں ہے:

وھو طاھر ولو من جنب و ھو الظاھر لکن یکرہ شربہ والعجن بہ

(جلد اول، صفحہ: ١٣٤، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور وہ یعنی (ماء مستعمل) پاک ہے اگرچہ جنبی کا ہو اور یہی ظاہر ہے لیکن اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ ہے۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا:

و اقرہ النھر بحمل الکراھۃ علی التحریمیۃ لان المطلق منھا ینصرف الیھا

(جلد اول، صفحہ: ١٣٨، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

صاحبِ نہر نے اس کراہت کو کراہتِ تحریمہ پر محمول کیا ہے اس لیے کہ لفظ "کراہت" جب مطلقاً ذکر کیا جائے تو اس کا حکم تحریمی ہی کی طرف جاتا ہے۔

لہٰذا ان مریدین کا مستعمل پانی پینا ناجائز ہے۔ ان لوگوں کا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کے عمل سے استدلال کرنا، نری جہالت ہے۔

ایک صحابیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پیا تھا جبکہ ایک اور روایت کے مطابق ایک صحابی نے پچھنے لگوانے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے نکلنے والا خون بھی پیا تھا۔ اور مذہب صحیح کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون اور بول و براز پاک تھے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تخصیصی واقعات کو دلیل بنانا کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس قسم کی باتیں کرنا پیروں کی محبت میں مبالغہ ہے، خود پیروں کو بھی اس قسم کی حرکات سے اپنے مریدوں کو منع کرنا چاہیے۔

ایصالِ ثواب

ایصالِ ثواب کی حقیقت

الاستفتاء:-

محترم و مکرم قبلہ مفتی صاحب!
السلام علیکم

ہم لوگ بارہ ربیع الاول، محرم اور گیارھویں وغیرہ پر اپنے مرحومین اعزاء کے لیے فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ فاتحہ کے وقت مصلی پر مختلف کھانے اور پھل وغیرہ جو مرحوم کو زیادہ پسند تھے، رکھتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن اور فاتحہ حسب طریقہ کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ نامعلوم مدت اور بزرگوں کے زمانہ سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن پاک اور نذر کردہ کھانوں کا صرف ثواب مرحومین کو ملتا ہے اور یہ ثواب مرحومین کو نیکیوں اور بلندی درجات کی شکل میں پہنچتا ہے۔

لیکن چند دن ہوئے ایک دوست سے اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی، تو وہ کہنے لگے کہ جو کچھ از قسم کھانا اور پھل نذر کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہی اشیاء مرحومین کو جن کی فاتحہ دلائی جاتی ہے، قبر میں پہنچاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اور کئی احباب سے تذکرہ کیا، تو بعض نے میری رائے سے اتفاق کیا اور بعض نے میرے مذکورہ دوست کی رائے سے۔ میرے دوست کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اشیاء مرحومین تک نہ پہنچتی ہوں تو پھر کھانا پکوانے اور اس پر فاتحہ دینے کا فائدہ کیا ہے؟ نقد خیرات کر کے یا پکا ہوا کھانا غرباء کو بغیر فاتحہ دیئے بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے

اور اسکا بھی ثواب پہنچ جائے گا۔

براہ کرم ہماری رہنمائی فرمائیں کہ علماء اہل سنت و جماعت (بریلوی مسلک) کا اس سلسلہ میں کیا نظریہ ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ آیا فاتحہ کے وقت کھانا رکھنے سے، جس کے لیے فاتحہ کی جا رہی ہے، اس کو صرف ثواب ملتا ہے یا اللہ تعالیٰ یہ اشیاء میت کو قبر میں پہنچاتا ہے۔

جواب جلد عنایت کریں تو بڑی نوازش ہوگی۔ گیارہویں میں چند دن رہ گئے ہیں۔ فقط والسلام

المستفتی: اعجاز الحسن زیدی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

میت کے لیے "ایصالِ ثواب" باتفاق مسلمین جائز ہے۔ احادیث مبارکہ اور ہمارے فتاوٰوں میں اسکی تصریحات موجود ہیں۔

کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر قرآن پڑھا جائے اور اس کے بعد ایصالِ ثواب اور دعا کی جائے۔ یہ بھی علماء اہل سنت کے یہاں تو جائز ہی ہے۔ علماء دیوبند کے معتبر مشائخ اور اساتذہ! شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور حاجی امداد اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں بھی جائز لکھا ہے۔

میت کے لیے ایصالِ ثواب کون کرتا ہے اور کس چیز کا ثواب بخشتا ہے؟ میت کو اس کا علم ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ایصالِ ثواب کرنے میں جس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اس کی پسندیدہ چیزوں کا صدقہ کیا جاتا ہے، اس سے میت کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا مرحوم کی پسندیدہ اشیاء پر فاتحہ دلانا مسلمانوں کا معمول چلا آ رہا ہے۔ میت، عالم برزخ میں کوئی چیز کھانے اور پینے کے لائق نہیں ہے۔ اس لیے مسلمان کبھی یہ خیال بھی نہیں کرتا ہے کہ میں جو کھانا غرباء کو کھلا کر میت کے لیے ایصالِ ثواب کر رہا ہوں یہ کھانا میت کو پہنچ جائے گا اور میت اس کھانے اور پانی سے کھا پی کر نفع اٹھائے گی۔ غرض یہ کہ مرحومین تک فاتحہ کا کھانا وغیرہ نہیں پہنچتا بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

سوئم، برسی، چہلم اور اس کے کھانے کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کسی مسلمان کے انتقال کے بعد اس کے ایصالِ ثواب کے لیے سوئم، دسواں، اور چالیسواں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) برسی یا چہلم کا کھانا گھر کے افراد کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟
وضاحت فرمائیں ۔

الجواب :-

(۱) اہل سنت کے نزدیک مسلمان اپنے ہر نیک کام کا ثواب دوسرے مسلمانوں کو بخش سکتا ہے ۔ جس کو ثواب بخشا جائے وہ زندہ ہو یا مردہ دونوں صورتوں میں جائز ہے ۔ فتاوی شامی میں ہے ۔

و فی البحر من صام او صلی او تصدق و جعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز و یصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع ثم قال و بهذا علم انه لا فرق بین ان یکون المجعول له میتا او حیا۔

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ٦٦٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور بحر الرائق میں ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اسکا ثواب اپنے علاوہ مردوں اور زندوں کو پہنچایا تو جائز ہے اور اس کا ثواب اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان تک پہنچے گا ۔ اسی طرح بدائع میں ہے پھر فرمایا اور اس سے معلوم ہوا کہ مجعول لہ (جس کو ثواب بھیج رہا ہے) کے زندہ یا مردہ ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

سوئم ، دسویں اور چالیسویں میں قرآن ختم کیا جاتا ہے اور کلمہ شریف پڑھا جاتا ہے نیز فقراء کو کھانا کھلایا جاتا ہے ۔ قرآن اور کلمہ شریف خود پڑھے گا تو بہت اچھا ہے یا دوسروں سے پڑھوائے اور وہ ثواب اس کو بخش دیں ، دونوں طرح ہو سکتا ہے ۔

(۲) عام مسلمانوں کی برسی ، چالیسویں اور سوئم کا کھانا غرباء کو کھلانے سے میت کو اس صدقے کا ثواب ملے گا ۔ لہٰذا غرباء کو کھلانا چاہیے ۔ اور مالداروں کو ایسا کھانا ، کھانا مناسب نہیں ۔

سوئم اور چہلم کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :-

جناب مفتی صاحب !
السلام علیکم

بعد سلام گزارش ہے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد سوئم ، دسواں ، بیسواں اور چالیسواں کیا جاتا ہے ، اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے کیا ہو اور امت کو اس فعل کے کرنے کا حکم دیا ہو تو کسی حدیث کا حوالہ دیں ۔ اگر اس فعل کے کرنے کا حکم نہیں ہے تو پھر اس فعل کے کرنے کے لیے ہمیں

کیوں کہا جاتا ہے ؟ بے چارے غریب ، مسکین اور نادار لوگ اس فعل کو قرض لے کر کرتے ہیں تو آیا یہ جائز ہے ؟ ایصالِ ثواب کرنے میں انکار نہیں مگر اس طریقہ سے کرنا شریعت میں کہاں تک جائز ہے ؟ برائے مہربانی اس سے متعلق فتویٰ ارسال کریں ۔

فقط : سید غلام حیدر ، عبداللہ ہارون روڈ ، کراچی

الجواب :-

ایصالِ ثواب فی نفسہ شرعاً جائز ہے ۔ جس طرح اور دنوں میں فاتحہ جائز ہے ان دنوں یعنی سوئم اور چہلم وغیرہ میں بھی نذر و نیاز جائز ہے ۔ یہ دن صرف عزیز و اقارب اور دوست احباب کی سہولت کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں تاکہ وہ آسانی سے ان میں شریک ہو سکیں ۔ یہ کس نے کہا یا لکھا ہے کہ قرض لے کر بھی ایصالِ ثواب کے لیے اشیاء تیار کی جائیں ۔

دیگر یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کام نہ کیا ۔ یہ شریعت کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ جہلاء یہ بات کرتے ہیں ۔ آپ کو جن لوگوں نے یہ منگھڑت بات بتائی ہے آپ بھی ان سے یہ دریافت کیجیے کہ کیا کسی حدیث میں ان امور کے کرنے کی ممانعت آئی ہے ؟ اگر آئی ہے تو پیش کریں ۔

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں کسی فعل کی ممانعت آئے گی تو وہ کام منع ہو جائے گا اور اگر ممانعت نہ آئی ہو تو وہ کام جائز ہے ۔ حدیث شریف میں ہے :

واحل حلالہ و حرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو

(ابو داؤد ، بحوالہ مشکوۃ المصابیح ، کتاب الصید والذبائح ، باب ما یحل اکلہ وما یحرم ، الفصل الثالث)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے حلال کو حلال فرمایا اور اپنے حرام کو حرام فرمایا پس جن چیزوں کو حلال فرمایا وہ حلال ہیں اور جنھیں حرام فرمایا وہ حرام ہیں اور جن کے بارے میں سکوت فرمایا وہ معاف ہیں ۔

اور جو کام مباح ہے ، مسلمانوں میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور سلف صالحین نے اسے پسند کیا ہے تو وہ کام مستحب ہو جاتا ہے ۔ درمختار میں ہے :

المستحب ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ترکہ اخریٰ وما احبہ السلف

(جلد اول ، صفحہ : ۹۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی مستحب وہ کام ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدھ مرتبہ کیا اور کبھی چھوڑ دیا اور جسے سلف صالحین نے پسند کیا ۔

اور عالمگیری میں ہے :

وانما یتمسک بافعال اہل الدین

(جلد : ۵ ، صفحہ : ۳۵۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی نیک لوگوں کے کام سے دلیل پکڑی جائے گی ۔

اہل سنت کے تمام معمولات " نجدیت " کے ظاہر ہونے سے پہلے تک پوری دنیائے اسلام میں مسلمانوں کے متفق علیہ معمولات تھے ، اس لیے مستحب ہیں ۔ سوئم ، دسواں ، چالیسواں وغیرہ میں قرآن خوانی اور غرباء و مساکین کے لیے کھانا تیار کرنا مستحب ہے ۔ اپنی برادری اور اہل محلہ کے لیے پکوانا منع ہے ، علامہ شامی اور علامہ طحطاوی وغیرہ نے اسے سختی سے منع کیا ہے ۔

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں :

(۱) یہاں اکثر احباب اہل سنت اپنے قریبی رشتہ دار و والدین کی وفات پر سوئم کے دن قرآن خوانی اور نعت شریف کی محفل منعقد کرتے ہیں اور اس کے بعد کھانا ہوتا ہے ، کیا یہ کھانا مالدار حضرات کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) والدین کی روح کو ایصال ثواب کے لیے ماہانہ یا سالانہ فاتحہ اور کھانا جو کیا جاتا ہے ، کیا اس کو خود کھا سکتا ہے اور عزیز و اقارب اور احباب کو اس میں مدعو کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :-

ایصال ثواب احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے ثابت ہے ، یعنی قرآن کریم ، درود شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ کسی بھی نیک کام کا ثواب مسلمان کو پہنچانا جائز ہے ۔ زندہ لوگوں کے ایصال ثواب کرنے سے مردوں کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے ۔ سوئم ، ماہانہ ، چالیسواں اور برسی یہ سب ایصال ثواب کی اقسام ہیں ۔ ان میں یہ ضروری ہے کہ یہ کام اچھی نیت اور خلوص سے کیا جائے ، نام و نمود کی غرض نہ ہو اور اس موقع پر ضرورت مندوں اور محتاجوں اور فقیروں کو کھانا کھلایا جائے ، عزیز و اقارب ، رشتہ داروں اور اغنیاء کو مدعو نہ کیا جائے ، کہ یہ دعوت کا موقع نہیں اور ان کو یہ کھانا کھلانا اچھا نہیں ۔

قرآنی خوانی پر اجرت لینا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ آج کل عام رواج یہ ہے کہ ایصال ثواب یا گھر میں خیر و برکت کے لیے قرآن خوانی کی جاتی ہے ۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل سوالات کے

جوابات عنایت فرمائیں۔

(۱) قرآن خوانی کی کچھ غیر مقرر رقم حفاظ کو دی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اکثر حفاظ مقرر بھی کر لیتے ہیں؟

(۳) ایک صاحب نے ایک حافظ کو ایک ہزار روپے ماہوار اس لیے دیا کہ ایک ماہ میری والدہ کی قبر پر قرآن کی تلاوت کرو۔ یہ رقم لینا یا دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک حافظ صاحب اپنے دوست کی والدہ کی قبر پر روزانہ تلاوت کرتے ہیں مگر ان کے دل میں یہ بھی ہے کہ یہ میری خدمت بھی کریں گے اب اگر ان کو کچھ دیا جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ایک صاحب نے ایک ملازم رکھا یہ نہیں بتایا کہ کام کیا ہے بعد میں کہا جائے کہ قبر پر قرآن خوانی کرو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۶) اکثر حفاظ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پڑھنے کی نہیں بلکہ وقت کی اجرت لیتے ہیں تو اسکا کیا حکم ہے؟

(۷) ایصالِ ثواب کے لیے چھپا کر دینا افضل ہے یا ظاہر کر کے؟

(۸) ایصالِ ثواب کے لیے عام دعوت افضل ہے یا مسجد، یتیم خانہ، مدرسہ کے لیے دینا یا دینی کتب خرید کر کسی کو دے دینا افضل ہے؟

سائل: شاہد محمد

الجواب:-

(۱) قرآن، ثواب کے لیے پڑھوانے پر اجرت لینا دینا حرام ہے۔ اس معاملہ میں طے کرنا تو ناجائز ہے ہی اور اگر طے نہ کیا اور پڑھنے کے بعد دینا اتنا شائع ہو چکا ہے کہ پڑھنے والا یہ سمجھ کر جاتا ہے کہ قرآن پڑھنے کے بعد وہاں کچھ ملے گا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر لینا دینا متعارف نہ تھا اور پڑھنے والے کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ پڑھنے کے بعد کچھ ملے گا یہ مسلمانوں کی ہمدردی میں ثواب کی نیت سے پڑھنے گیا تھا وہاں لوگوں نے ہدیۃً کچھ دے دیا تو لینا دینا جائز ہے۔

(۲) ناجائز ہے۔

(۳) یہ بھی ناجائز ہے۔

(۴) پڑھنے والے کے ذہن میں جب یہ ہے کہ کچھ ملے گا اور اس لیے پڑھ رہا تھا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

(۵) مہینے یا روزانہ کی تنخواہ پر کسی کو ملازم رکھنے میں اس سے اجارہ وقت کا ہوتا ہے جتنے وقت پر اجارہ ہوا ہے مزدور پر لازم ہے کہ وہ اتنا وقت وہاں گزارے جہاں گزارنا طے ہوا ہے۔ کبھی اجارے کے وقت کوئی

کام متعین نہ کیا تھا تو اتنا وقت گزارنے پر وہ اجرت کا مستحق ہو جائے گا اتنے وقت میں آجر جو چاہے کرائے اگر وہ کام نہ کرائے تو وہ بغیر کام کیے بھی وقت گزار دے جب بھی یہ اجرت کا مستحق ہو جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے :

لان اجارۃ اجیر الوحد لیست بعقد علی العمل ولهذا یستحق اجیر الوحد الاجرۃ بتسلیم نفسه فی المدۃ وان لم یعمل

(صفحہ : ١٥١ ، جلد : ٧)

اس لیے کہ اجیر خاص کا اجارہ عمل پر نہیں ہوتا اسی وجہ سے وہ اجرت کا مستحق اس وقت ہو جاتا ہے جب اس نے اپنے آپ کو مستاجر کے سپرد کر دیا اتنے وقت کے لیے جتنے وقت کے لیے اجارہ ہوا ہے اگرچہ کام ابھی نہ کیا ہو۔

پھر فرماتے ہیں :

وقد تقرر عندهم و عرفت فیما مر غیر مرۃ ان الاجیر یصیر بذالک الوقت اجیراً خاصاً وقد مر فی باب ضمان الاجیران الاجیر الخاص هو الذی یستحق الاجرۃ بتسلیم نفسه فی المدۃ وان لم یعمل

(صفحہ : ٢٠٦ ، جلد : ٧)

اور فقہاء کے نزدیک یہ طے شدہ بات ہے اور تم پہلے بھی کئی مرتبہ جان چکے ہو کہ اجیر اس وقت تک کے لیے اجیر خاص ہوتا ہے جب تک کے لیے اجارہ ہوتا ہے جیسا کہ ضمان اجیر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق اس وقت ہو جاتا ہے جب اپنے آپ کو مستاجر کے سپرد کر دے اگرچہ ابھی کام نہ کیا ہو۔

لہٰذا وقت پر کسی کو ملازم رکھا جائے اور اجارہ کے وقت قرآن پڑھنے کو متعین نہ کیا جائے تو اجارہ جائز ہے اس کے بعد آجر اس سے قرآن پڑھوائے یا جو چاہے کام کرائے یہ بھی جائز ہے۔

(٦) اجارہ کے وقت مطلق وقت پر اجارہ ہوا تھا قرآن پڑھنے کا ذکر نہ ہوا تھا تو اجرت لینا جائز ہے۔

(٧) یہ کام چھپا کر کرنا افضل ہوتا ہے مگر بعض صورتوں میں بالاعلان کرنا اچھا ہوتا ہے اور دارومدار نیت پر ہوتا ہے ، ریاکاری کی نیت سے کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ بلکہ جو اچھائی کی مصلحت تھی اس کی نیت سے ظاہر کرے مثلاً فرض نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ بالاعلان ادا کرے گا یہاں مقصود دفع تہمت ہونا چاہیے اور صدقات نافلہ میں بالاعلان اس نیت سے دینا بہتر ہے کہ اور لوگوں کو رغبت دلانا مقصود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر چندہ کی اپیلیں کیں۔ صحابہ نے سب کے سامنے چندہ دیا۔ بلکہ بعض صورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چندے کو ڈھیر کے اوپر رکھ کر سب کو دکھایا۔ یہ بہتر صورت ہے ، لیکن ریاکاری کی نیت قریب نہ آنے پائے۔

(٨) اہل میت کو ایسی عام دعوت کرنا جس میں مالداروں اور رشتہ داروں کو بلایا جائے بہت برا ہے۔ میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کھانا تیار کرنا اور غرباء کو کھلانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ صدقہ جاریہ کے کام بھی مثلاً مسجد و مدرسہ بنوانا ، دینی کتب خریدوا دینا بھی جائز ہیں۔ مگر اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ مرحوم نے اگر حج نہ کیا

توجہ بدل کرایا جائے اور اس کی طرف سے روزے اور نماز کا فدیہ دیا جائے۔ ہر ایک وقت کی نماز کا فدیہ اتنا ہے جتنا صدقہ فطر ہے اور ایک نماز کا پورا فدیہ ایک غریب شخص مستحق زکوٰۃ کو دیا جائے۔ ایک نماز سے کم فدیہ کسی کو نہ دیا جائے۔ ہاں ایک سے زیادہ نماز اور روزوں کا فدیہ ایک آدمی کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ روزانہ چھ نمازوں کا فدیہ دیا جائے یعنی پانچ فرائض ایک وتر کا۔ وارث جتنی نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے گا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی نمازوں اور روزوں کے بدلے مرحوم کی طرف سے یہ فدیہ قبول فرمائے گا۔

زندگی میں ہی قبر کی جگہ مخصوص کرنا اور اپنے ایصالِ ثواب کے لیے سوئم وغیرہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی زندگی میں اپنی قبر کے لیے جگہ مخصوص کر لیتا ہے اور اپنا سوئم اور چہلم وغیرہ اپنی موت سے پہلے ہی کر لیتا ہے۔ تو آیا یہ سب چیزیں درست ہیں؟ کیا وہ شریعت کی رو سے ایسا کر سکتا ہے؟ اور یہ سب کام کرنے کے بعد وہ کہیں جنازہ وغیرہ میں یا کسی دنیاوی کام کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں؟ تفصیل سے آگاہ فرمائیں!

الجواب:-

قبرستان عام طور پر وقف ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی جگہ اپنی زندگی میں مخصوص نہیں کر سکتا اور اپنے گھر میں دفن کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کی مملوکہ زمین ہے تو اس میں دفن ہونے کی وصیت کر سکتا ہے اور جگہ بھی معین کر سکتا ہے۔ مگر اسکا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ معلوم نہیں کہ اس کی موت کہاں واقع ہو گی۔

سوئم اور چالیسویں وغیرہ میں تلاوت اور کلمہ شریف کا ورد ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اپنی زندگی میں کلمہ شریف اور قرآن کی قراءت کثرت سے کرنا اس سے بہت زیادہ اچھا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد دوسرے لوگ کریں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں یہ کام کر لینا چاہیے۔

تدفین کے موقعہ پر ورثاء کی طرف سے شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا

الاستفتاء:-

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں:

(۱) ہمارے علاقے میں جب میت کو قبر میں اتارتے ہیں تو اس موقع پر قبرستان میں چھوہارے یا گڑ وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور اس کام کو اچھا اور ضروری سمجھتے ہیں۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیے!

(۳) اسی طرح قبر پر اگربتی وغیرہ جلاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) میت کو قبر میں اتارنے اور سرہانے کی طرف تختے رکھنے کے بعد قبر میں گلاب کا پانی چھڑکنے کا کیا حکم ہے؟

مندرجہ بالا سوالات کا جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد عبداللہ، لسبیلہ، نیا آباد، نقشبند

الجواب:-

مسلمان میت کے لیے ایصالِ ثواب کرنا اہل سنت کا معمول ہے اور صدقات کر کے میت کو ثواب پہنچانا، دفن سے پہلے یا دفن کے بعد گھر یا قبرستان میں، ہر جگہ جائز ہے۔ اس کو کوئی مسلمان ضروری نہیں سمجھتا بلکہ مستحب جان کر ہی کرتا ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

و السنة ان یتصدق ولی المیت له قبل مضی اللیلة الاولی بشئی مما تیسر له فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین ثم یهد ثوابهما له قال و یستحب ان یتصدق علی المیت بعد الدفن الی سبعة ایام کل یوم بشئی مما تیسر

(حاشیة الطحطاوی، صفحہ: ۳۳۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی سنت یہ ہے کہ میت کا ولی میت کے لیے پہلی رات گزرنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے جو بھی اسے میسر ہو اور اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھکر اس کا ثواب میت کو بخشدے۔ (صاحب شرعۃ الاسلام) فرماتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ دفن کے بعد سات دن تک جو بھی میسر ہو میت کے لیے صدقہ کرتا رہے۔

لہٰذا چھوہارے اور گڑ صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) اور (۳) میت پر خوشبو چھڑکنا سنت ہے بلکہ غسل کے وقت ہی سے جہاں غسل دیا جائے وہاں میت کو خوشبو کے لیے دھونی دینا، کفن کو دھونی دینا یا میت کے کفن پر خوشبو ڈالنا مستحب ہے۔ لہٰذا گلاب کا پانی چھڑکنا بھی مستحب ہے۔ اگربتی جلانا بھی خوشبو کے لیے ہے لیکن اگربتی قبر پر گاڑ کر نہ جلائی جائے بلکہ قبر کے قریب کسی جگہ گاڑ دینا چاہیے۔ قبر کے اوپر اچھا نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غم کے موقع پر دعوت اور اس میں شرکت

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل صورتوں کے بارے میں کہ :

کیا غم کے موقع پر کھانے کی دعوت کرنا شرعاً جائز ہے ؟

کیا ایسی دعوت سے میت کو کوئی فائدہ پہنچے گا ؟

کیا دعوت کرنے والے اور اس میں شرکت کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوں گے ؟

کھانے کی دعوت شرعاً کس موقع پر جائز ہے ؟

احقر: میاں محمد صدیق مغل قادری رضوی ، دہلی کالونی ، کراچی

الجواب:-

سوال میں مذکور ابتدائی تینوں صورتیں ناجائز ہیں ۔ غم کے موقع پر دعوت کرنا سخت قبیح و ناجائز ہے ۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے :

کنا نری الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ

(ابن ماجہ ، صفحہ : ۱۱٦ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

ہم (صحابہ کرام) میت والوں کے گھر جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نیاحت شمار کرتے تھے ۔

" نیاحت " میت پر نوحہ کرنے والوں کو کہتے ہیں اور یہ حرام ہے اور کثرت سے احادیث میں اس کی حرمت آئی ہے ۔ فتح القدیر میں ہے :

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور و ھی بدعۃ مستقبحۃ

(جلد دوم ، صفحہ : ۱۰۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت کرنا مکروہ (تحریمی) ہے کہ شریعت نے ضیافت ، خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں ۔ اور یہ بری بدعت ہے ۔

یہی مضمون مراقی الفلاح ، خلاصۃ الفتاویٰ ، فتاویٰ سراجیہ ، فتاویٰ ظہیریہ ، فتاویٰ قاضی خان ، درمختار اور شامی وغیرہ میں بھی ہے ۔ اس طرح پتہ یہ چلا کہ فقہ کی بکثرت کتابوں میں اس کھانے کو سخت ممنوع اور بدعت قبیحہ بتایا گیا ہے ۔ لہٰذا اس کو بند کرنا چاہیے ۔ ہاں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے اگر غرباء کو کھانا تقسیم کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔ وہ اہل خانہ کی مرضی پر ہے ۔ جب انہیں اطمینان وسکون ہو اس کھانے کا انتظام کریں ۔

ایسی دعوتیں کرنے والے یا انتظام کرنے والے بھی گناہ گار ہیں اور ایسی دعوتوں میں شرکت کرنے والے بھی شریک گناہ ہیں ۔ میت کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا ۔ اور اگر میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے اور ترکہ کے مال سے ایسی دعوتوں کا انتظام کیا گیا تو وہ سخت حرام ہے اور جو ان دعوتوں کا انتظام کرنے والے ہیں وہ

یتیم کا مال کھانے پر جو وعیدیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں ان سب وعیدوں کی زد میں آتے ہیں۔

میت کے گھر کھانا پکانے اور کھانے سے متعلق متفرق مسائل

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان دین متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) میت کو دفنانے کے بعد گھر آنے پر میت کے گھر والوں کی طرف سے تمام افراد کو، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا غیر، کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا میت کے رشتہ دار، عزیز و اقارب یا پڑوسی وغیرہ میت والے گھر کھانا بھجوا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) میت والے گھر پر کتنے دن تک چولہا بند رہے گا۔ کیا وہ خود پکوا کر کھا اور کھلا سکتے ہیں؟

(۴) اگر رشتہ دار اپنی جیب سے خرچ کر کے کھانا کھلا دیں اور سوئم سے فارغ ہونے کے بعد میت کے گھر والے خرچ شدہ رقم اپنے رشتہ داروں کو دینا چاہیں تو کیا وہ ان سے خرچ شدہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ کہا جاتا ہے کہ میت کے گھر سے تین دن کھانا جائز نہیں اور میت کے کفن دفن وغیرہ پر جو خرچ کیا گیا وہ وارثین میت سے لے سکتے ہیں، جبکہ میت کے وارث مال دار ہیں۔

(۵) شریعت میں میت کا سوگ 3 دن ہے۔ تو کیا سوئم دوسرے دن بھی رکھا جا سکتا ہے؟ اگر سوئم دوسرے دن ہو گیا تو کیا میت کے گھر والے تیسرے دن کام کاج پر جا سکتے ہیں؟

(۶) ہماری قوم میں سوئم، چاہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، کے بعد پہلی جمعرات کو دسواں اور دوسری جمعرات کو بیسواں ہوتا ہے۔ تو ان دونوں کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور کس طرح کرنا چاہیے، شرعی طریقہ کار کیا ہے، کیا صحابہ کرام، تابعین یا تبع تابعین نے ایسا کیا ہے؟

(۷) شریعت میں چہلم کی کیا حیثیت ہے، اسے کس طرح ادا کرنا چاہیے، اور چہلم کہاں سے شروع ہوا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام نے کسی کا چہلم کیا ہے یا نہیں؟

(۸) ہماری قوم میں چہلم کرنے کا طریقہ کار مندرجہ ذیل ہے، کیا یہ طریقہ درست ہے یا غلط؟

(i) چہلم کے روز میت کے گھر والوں کی طرف سے پوری برادری کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ کسی کے ہاں ایک دن اور کسی کے ہاں دو دن۔ جسکا کل خرچہ کسی کا تقریباً 60,000 کسی کا 100,000 اور کسی کا 200,000 تک بھی ہو جاتا ہے۔ جو کہ یتیم بچوں کو بھی برادری کے رسم و رواج کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔

(ii) میت والے گھر میں پوری برادری والے دس پیسے یا ۲۵ پیسے فی خاندان کے حساب سے جمع کرتے ہیں جو کہ بعد میں غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔

(iii) وفات کے دن سے لے کر چالیسویں تک جو حافظ صاحب قرآن پڑھنے آتے ہیں تو چالیسویں کے روز

میت کے قریبی رشتہ دار اور میت کے گھر والے ۵۰۰ روپے یا جو بھی ہو جمع کر کے اور دو جوڑے کپڑوں کے، حافظ صاحب کو سرعام اسی محفل میں دیتے ہیں۔

(iv) چالیسویں کے کھانے کے بعد برادری کے لوگ بیٹھتے ہیں۔ اس میں میت کے وارثین کو ان کے قریبی رشتہ دار، جنہوں نے میت والے گھر میں اپنی بیٹی یا بہن نکاح میں دی ہوئی ہے، اپنے داماد، لڑکی اور ساس وغیرہ کو جوڑے یا پیسے دیتے ہیں۔

(v) میت کے پس ماندگان میں سب سے بڑے لڑکے کی دستار بندی چالیسویں کے دن کی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ کیا یہ رشتہ داروں کی طرف سے ہونی چاہیے یا گھر والوں کی طرف سے؟

(vi) ہماری برادری میں سوگ کے دنوں میں گوشت نہیں پکایا جاتا اور سوگ بھی بیسویں کے بعد گوشت پکا کر توڑا جاتا ہے۔ اور گوشت بھی بیسویں کے روز رشتہ دار اپنی طرف سے اس لیے لاتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کا سوگ توڑا جائے گا۔ اگر میت کے وارثین اپنے پیسوں سے گوشت لے آئیں تو برادری میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے۔

ازراہ کرم ہماری برادری اور دوسرے لوگوں کی اصلاح شرعی کے لیے ان مذکورہ سوالات کا نمبروار الگ الگ، مسلک حنفی اہل سنت کے مطابق جلد جواب عنایت فرمائیں۔ کسی سوال کا جواب بھی بغیر کسی دلیل اور حوالہ تحریری کے نہ دیں۔ کیونکہ یہاں یہ مسائل زیر غور ہیں۔

نوٹ:- جوابات جلدی ارسال کریں۔ کیونکہ دن رات اسی پر بحث ہو رہی ہے۔ پہلی فرصت میں جواب ارسال فرمائیں کیونکہ اگلے مہینہ میں چالیسویں پر یہ فتوے پیش ہونے ہیں۔ شرعی فتویٰ سے سرفراز فرمائیں! بینوا و توجروا

المستفتی: سجاد الحسن عفی عنہ

الجواب:-

(۱) اہل میت کی طرف سے کھانے کا یہ انتظام ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

کنا نری الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ

(ابن ماجہ، صفحہ: ١١٦، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ہم (صحابہ کرام) میت والوں کے گھر جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نیاحت شمار کرتے تھے۔

نیاحت کی حرمت میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ فقہ حنفی میں بھی اس مسئلے پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ (جلد دوم، صفحہ: ١٠٢، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اھل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت مکروہ (تحریمی) ہے کہ شریعت نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں۔ اور یہ بری بدعت ہے۔

تفصیل کے لیے رجوع کیجیے: خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ تاتار خانیہ، فتاویٰ ہندیہ، فتاویٰ قاضی خان، تبیین الحقائق، بحر الرائق، بزازیہ اور شامی وغیرہ۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے جب تمام وارث بالغ ہوں اور سب اپنی خوشی سے یہ انتظام کر رہے ہوں۔ اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے تو کھانے کا یہ انتظام سخت حرام ہے اور قرآن کریم کی اس وعید میں داخل ہے:

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۱۰)

وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں۔

اگر غریبوں اور محتاجوں کے لیے کھانا پکوائیں اور تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں اور وہ اپنے مال سے کریں یا ترکہ سے تو اچھا ہے۔ خانیہ، بزازیہ، تاتار خانیہ اور ہندیہ میں یہی مضمون ہے، بزازیہ کے الفاظ یہ ہیں:

ان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً ولو فی الترکۃ صغیر لا یتخذ منھا

(فتاوی بزازیہ بر حاشیہ عالمگیری، جلد: ۶، صفحہ: ۳۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر غریبوں و محتاجوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے تو اچھا ہے اور اگر ورثاء میں کوئی نابالغ ہے تو پھر ترکہ میں سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

(۲) صرف پہلے دن میت کے عزیز و اقارب اور پڑوسیوں کے لیے مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا پکوا کر بھیجیں جسے پس ماندگان دو وقت کھا سکیں اور انھیں اصرار کر کے کھلائیں۔ مگر یہ کھانا صرف پس ماندگان ہی کے لیے سنت ہے۔ دوسرے لوگ جو جمع ہو جائیں ان کے لیے نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

حمل الطعام الی صاحب المصیبۃ والاکل معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز و بعدہ یکرہ

(جلد (۵)، صفحہ: ۳۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اہل میت کے یہاں کھانا لے جانا اور ان کے ساتھ کھانا، ان کے میت کی تجہیز میں مشغول ہونے کی وجہ سے، پہلے دن جائز ہے اور اس کے بعد مکروہ ہے۔

(۳) ایک دن کے بعد میت کے اہل خانہ اپنے گھر والوں کے لیے بھی کھانا پکائیں اور میت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکا کر غرباء کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

(۴) ایک دن کھانا بھیجنے کا حکم تو اوپر بتا دیا گیا ہے۔ اسکے بعد اگر اہل قرابت میں سے کوئی شخص اہل میت کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ کرتا ہے تو یہ شرعاً اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اسی طرح تجہیز و تکفین میں اگر

ان کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو واپس لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۵) سوگ کی زیادہ سے زیادہ مدت 3 دن ہے۔ اسکا یہ مقصد نہیں ہے کہ تین دن تک ہر کوئی سوگ منائے۔ پہلے دن کے بعد لوگ اپنا کام کاج کرنے کے لیے جا سکتے ہیں اور ایصالِ ثواب تو پہلے دن بھی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ لہذا سوئم دوسرے یا تیسرے دن جب چاہیں کریں۔

(۶) اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق ایصالِ ثواب جائز ہے جس دن چاہیں کریں۔ دس یا بیس دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ لوگوں نے اپنی سہولت کے لیے سوئم، دسویں، بیسویں اور چالیسویں کے لیے دن اس لیے مقرر کیے کہ بلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لوگ خود ہی ان دنوں میں قرآن خوانی اور فاتحہ میں شریک ہو جائیں گے۔

(۷) اسکا جواب وہی ہے جو سوال نمبر۶ کا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ کی کتاب "جاء الحق" کا مطالعہ فرمائیں۔

(۸) (i) یہ رسم بالکل ناجائز ہے اور اگر وارث نابالغ ہوں تو سخت حرام ہے۔

(ii) غرباء اور مساکین کو میت کے ایصالِ ثواب کے لیے جو دینا چاہے وہ خود دے دے۔ اہل میت کو دینے کی ضرورت نہیں۔

(iii) ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے۔ اور جس طرح طے کر کے لینا حرام ہے، اسی طرح "المعہود کالمشروط" (جو بات سب کے ذہن میں ہو وہ طے شدہ معاملے کا حکم رکھتی ہے) کی بناء پر بغیر طے کیے ہوئے بھی اجرت لینا اور دینا، ناجائز ہے۔

(iv) یہ سب ناجائز ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر فتاوی سے نقل کیا کہ یہ کام خوشی کے موقع کے ہیں نہ کہ غمی کے موقع کے۔

(v) اگر یہ کام گھر کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے بڑے بیٹے کو مقرر کرنے کی غرض سے ہے اور اس میں اہلیت بھی ہے تو ایسا کرنا جائز ہے اور اگر اس میں اہلیت نہیں ہے تو اچھا نہیں ہے۔ جس میں اہلیت ہے اس کی دستار بندی کر دی جائے۔

(vi) یہ رسم ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن ام عطیۃ قالت کنا نُنھٰی ان نُحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشہر و عشرا

(بخاری، جلد اول، صفحہ: ۴۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ہمیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ سے منع کیا گیا ہے۔ مگر شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن سوگ (یعنی عدت) ہے۔

زندہ شخص کی طرف سے عمرہ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دینِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زندہ آدمی کی طرف عمرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ دو افراد کے درمیان بحث ہوئی، ایک کا کہنا ہے کہ زندہ آدمی کی طرف سے عمرہ نہیں ہو سکتا، جبکہ دوسرے کا کہنا ہے کہ زندہ آدمی کی طرف سے عمرہ ہو سکتا ہے۔

لہذا آپ سے دست بستہ عرض ہے کہ اس مسئلہ کو حل فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب:-

ایصالِ ثواب زندہ اور مردہ دونوں کے لیے کرنا جائز ہے۔ در مختار میں ہے:

الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما لہ جعل ثوابہا لغیرہ

یعنی قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی عبادت کی وہ اپنی عبادت کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے۔

"لغیرہ" پر علامہ شامی نے لکھا:

ای من الاحیاء والاموات

یعنی وہ غیر جس کے لیے ایصالِ ثواب کرنا چاہتا ہے زندوں میں سے ہو یا مردوں میں سے۔

لہذا صورت مسئولہ میں زندہ شخص کے لیے بھی عمرہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح خواہ وہ عبادت مالی ہو یا بدنی، ہر ایک کا ایصالِ ثواب کر سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے "بعبادۃ ما" پر لکھا ہے:

ای سواء کانت صلاۃ او صوماً او صدقۃ او قراءۃ اور ذکراً او طوافاً او حجا او عمرۃ او غیر ذلک من زیارۃ قبور الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام و الشہداء والاولیاء و الصالحین و تکفین الموتی و جمیع انواع البر

(شامی، جلد دوم، صفحہ: ٢٥٦، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی وہ عبادت خواہ نماز ہو یا روزہ، صدقہ و تلاوتِ قرآن پاک ہو یا ذکر الٰہی، طواف و حج ہو یا عمرہ، اسکے علاوہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، شہداء، اولیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت اور مُردوں کی تکفین اور دیگر تمام قسم کی نیکیوں کا ثواب، پہنچایا جا سکتا ہے۔

فدیہ، اسقاط اور حیلہ کے مسائل

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں کہ: بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے

بعد میت کی چارپائی جنازہ گاہ میں ہی رکھی رہتی ہے اور لوگ ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے ہیں اور قرآن مجید لایا جاتا ہے جو ایک کپڑے میں لپٹا ہوا ہوتا ہے اسکے ساتھ اسقاط کی رقم اور کچھ چھوہارے یا گڑ وغیرہ بھی لایا جاتا ہے۔ تین دفعہ ان سب چیزوں کو دائرے میں موجود لوگوں کے درمیان چکر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ رقم اور چھوہارے وغیرہ تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسقاط اور دورانِ قرآن بدعت ہے۔ دونوں جانب سے لوگ لڑائی جھگڑے اور قتل و قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔

براہ کرم مستند کتب کے حوالہ جات کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں، تاکہ فریقین کے لیے مسئلہ واضح ہو جائے۔

المستفتی: جمیل احمد ہزاروی، P.E.C.H.S. کراچی

الجواب:-

مرنے والا اپنے ذمے جو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ باقی چھوڑ کر مرا، اور مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے ترکہ میں سے ان عبادات کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اس وصیت پر عمل واجب ہو جاتا ہے۔ اور وصیت کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگر مرحوم نے وصیت نہ کی ہو اور اس کے بالغ ورثاء اپنی جانب سے فدیہ ادا کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے اور اگر اس کا ترکہ اتنا نہیں ہے جس سے فدیہ ادا کیا جا سکے یا ورثاء حاجت مند ہیں اور وہ فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو وہ ایسا کریں کہ دس یا پانچ نمازوں کا حساب کر کے گندم یا اس کی قیمت لے لیں اور کسی غریب کو دے دیں، وہ غریب شخص پھر ان کو واپس دے دے یا کسی دوسرے غریب کو اس نیت سے دے دے کہ مرنے والے کی طرف سے میں فدیہ دے رہا ہوں یا کسی کو ھبہ کر دے۔ پھر وہ واپس ولی کو دے دے، ولی پھر بہ نیت فدیہ کسی غریب کو دے دے تو اس طرح جتنی مرتبہ لینا دینا ہوگا، حساب کرتے رہیں گے اور یوں ہی عمر بھر کی قضا نمازوں کا فدیہ ادا کریں گے، اسی طرح روزے کا بھی۔ فدیہ ادا کرنے کو "اسقاط" کہتے ہیں۔ اسقاط کے معنی ہیں: میت کے ذمہ جو فرائض باقی تھے ان کو اس کے ذمے سے ساقط کر دینا۔ جبکہ تھوڑے سے مال کے ذریعے مذکورہ بالا طریقے پر فدیہ ادا کرنا "حیلہ اسقاط" کہلاتا ہے اور اس کا جواز ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

وان لم یوص و تبرع عنہ ولیہ جاز و لایصح ان یصوم ولا ان یصلی عنہ وان لم یف ما اوصٰی بہ عما علیہ یدفع ذلک المقدار للفقیر فیسقط عن المیت بقدرہ ثم یھبہ الفقیر للولی و یقبضہ ثم یدفعہ للفقیر فیسقط بقدرہ ثم یھبہ الفقیر للولی و یقبضہ ثم یدفعہ الولی للفقیر وھکذا حتٰی یسقط ماکان علی المیت من صلٰوۃ و صیام

(نور الایضاح، باب صلٰوۃ المریض، فصلٌ فی اسقاط الصلٰوۃ والصوم)

اور اگر (متوفی) نے وصیت نہیں کی اور ورثاء نے اس کی طرف سے (فدیہ) ادا کر دیا تو یہ جائز ہے۔ البتہ

میت کی طرف سے روزے رکھنا اور نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ اور اگر ورثا میں وصیت پوری کرنے کی ہمت نہیں تو انہیں چاہیے کہ حساب کرکے معینہ مقدار کسی فقیر کو دیں، پس میت کی طرف سے معین مقدار کے برابر (فرض) ساقط ہو جائے گا۔ پھر فقیر ولی کو لوٹا دے اور ولی قبضہ کر لے۔ پھر وہ فقیر کو دے گا تو معینہ مقدار کے مساوی مزید فرض ساقط ہو جائے گا۔ پھر فقیر ولی کو ہبہ کر دے گا اور وہ اس پر قبضہ کر لے گا اور پھر ولی فقیر کو دے گا۔ اس طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ میت کی طرف سے نمازیں اور روزے ساقط ہو جائیں۔

اسی مضمون کی عبارتیں عالمگیری، شامی اور بحرالرائق وغیرہ میں بھی ہیں۔ اس مقصد کے لیے لوگوں کو دائرہ میں بٹھائیں یا نہ بٹھائیں، برابر ہے۔ مگر لوگوں نے دائرہ بنانا شروع کیا تو اس کا نام دائرہ اسقاط ہو گیا۔ فدیہ میں گندم بھی دے سکتے ہیں اور اس کی قیمت بھی، اتنی قیمت کا کپڑا یا کوئی اور چیز بھی دے سکتے ہیں اور قرآن مجید بھی دے سکتے ہیں۔ مگر قرآن مجید جتنے ہدیہ میں خریدا گیا ہے وہی اس کی قیمت ہے، اتنی ہی قیمت حساب کر کے فدیہ میں دیا جا سکتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ قیمت لگا کر فدیہ میں دیں گے تو اس زیادتی کو فدیہ میں شمار نہیں کیا جائے گا اور اگر قرآن پاک فدیہ میں دینے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ جو رقم رکھی ہے وہی فدیہ میں دی جا رہی ہے اور قرآن مجید کو برکت کے لیے ساتھ رکھ دیا گیا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس دائرہ اسقاط میں صرف وہی لوگ بیٹھیں گے جو زکوٰۃ لینے کے اہل ہوں گے مالدار اور سید اس میں نہیں بیٹھ سکتے۔

الاستفتاء:-

نماز یا روزوں کا فدیہ کس قسم کے لوگوں کو دیا جا سکتا ہے؟

کیا اس میں زکوٰۃ کی طرح کچھ حدود و قیود ہیں؟

کیا بہت سی نمازوں یا روزوں کا فدیہ یکمشت کسی شخص یا ادارے کو دیا جا سکتا ہے یا ایک ایک نماز یا روزے کا فدیہ، فرداً فرداً ایک ایک آدمی کو دینا ضروری ہے۔

الجواب:-

نماز، روزے کا فدیہ انہیں لوگوں کو دیا جا سکتا ہے، جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اور بہت سی نمازوں اور روزوں کا فدیہ یکمشت کسی ایک شخص کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ کسی ادارے کو دیں تو اس کو مطلع کر دیں کہ یہ فدیہ کی رقم ہے۔ تاکہ اسے مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے، کفارے میں کھانا کھلانے کی جگہ اگر نقد رقم دینا چاہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ جتنے آدمیوں کو کھانا کھلانا واجب تھا، اتنے ہی آدمیوں کو رقم دی جائے یا ایک آدمی کو اتنی مرتبہ رقم دی جائے۔ یکمشت دینے سے کفارہ ادا نہیں ہو گا۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ دائرہ اسقاط میں مالدار بھی شامل کیے جاتے ہیں کیا مالدار کا فدیہ لینا اور اس کو

دیا جائز ہے ؟ اسقاط کن لوگوں کے لیے اور کن صورتوں میں جائز ہے ؟

سائل : عبدالرحمن ہزاروی ، لانڈھی ، کراچی

الجواب:-

اس دائرے میں صرف وہ لوگ بیٹھیں گے ، جو زکوٰۃ لینے کے اہل ہوں گے ۔ مالدار اور سادات اس میں شامل نہیں ہوں گے ۔

حیلہ صرف ان لوگوں کے لیے کیا جائے گا جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کیا جا سکے ۔ اگر اس کے پاس اتنا مال ہے تو اپنے مال سے فدیہ ادا کرے گا ۔

ایصالِ ثواب کے لیے جانور مختص کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ " جانور پر کسی غیر خدا کا نام لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے ۔ اگرچہ ذبح کے وقت " اللہ اکبر " کہہ کر ذبح کیا جائے ۔ لیکن نیت میں غیر خدا کا نام ہے یعنی غوث پاک یا کسی اور بزرگ کی طرف منسوب ہے تو وہ جانور حرام ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے ۔ " تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد جعفر شیخ

الجواب:-

قرآنِ کریم میں ہے :

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

(سورۃ (۵) ، المائدۃ ، آیت : ۳)

اور جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے ۔

اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس سے مراد بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا ہے ۔ کفار اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے اس کی ممانعت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ مسلمان جو جانور اولیاء کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے پالتے ہیں اور ذبح کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی " بسم اللہ اللہ اکبر " پڑھ کر ذبح کرتے ہیں ، ان کا مقصد یہ ہے کہ ذبح تو اللہ کے نام پر کریں گے اور اس جانور کے گوشت پر بزرگانِ دین کی فاتحہ کر کے مسلمانوں کو کھلائیں گے ، یہ جائز ہے ۔ اس کو حرام کہنے والے وہی لوگ ہیں جو فاتحہ اور عرس کو ناجائز کہنے کے لیے بہانے تلاش کرتے ہیں ۔ اگر وقتِ ذبح کے علاوہ جانور پر غیر اللہ

کا نام لینے سے جانور حرام ہو جاتا ہے تو " میری بکری " کہنے سے بھی یہ بکری حرام ہو جانی چاہیے اور اگر مقصد یہ ہے کہ بہ نیت ایصالِ ثواب جانور حرام ہو جاتا ہے تو گوشت فروخت کرنے والے نفع کمانے کی غرض سے جتنے جانور ذبح کرتے ہیں وہ سب حرام ہونے چاہئیں ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے :

ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فى زماننا حلال طيب لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح وان كانو ينذرونها

(صفحہ : ۴۵ ، مطبوعہ : مکتبہ حقانیہ ، پشاور)

بے شک وہ گائے جو اولیاء کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے نذر مانی گئی ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے ، حلال اور طیب ہے ۔ کیونکہ اس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے نیاز کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ شرع مسائل ذیل میں کہ :

(۱) شریعت میں بزرگانِ دین کا عرس کرنا کیسا ہے ؟

(۲) قرآن پاک کا ثواب بزرگوں کو بخشنا شرعی لحاظ سے کیسا ہے ؟

جواب دے کر مشکور فرمائیں ۔

سائل : شیر ملک ، کراچی

الجواب :-

(۱) کسی بزرگ کے انتقال کے دن اس کے مزار پر جمع ہو کر قرآن خوانی یا مجلسِ وعظ منعقد کرنا یا ایصالِ ثواب کے لیے لنگر تقسیم کرنا ، " عرس " کہلاتا ہے ۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے مزار پر :

على رأس كل حول

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ٦٦٥ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی ہر سال کے شروع میں تشریف لے جایا کرتے تھے ۔

یہی عرس کی حقیقت ہے اور تمام دنیا کے سلف صالحین اور مسلمانوں کا صدیوں سے یہی معمول رہا ہے ۔

لہذا یہ جائز ہے۔ اب اگر اس میں لوگوں نے جہالت کے باعث ناجائز باتیں مثلاً قوالی، گانا بجانا اور عورتوں کا جانا وغیرہ شامل کر لیا ہے تو اس کو روکا جائے گا مگر اس کی وجہ سے عرس ممنوع نہیں ہو جائے گا۔ علامہ شامی نے اپنے فتاوی میں اس کی تنصیص کی ہے کہ:

منکرات کی وجہ سے زیارتِ قبور سے منع نہیں کیا جائے گا۔

(جلد اول، صفحہ: ٦٦٥، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جو لوگ مزارات پر نہیں پہنچ سکتے اور اپنے گھروں پر ہی بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ ایصالِ ثواب کے لیے نہ کوئی وقت شرط ہے نہ کوئی جگہ۔ ہر جگہ ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ایصالِ ثواب کرنا حدیثوں سے ثابت ہے۔ سوائے معتزلہ کے تمام امت کا اس پر اتفاق ہے۔ لہذا ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا حکم

الاستفتاء:-

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ ہم سے سوال کیا گیا کہ شیرینی یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ کیوں کرتے ہیں؟ آج کل (B.A, M.A) کے مسلمان طلبہ یہ کہتے ہیں کہ نیاز فاتحہ کا کھانا نہیں کھانا چاہیے، یہ غیراللہ کا کھانا ہے۔ برائے مہربانی اس مسئلہ کا شرعی حل بتائیں۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو!

سائل: خاکسار ایس شاہ زمان ہاشمی، سکھر

الجواب:-

کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر قرآن مجید میں سے کچھ سورتیں پڑھی جائیں اور اس کے بعد ایصالِ ثواب اور دعا کی جائے، یہ اہلسنت کے نزدیک جائز ہے۔ بخاری و مسلم میں ایک طویل حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے روٹی توڑ کر اس پر گھی ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آگے مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

ثم قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماشاء اللہ ان یقول

(مسلم شریف ، جلد دوم ، صفحہ : ۱۶۹ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی اس کھانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دعائیہ کلمات کہے ، اور جو اللہ نے چاہا وہ پڑھتے رہے۔

اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے جس میں الفاظ ہیں :

و دعا فیہا بالبرکۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے پر برکت کے لیے دعا فرمائی۔

یہی فاتحہ ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا جائے اور دعا کی جائے۔ اسی لیے زمانۂ دراز سے اہل سنت میں فاتحہ دینا مروج ہے۔ جو لوگ فاتحہ کے کھانے کو غیر اللہ کا بنا کر حرام بتاتے ہیں اور قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ :

وما اہل بہ لغیر اللہ

(سورۃ (۵) المائدۃ ، آیت : ۳)

اور جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا وہ حرام ہے۔

پڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کریمہ کا مطلب تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے نام کی جگہ کسی دوسرے کا نام لے کر جانور ذبح کیا جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کرتا بلکہ ہر مسلمان اللہ کا نام لے کر یعنی " بسم اللہ اللہ اکبر " پڑھ کر ذبح کرتا ہے اور غرباء کو کھلا کر اس کا ثواب بزرگان دین اور اپنے آباء و اجداد کو بخشتا ہے ، اس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ ، جن کی کتاب "نورالانوار" اصول فقہ میں اہم ترین کتاب ہے اور تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے ، اپنی تفسیر "تفسیرات احمدیہ" میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں :

اما البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھوالرسم فی زماننا حلال طیب

(صفحہ : ۴۵ ، مکتبہ حقانیہ ، پشاور)

وہ گائے جو اولیاء کرام کے ایصالِ ثواب کے لیے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے ، (ذبح کے بعد) حلال و طیب ہے۔

اور اگر وقتِ ذبح کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لینے سے چیز حرام ہو جائے تو جو یہ کہے کہ "یہ بکری میری ہے" ، "یہ قربانی میرے نام کی ہے" ، "یہ کھانا میری والدہ کے لیے ہے" ، "یہ بیوی میری ہے"۔ پھر یہ سب چیزیں بھی حرام ہو جائیں گی۔ (مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ "الحجۃ الفاتحہ" بھی ملاحظہ فرمائیں۔)

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر جو فاتحہ دی جاتی ہے، اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا قرآن وحدیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے؟ مہربانی فرما کر مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

فقط: جمال الدین، کورنگی، کراچی

الجواب:-

کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا اور دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے، مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا تھا:

ثم قال فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ماشاء الله ان يقول

(مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ: ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اس کھانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دعائیہ کلمات کہے، اور جو اللہ نے چاہا وہ پڑھتے رہے۔

اور اسی صفحہ پر دوسری حدیث میں "دعا" کا لفظ بھی ہے یعنی اور دعا فرمائی۔ فاتحہ میں یہی دونوں کام مسلمان کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کونڈوں کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ عوام میں حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ کے "کونڈے" مروج ہیں، ان کی شرعی طور پر کیا حیثیت ہے؟

کونڈوں کی فاتحہ سے پہلے لکڑھارے کی کہانی پڑھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس فاتحہ کی کوئی چیز گھر سے باہر نہ جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد ندیم اقبال سعیدی

الجواب:-

اہلسنت کے نزدیک جیسے ہر فاتحہ جائز ہے اسی طرح کونڈوں کی فاتحہ بھی جائز ہے۔ لکڑہارے کی کہانی منگھڑت ہے۔ کھانے کی ہر چیز کے متعلق ادب سکھایا گیا ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے: "دسترخوان پر جو گر جائے اسے اٹھا کر کھالو" فاتحہ کے کھانے پر قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے مسلمان اس کا زیادہ ادب کرتے ہیں اسی وجہ سے لوگوں نے یہ شرط لگائی کہ وہیں بیٹھ کر کھالیں، باہر نہ لے جائیں اس شرط کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہاں بھی کھا سکتے ہیں اور باہر بھی لے جاسکتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کا طریقہ

الاستفتاء:-

جب کسی کے گھر میں میت ہو جاتی ہے تو اس موقع پر تعزیت کے لیے آنے والوں کا قرآن کا پارہ پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ کچھ لوگ پارہ پڑھ کر چلے جاتے ہیں، کچھ اخیر دعا تک ٹھہرتے ہیں، دعا کرنے والا اپنی زبان سے کہتا ہے اس ختمِ قرآن کا ثواب مرنے والے کو پہنچے جبکہ خود پڑھنے والے خاموش ہوتے ہیں یا جا چکے ہوتے ہیں کیا اس طرح میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے؟

الجواب:-

جی ہاں اس طرح میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ پڑھنے والے نے اسی نیت سے پڑھا ہے۔ دعا اگرچہ ایک شخص مانگتا ہے اور دوسرے لوگ آمین کہتے ہیں۔ ان کا "آمین" کہنا بھی دعا ہے۔

ماہ صفر کا آخری بدھ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ماہ صفر کے "آخری بدھ" کو کارخانوں کے ملازمین مٹھائی طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز صحت یاب ہو کر غسل فرمایا تھا اور یہ عمل عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے۔

الجواب:-

ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحت یاب ہوئے تھے اور غسلِ صحت فرمایا تھا، درست نہیں ہے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض کے کہ جس

میں آپ نے پردہ فرمایا تھا، تندرست نہیں ہوئے۔ کچھ لوگ اس ماہ کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں بلائیں نازل ہوتی ہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس ماہ میں کوئی بلا نازل نہیں ہوتی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث "لا ھامۃ ولا صفر" کی شرح کرتے ہوئے "اشعۃ اللمعات" میں تحریر فرمایا ہے کہ "لوگوں کا یہ کہنا کہ صفر کے مہینے میں بلائیں نازل ہوتی ہیں یہ غلط ہے"۔

ماہ صفر کا حلوہ اور بلاؤں کا اترنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا صفر کا مہینہ "منحوس" ہے؟
کیا ماہ صفر کے ابتدائی حصہ میں یعنی پہلی تاریخ سے لیکر تیرہویں تاریخ تک سفر، شادی اور نکاح وغیرہ منع ہے۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

تیرہویں تاریخ کو چُوری یا حلوہ وغیرہ پکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس مہینے میں بلاؤں اور مصائب کا کثرت سے نزول ہوتا ہے؟ عوام میں یہ بہت مشہور ہے۔ وضاحت فرمائیں!

سائل: عبداللہ، محمدی کالونی، کراچی

الجواب:-

صفر کے مہینے میں کوئی نحوست نہیں ہے۔ عوام میں جو باتیں مشہور ہیں وہ غلط ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ھامۃ ولا صفر

(جلد دوم، کتاب الطب، باب لا ھامۃ ولا صفر)

اس کی شرح میں شیخ محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں:

دریں جا اقوال بسیار ست نزد بعضے مراد ماہ مشہور است کہ پس از محرم بیاید و عامہ آنرا محل نزول بلایا و حوادث و آفات وارند ایں اعتقاد نیز باطل است و اصلے ندارد

(اشعۃ اللمعات، جلد: ۳، صفحہ: ٦٢٠، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

یعنی اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں بعض لوگوں کے نزدیک صفر سے مراد وہ مہینہ ہے جو محرم کے بعد آتا ہے اور عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں حوادث، آفتیں اور بلائیں نازل ہوتی ہیں یہ اعتقاد باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

سب جائز کام اس مہینے میں بھی جائز ہیں۔ مثلاً شادی، بیاہ وغیرہ۔ "تیرہ تیزی" کا عقیدہ بھی اسی

غلط عقیدہ پر مبنی ہے کہ اس مہینے میں بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہے تو یہ سب مفروضے بھی لغو ہیں اور تیرہ تیزی کا مفروضہ بھی بالکل باطل ہے۔

شب ِبراءت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل میں کہ:

شعبانِ معظم کی پندرہویں شب میں عبادت اور دن کے روزہ کی فضیلت ہے یا نہیں؟ اگر فضیلت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے تو وہ حدیثیں لکھ کر ممنون فرمائیں۔

ایک مولوی صاحب شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت کو صحیح نہیں سمجھتے اور حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ مشرک اور بدعتی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر جو درود و سلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سن سکتے۔ اس شخص کو کسی مسجد کا امام یا خطیب بنانا صحیح ہے یا نہیں؟

اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بزرگ کے وسیلے سے دعا مانگتا ہے، مثلاً کہتا ہے کہ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک کی برکت سے میری مغفرت فرما یا میری تکلیف دور فرما، تو اس طرح دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

شکر گزار: اہل محلہ قیوم آباد، کراچی

الجواب:-

قرآن مجید میں ہے:

انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبٰرکۃ

(سورۃ (۴۴) دخان، آیت: ۳)

بے شک ہم نے اُسے برکت والی رات میں اتارا،

اس آیت مبارکہ کے بارے میں تقریباً تمام مفسرین نے صحابہ کرام سے دو تفسیریں نقل کی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مبارک رات سے مراد "لیلۃ القدر" ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد پندرہویں شعبان کی رات یعنی "شب براءت" ہے۔ اور ابن ماجہ میں حدیث ہے:

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا و صوموا نھارھا فان اللہ ینزل فیھا لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا من مستغفرلی

فاغفرلہ الا مسترزق فارزقہ الا مبتلی فاعافیہ الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو اس رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے قریب ہوتی ہے غروبِ آفتاب کے وقت سے آسمان دنیا پر۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پکارتی ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا؟ کہ میں اس کے گناہوں کو معاف کردوں، ہے کوئی رزق طلب کرنے والا؟ کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مصیبت میں مبتلا؟ کہ میں اسے عافیت دوں، ہے کوئی ایسا؟ ...... ہے کوئی ایسا؟ ...... یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

ایک دوسری حدیث ابن ماجہ ہی میں ہے کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ شبِ براءت، میں نے حضور صلی اللہ علیہ کو "جنت البقیع" میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں شعبان کے مہینے کی پندرھویں رات کو آسمانِ دنیا پر نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بنی کلب (عرب کا ایک معروف و مالدار قبیلہ) کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

اور ایک حدیث میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن

(سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان)

یعنی شعبان کی پندرھویں رات میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرماتا ہے اور مشرک اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں گمراہ ہوجانے والے شخص کے علاوہ تمام مخلوق کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

جو شخص احادیث مبارکہ نیز تمام مفسرین اور محدثین کی آراء کو رد کرتا ہے اور شبِ براءت کے وجود اور اسکی فضیلت کی نفی کرتا ہے، وہ جاہلِ محض اور گمراہ ہے۔

آپ نے جتنی باتیں لکھی ہیں، تمام دیوبندی یہی کہتے ہیں۔ ہم، صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر حدیث، فقہ اور صالحین کے اقوال سے یہ باتیں ثابت کرتے ہیں۔ حیاتِ انبیاء کے بارے میں حدیث ہے:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق

(ابنِ ماجہ، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، الفصل الثالث)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے، اللہ کے انبیاء زندہ ہیں، انہیں روزی دی جاتی ہے۔

حدیث معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے سابقین میں سے بعض کے اپنی قبور میں نماز پڑھنے کی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے۔

(مسلم شریف، جلد ثانی، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ، صفحہ: ۲۶۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

شہداء کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیآء ولکن لا تشعرون ٥

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۱۵۴)

اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں خبر نہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیآء عند ربھم یرزقون ٥

(سورۃ (۳) آل عمران، آیت: ۱۶۹)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔

یہ تو ہوئی انبیاء اور شہداء کی بات جو اپنی قبروں میں زندہ ہیں اب مردوں کی قوت سماعت کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم

(ابو داؤد، حصہ دوم، کتاب الجنائز، باب المشی بین القبور فی النعل)

بے شک میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفنانے والے جب واپس جاتے ہیں تو ان کے جوتوں کی کھٹ کھٹ کو مردہ سنتا ہے۔

غرض ان تمام عقائد اہل سنت کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ دیوبندی خود گمراہ ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "جاء الحق" کا مطالعہ کیجیے۔

ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔ اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی۔ وہ واجب الاعادہ ہیں۔ اس طرح دعا مانگنا جائز ہے۔

مسجد یا گھر میں میت کو ایصالِ ثواب کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ
میت کے ایصالِ ثواب کے لیے مسجد ، گھر یا کسی اور جگہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا ، جائز ہے یا ناجائز؟

سائل : ابو عمیر ، جہانگیر روڈ ، کراچی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا جائز ہے ۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کو مدعو کرتے تھے ۔ " الاذکار امام نووی " میں ہے :

کان انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا ختم القرآن جمع اہلہ و دعا

(صفحہ : ۹۷ ، مطبوعہ : دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

انس بن مالک ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کو جمع کرتے اور دعا فرماتے ۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ منقول ہے کہ بزرگانِ دین ختم قرآن کے موقع پر مجمع کا اہتمام فرماتے تھے ۔

عن مجاہد قال : کانوا یجتمعون عند ختم القرآن یقولون : تنزل الرحمۃ

(صفحہ : ۹۸ ، مطبوعہ : دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

اور حضرت مجاہد سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگ ختم قرآن کے موقعہ پر جمع ہوتے تھے ، وہ کہتے ہیں کہ (ایسے موقعہ پر) رحمت نازل ہوتی ہے ۔

حلال

جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ اگر جانور کو عقدہ سے اوپر گردن کے بالکل قریب سے ذبح کر دیا جائے تو جانور حلال ہوگا یا نہیں ؟ یا ایسا جانور جو فوق العقدہ سے ذبح کیا گیا ہے تو اس کے کھانے پر شرعاً کیا حکم ہے ؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

پالتو جانوروں میں ذبح اختیاری کی جگہ حلق کی ابتداء سے سینہ کی ابتداء تک پوری گردن ہے ، یعنی عقدہ کے اوپر یا نیچے کسی جگہ سے ذبح کریں ، ذبح ہو جائے گا یہ ذبیحہ حلال ہے ، چار رگیں کٹ جانا چاہیں یا کم از کم تین کٹ جائیں ، جب بھی ذبیحہ حلال ہوتا ہے ۔ درمختار اور دوسرے فتاوی میں ہے :

الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ بالفتح المنحر من الصدر

ذبح میں حلق اور سینے کی ابتدائی ہڈی کے درمیان سے ذبح کرنا مختار ہے ۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا :

فالمعنی بین مبدا الحلق ای اصل العنق

(فتاوی شامی ، جلد پنجم ، صفحہ : ٢٠٦ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

پس مبداء حلق کا معنی گلے کی اصل ہے ۔

آسٹریلیا کی گائے کا حکم

الاستفتاء:-

میں ایک گائے کا دودھ وغیرہ استعمال میں لاتا ہوں، جو کہ آسٹریلیا کی گائے کہلاتی ہے۔ بظاہر اس کی شکل وصورت عام گائے جیسی ہی ہے، لیکن اس نسل کے کوہان (جو کہ ہماری دیسی نسل میں ہوتا ہے) بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ بھینس کی طرح سیدھی پشت ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ گائے، اس کا دودھ، اس کا گوشت اور اس کی قربانی ناجائز ہے، کیونکہ زیادہ دودھ دینے کے لیے گائے کو کسی حرام جانور کے ساتھ مخلوط کیا گیا ہے۔ چونکہ ہم لوگ اس کا دودھ گھر میں استعمال کر رہے ہیں اس لیے پریشانی میں مبتلا ہیں کہ کیا واقعی ہم سے کوئی غیر شرعی حرکت تو نہیں ہو رہی ہے؟

لہٰذا مہربانی فرما کر اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالیں، تاکہ ہمیں بھی اور معترضین کو بھی صحیح مسئلے کا علم ہو سکے۔

سائل: فضل محمد

الجواب:-

جب ان گایوں کی شکل وصورت گایوں جیسی ہی ہے اور خوراک بھی گایوں جیسی کھاتی ہیں تو صرف کوہان نہ ہونے سے ان کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف افواہ کا اعتبار کر کے کوئی چیز حرام نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اگر کوئی شخص ثابت کر دے کہ فلاں اور فلاں جانور کو باہم ملا کر کے یہ گائے پیدا ہوتی ہے۔ تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ اگر نر حرام جانور تھا اور مادہ حلال تو اس کا بچہ حلال ہوگا۔ اور اگر مادہ حرام جانور تھی اور نر حلال تو ان کا بچہ حرام ہوگا یعنی جانوروں میں مادہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

ان كان الفرس نزا على الاتان وان كان الحمار نزا على الرمكة فقد قيل لا يكره.

(جلد (۵)، كتاب الذبائح، الباب الثانى فى بيان ما يؤكل من الحيوان وما لا يؤكل)

یعنی خچر اگر اس طرح پیدا ہوا کہ نر گھوڑے کو گدھی پر چھوڑا گیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر گدھے کو گھوڑی پر تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ مکروہ (تحریمی) نہیں ہے۔

لہٰذا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس گائے کی ماں حرام جانور تھی، تو گائے حرام ہوگی اور یہ ثابت ہو نہیں سکتا اس لیے کہ بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے اگر ماں حرام ہوتی تو اس گائے کی شکل گائے جیسی نہ ہوتی۔

شارک مچھلی کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کے آپ اس مسئلے میں میری رہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

جناب عالی! آج کل شہر میں فرائی مچھلی والے سرمئی مچھلی کے نام پر " شارک " مچھلی فرائی کر کے فروخت کر رہے ہیں اور مارکیٹ میں بھی یہ کھلے عام سرمئی کے نام سے دستیاب ہے جو سادہ لوح مسلمان بے حد شوق سے خریدتے اور کھاتے ہیں۔ جبکہ میری ناقص رائے یہ ہے کہ شارک مچھلی کھانا حرام ہے، کیونکہ یہ مردار خور مچھلی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا شارک مچھلی کھانا حلال ہے یا حرام؟ اسی طرح وہیل مچھلی کے متعلق بیان فرمائیں اور دیگر یہ کہ حرام اور حلال مچھلی میں تمیز کس طرح کی جائے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہماری مدد فرمائیں تاکہ اگر شارک مچھلی حرام ہے تو میں اور میرے رفقاء اور دیگر مسلمان اس حرام خوری سے بچ سکیں۔

الجواب:-

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے۔ مچھلی کے علاوہ دوسرے تمام دریائی و سمندری جانور حرام ہیں۔ شارک بھی ایک قسم کی مچھلی ہے۔ المنجد میں اسکی جو تصویر ہے وہ بالکل مچھلی کی ہے اور ابھی کچھ دن پہلے اسکی تصویر جنگ اخبار میں چھپی وہ ویسی ہی تھی۔ اسکی غذا کے متعلق المنجد میں لکھا کہ وہ چھوٹی مچھلیاں کھاتی ہے اور دوسرے دریائی جانور بھی اس سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ تو ہر مچھلی کی غذا ہے۔ بڑی مچھلیاں، چھوٹی مچھلیوں کو کھا لیتی ہیں اس لیے یہ وجہ حرمت نہیں ہو سکتی۔ سوال میں جیسا لکھا ہے یہ مچھلی مردار خور ہے۔ اس سے اگر مراد یہ ہے کہ دریا کے مردہ جانور کو کھاتی ہے تو اس سے حرمت نہیں ہوگی اور اگر مراد یہ ہے دریا میں جو انسانی مردے ڈال دیئے جاتے ہیں وہ کھاتی ہے تو اس کی یہ مستقل غذا نہیں ہے بلکہ یہ اس گائے کی طرح ہے جو کبھی کبھی نجاست کھا لیتی ہے اس لئے جب تک عام غذا کے طور پر مردہ خوری پر گزارہ نہ کرے گی حلال رہے گی۔ جیسا کہ دوسرے حلال جانوروں کا حکم ہے جب وہ سب حلال ہیں تو اس مچھلی کے کھانے اور بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

اہلِ کتاب کا ذبیحہ

الاستفتاء:-

میں آپ کی توجہ ایک نہایت اہم مسئلہ کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کی وساطت سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

میں اپنے بچوں سے ملنے کے لیے پچھلے دنوں امریکہ گیا ہوا تھا۔ جہاں سب سے سنگین اور کٹھن معاملہ حلال گوشت کے حصول کا تھا۔ دور دراز کے شہروں سے مل تو جاتا ہے مگر بہت مہنگا۔ اور جو گوشت یہودیوں اور عیسائیوں کی مقامی دکانوں پر بکتا ہے وہ نسبتاً سستا ہوتا ہے۔ وہ مسلمان جو کافی عرصہ سے امریکہ میں رہائش پذیر ہیں ان میں سے 80 , 90 فیصدی لوگ بازاری گوشت کھا لیتے ہیں، میں چونکہ امریکہ میں نیا گیا تھا اس لیے میرا دل بازاری گوشت کھانے کو نہیں مانا۔

ایک مرتبہ خود ذبح کرنے کے ارادے سے ایک گائے خریدی جو بہت طاقتور تھی۔ اس گائے کو ذبح کرنے کے لئے بھی مجبوراً امریکی بوچڑ (قصائی) سے مدد حاصل کرنا پڑی۔ گائے کھڑی کر کے اس نے اس کے ماتھے پر گولی ماری۔ گائے فوراً گر پڑی، میں پہلے ہی چھری لیے کھڑا تھا، "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر گائے کے گلے پر چھری پھیر دی، خون بہنے لگا، اس کی کٹائی وغیرہ بھی امریکی بوچڑ سے کرانا پڑی، اس کے اوزاروں کی صفائی اور دھلائی بھی کروادی تھی مگر میرے دل میں وساوس قائم رہے۔

امریکہ میں بہت سے مسلمان رہتے ہیں۔ کچھ باریش ہوتے ہیں اور کچھ عام قسم کے مسلمان، ان میں سے کئی ایک سے میں نے اپنی یہ تکلیف بیان کی۔ ایک صاحب نے صحیح بخاری شریف جلد سوم باب: ۲۱۰، حدیث نمبر: ۴۰۴، صفحہ: ۲۱۷، کے حوالہ سے بتایا کہ اہل کتاب کی لڑکی ہمارے لیے حلال ہے اور ان کا ذبیحہ بھی ہمارے لیے حلال ہے۔ انہوں نے بتایا کہ "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر کسی جانور پر پتھر مارا جائے تو جانور مر بھی جائے تو اسے کھانا جائز ہے، خرگوش کے پیچھے شکاری کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا جائے، خرگوش کو کتا زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لائے تو وہ بھی جائز ہے، بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائی جائے اور جانور مر بھی جائے تو وہ جائز (حلال) ہے۔

پڑھنے والوں میں سے کوئی صاحب اس مسئلہ کو حل کر دیں تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔

نوٹ:- میں نے امریکہ سے خطیب بادشاہی مسجد لاہور کو ایک خط لکھا تھا لیکن انہوں نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اب میں یہاں فیصل آباد آیا ہوا ہوں، یہاں سے بھی ایک خط دوبارہ ان کو لکھا، لیکن انہوں نے دوسرے خط کا بھی کوئی جواب نہیں دیا جس کا مجھے بہت دکھ ہوا جس کی مجھے اتنے بڑے عالم سے قطعاً توقع نہ تھی۔ اس کے علاوہ میں نے انچارج "تفہیم دین" پروگرام کراچی ٹیلی ویژن کے نام یہ مسئلہ حل کرنے کے

لیے ایک خط لکھا لیکن انہوں نے بھی نہ تو اس کا براہ راست جواب دیا اور نہ ہی ٹیلی ویژن پر اس کا جواب نشر کیا۔ حالانکہ میں نے جواب کے لیے جوابی لفافہ بھی ان کو بھیج دیا تھا۔ غور فرمایئے ایسے اہم مسئلوں کے لیے ہم جائیں تو کہاں جائیں؟

سائل: علی احمد، گلبرگ کالونی، فیصل آباد

الجواب:-

جناب علی احمد صاحب! آپ نے اخبار کا تراشہ بھیجا ہے، اس میں چند سوالات ہیں:

(۱) اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

(۲) گولی یا پتھر مار کر کسی جانور کو مار دیا جائے جبکہ مارنے والا بسم اللہ پڑھ کر مارے۔ تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۳) بسم اللہ کہہ کر خرگوش پر کتا چھوڑا جائے اور کتا خرگوش کو زندہ یا مردہ حالت میں پکڑ لائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

لہٰذا بلحاظ ترتیب جواب دیئے جا رہے ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا:

و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم

(سورۃ (۵) المائدہ، آیت: ۵)

اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

اسی طرح حدیثوں میں بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کو ہمارے لیے حلال بتایا گیا ہے۔ مگر آج کل اہل کتاب کی اکثریت اہل کتاب نہیں بلکہ مذہب سے منحرف ہو چکی ہے۔ ان کا ذبیحہ حرام ہے اور جو واقعی الہامی مذاہب کے قائل ہیں اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ذبیحہ کے لیے بھی وہی شرط ہے جو مسلمان کے ذبیحہ کے لیے ہے۔ جیسے قرآن میں بیان فرمایا:

فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایٰتہ مؤمنین

(سورۃ (٦) الانعام، آیت: ۱۱۸)

یعنی کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔

لہٰذا اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال سمجھا جائے گا جب مسلمان کے سامنے ذبح کیا ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے۔ وہ گوشت جو یورپ کی دکانوں میں بکتا ہے، مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ اس لیے کہ یہ معلوم نہیں کہ وہ جانور ذبح بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ اور ذبح کرنے والا کتابی ہے یا مذہب سے بیزار، دہریہ۔ اور اگر کتابی ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا ہے یا نہیں؟

(۲) ذبح کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک اختیاری اور دوسری اضطراری۔ ذبح اختیاری یہ ہے کہ جو جانور پالے ہوئے ہیں یا شکار کے جانور کو جال وغیرہ کی مدد سے پکڑ لیا ہے یعنی جن جانوروں پر یہ قدرت حاصل ہو کہ ان کو پکڑ کر گردن پر دھار دار چیز سے "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر ذبح کیا جا سکتا ہے۔ جیسے عام طور پر گائے و مرغی وغیرہ ذبح کی جاتی ہیں۔ اس میں یہ شرط ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان اور عاقل ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے، یا اگر کتابی ہو تو پہلے سوال کے جواب میں جو شرطیں ذکر کی گئیں وہ پائی جانی چاہئیں۔

ذبح اضطراری یہ ہے کہ جانور ہمارے ہاتھ میں نہ ہو اور اس کو پکڑ کر ذبح کرنا ممکن نہ ہو جیسے جنگلی پرندے اور جانور وغیرہ یا پالتو جانور گائے، بیل، بھینس، اونٹ وغیرہ جب وحشی ہو جائیں کہ ان کو پکڑنا ناممکن ہو جائے تو ان دونوں کے ذبح کے لیے یہ طریقہ ہے کہ دھار دار چیز پر "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر اس جانور کو مارا جائے، زخمی ہو کر گرنے کے بعد اگر وہ جانور زندہ ہے اور اس پر قابو پا لیا گیا تو اس کو حلق سے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا ہوگا اور اگر قابو پانے سے پہلے وہ جانور مر جائے تو وہ حلال ہوگا۔ مگر یہ شرط ہے کہ دھاردار چیز ماری جائے لاٹھی، ڈنڈا، پتھر وغیرہ کوئی غیر دھار دار چیز ماری گئی اور جانور مر گیا تو وہ حرام ہے، حلال نہیں ہوگا۔

بخاری جلد ثانی کتاب الذبائح میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جانور کو نیزہ ماریں تو کس صورت میں حلال ہوگا اور کس صورت میں حرام؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دھار کی طرف سے لگے اور جانور کے جسم کو پھاڑ ڈالے تو کھا لو۔ اور جب لاٹھی یا ڈنڈا جو اس میں لگا تھا وہ جانور کو لگے اور جانور مر جائے تو وہ "موقوذہ" ہے۔ قرآن کریم میں "موقوذہ" (سورۃ (۵) المائدۃ، آیت: ۳) کی تفسیر یہ ہے کہ ڈنڈے سے جانور کو مارا جائے اور وہ مر جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دھاردار چیز سے مارنا ضروری ہے۔ گولی دھاردار نہیں ہے بلکہ پتھر کی طرح ہے جو جسم کو توڑ کر اندر گھس جاتی ہے۔ اس لیے بسم اللہ پڑھ کر بھی اگر جانور کو مارا جائے اور جانور مر جائے تو حرام رہے گا۔ چنانچہ امام بخاری اسی صفحہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

قال ابن عمر فی المقتولة بالبندقة تلک الموقوذة

(بخاری، جلد دوم، کتاب الذبائح والصید والتسمیة، باب صید المعراض)

یعنی غلیل سے جو جانور مارا جائے وہ موقوذہ ہے۔

اور موقوذہ کو قرآن نے حرام کیا ہے، تو بندوق کی گولی سے مارا ہوا جانور حرام ہوتا ہے جبکہ وہ مر جائے اور اگر اس کو زندہ پکڑ لیا جائے اور زخمی ہونے کے بعد ذبح کر لیا جائے تو حلال ہوگا۔ ذبح اضطراری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کتے، باز یا شکرے وغیرہ کو سکھایا جائے اور سکھانے کا معیار یہ ہے کہ کتے کو جب شکار پر چھوڑا جائے تو وہ سیدھا شکار پر جائے، شکار کو پکڑے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ شکاری اس جانور کو زندہ حالت میں پالے تو ذبح کرنا ہوگا اور اگر شکاری کے پہنچنے تک جانور مر جائے تو حلال ہوگا۔ لہٰذا اس سکھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے اور جب وہ شکار کرے تو مذکورہ بالا صورت پر عمل کیا جائے۔ شکاری پرندوں کا بھی

حکم یہی ہے کہ ان کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے مگر پرندوں کے سکھائے ہوئے ہونے کی پہچان دوسری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اس پرندے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے اور شکاری اس کو شکار کرنے سے پہلے ہی واپس بلانا چاہے تو وہ واپس آ جائے۔ یہ پرندہ سدھایا ہوا کہلاتا ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہوتا ہے کہ شکاری کو اس پرندے کا شکار کیا ہوا پرندہ اگر زندہ مل جائے تو ذبح کرنا ہوگا اور اگر وہ قابو میں آنے سے پہلے ہی مر جائے تو حلال ہوگا۔

یہ تو ذبح کے متعلق آپ کے سوالات کے جوابات ہیں۔ مگر امریکہ، انگلینڈ اور کینیڈا وغیرہ کے ان شہروں میں جہاں مسلمان بکثرت رہتے ہیں، حلال گوشت کی بہت سی دکانیں مسلمانوں نے کھول لی ہیں۔ لہٰذا مسلمان ان دکانوں سے گوشت لا کر ہفتہ بھر کے لیے رکھ لیتے ہیں اور جن شہروں میں مسلمان کم ہیں یا دیہاتوں میں رہتے ہیں وہ بھی یہی کرتے ہیں کہ کسی جگہ جانوروں کے فارم کھلے ہوئے ہیں وہاں جا کر بھیڑ یا بکری ذبح کرتے ہیں اور صاف کر کے گوشت بنا لیتے ہیں، ذبح کرنے کے بعد مسلمانوں کے سامنے یہودی، عیسائی یا مشرک بھی صاف کر کے گوشت بنا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ آپ نے گائے کو گولی مارنے کے متعلق جو سوال کیا ہے اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ ایسا کرنا نہیں چاہیے لیکن اگر ایسا ہو چکا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ گولی لگنے کے بعد ذبح کے وقت اس میں زندگی کی کیا کیفیت تھی؟ اگر اس میں اتنی حیات باقی تھی جتنی حلق پر ذبح کرنے کے بعد جانور میں ہوتی ہے اور اس کو ذبح کر لیا ہو تو وہ جانور حلال ہو جائے گا اور اگر ذبح کیے ہوئے جانور سے کم حیات تھی تو اب ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ اس کے پہچانتے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جانور پیر کس طرح ہلا رہا ہے اور کس طرح حرکت کر رہا ہے اسے دیکھ کر اندازہ کر لیا جائے۔

سری، پائے کو کھال سمیت کھانے کا حکم

الاستفتاء:-

آج کل بکرے اور گائے کے سری پائے کے بال جلا کر انھیں کھال کے ساتھ پکا کر کھایا جاتا ہے۔ اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا جلانے کے بعد کھال حلال ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح سری اور پائے کا پکا ہوا سالن حلال ہے یا حرام؟

الجواب:-

حلال جانوروں کی کھال حلال ہے اور بال وغیرہ صاف کرنے کے بعد اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

حلال جانور کو حرام جانور کا دودھ پلانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گائے کا بچھڑا جس نے کتیا کا دودھ پیا اور کافی عرصہ تک پیا ہے۔ کیا اس کا بیچنا یا ذبح کر کے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

جس گائے نے کتیا کا دودھ پیا ہے اس کو کچھ دن تک اس طرح رکھیں کہ وہ دودھ نہ پی سکے تو اس کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

الجدی اذا کان یربّٰی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاماً فلا باس لانہ بمنزلة الجلالة والجلالة اذا حبست ایاماً فعلفت لا بأس بھا

جلد : ۵ ، صفحہ : ۲۹۰ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

بکری کا بچہ (ایک سال تک کا) جب گدھی اور خنزیر کے دودھ پر پروان چڑھے تو اگر کچھ دنوں تک اسے چارہ کھلایا جاتا رہے تو (اسے کھانے میں) کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ جلالہ (پلیدی کھانے والی گائے) کی طرح ہے اور جلالہ کو کچھ دنوں تک باندھ کر چارہ کھلایا جاتا رہے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پانی پر دم کرتے وقت پھونکنا

الاستفتاء:-

پانی پر دم کر کے پھونکنا کیا درست ہے؟ حالانکہ پانی پیتے وقت سنت کے مطابق گلاس کو منہ سے ہٹا لیا جاتا ہے تاکہ سانس اس تک نہ پہنچ سکے گویا سانس باہر خارج کی جائے۔ اگر پانی پر دم کر کے پھونکنا اور اس کو پینا اس لیے جائز ہے کہ اس پر قرآنی آیات کا ورد ہوتا ہے اور درود شریف پڑھا جاتا ہے تو پانی پیتے وقت بھی تو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ برائے مہربانی جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:-

کوئی شخص جب پانی پی رہا ہو تو پانی کے برتن میں سانس نہ لینے کا حدیث میں حکم دیا گیا ہے:

جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اگر سانس لینے کے بعد بھی پانی پینے کا ارادہ ہو

تو برتن کو ہٹالے، پھر چاہے تو اور پیئے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الاشربۃ، باب التنفس فی الاناء)

پانی پیتے ہوئے جب سانس لی جائے گی تو ہوا ناک سے خارج ہو گی۔ اور ہوا جب اندر سے باہر آتی ہے تو اس میں اندرونی رطوبت کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس کے ملنے سے وہ پانی صحت کے لیے مضر ہو جائے گا اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ناک سے کوئی چیز نکل کر پانی میں گر جائے۔ اس لیے حدیث میں پانی پیتے وقت گلاس وغیرہ میں سانس لینے کی ممانعت فرما دی۔ دم کرنے کی یہ صورت نہیں ہے، نہ برتن منہ سے لگا ہوا ہوتا ہے اور نہ ہی اندر سے آمیزش والی سانس برتن میں جا رہی ہے۔

لہٰذا یہ قیاس ہی غلط ہے۔ البتہ دم کرتے وقت برتن کو منہ سے دور رکھنا چاہئے۔

ڈیٹول کے صابن سے نہانا

الاستفتاء:-

ڈیٹول (کیمیکل والا صابن) یا ڈیٹول (خارش کے لیے کیمیکل کی دوا) کے استعمال سے غسل ہو جائے گا؟ واضح رہے کہ ان چیزوں کے استعمال کے باعث جسم سے بدبو سی آنے لگتی ہے۔

الجواب:-

عام صابن یا ڈیٹول کے صابن سے نہانے کے بعد سادے پانی سے جسم کو پاک کرلینا چاہیے۔ اس لیے کہ صابن میں چربی استعمال ہوتی ہے معلوم نہیں کہ وہ چربی کس جانور کی ہوتی ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ پانی کے ساتھ صابن کو جسم سے خوب دور کرنے کے بعد بھی صاف پانی پورے جسم پر بہایا جائے تو غسل ہو جائے گا اور اس طرح بدبو بھی دور ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی دوا استعمال کی جائے جس میں مذکورہ خرابی نہ ہو اسی طرح ہر وہ چیز جس میں اسپرٹ یا کوئی دوسری ناپاک چیز ملی ہوئی ہو تو اس کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔

اسپرٹ کے ذریعے کھانا پکانا یا گرم کرنا

الاستفتاء:-

اسپرٹ سے پکایا ہوا کھانا یا اسپرٹ سے گرم کیا ہوا کھانا کھانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

اسپرٹ سے پکایا ہوا کھانا یا اس پر گرم کیا گیا کھانا جائز ہے۔ اسپرٹ ناپاک ہے مگر اس پر پکانے یا گرم کرنے سے کھانے میں ناپاکی نہیں پہنچتی۔ جیسے گوبر کے اپلوں پر پکانے یا گرم کرنے سے کھانے میں ناپاکی نہیں پہنچتی۔

پان کھاتے وقت وظیفہ پڑھنا

الاستفتاء:-

مسئلہ ذیل میں جواب مطلوب ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

تمباکو والا پان منہ میں رکھ کر کیا فاتحہ، درود اور دوسرے وظائف پڑھ سکتے ہیں؟

سائل: عبدالعزیز، بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں جب تک منہ میں تمباکو کی بدبو ہو، فاتحہ، وظیفہ اور درود نہیں پڑھ سکتے۔

تصویر والے بسکٹ کھانے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

نہایت ادب سے عرض ہے کہ درج ذیل سوالات کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں دے کر راہنمائی فرمائیں:

(۱) گھر میں ٹیلی وژن رکھنا جبکہ اس پر گانے اور تصویریں آتی ہیں درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے بسکٹ کھانا کیسا ہے جن پر حرام جانوروں مثلاً کتا، بلی اور ریچھ وغیرہ کی تصویریں بنی ہوئی ہوں۔ یہ تصویریں محض ڈبے کے اوپر ہی نہیں بلکہ بسکٹ پر بھی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

الجواب:-

(۱) گانے سننے، تصاویر اور دیگر خلاف شرع پروگرام دیکھنے کے لیے ٹیلی وژن رکھنا جائز نہیں۔

(۲) ایسے بسکٹ کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے تاوقتیکہ ان میں کسی حرام شئی کی آمیزش نہ ہو۔

تاہم مسلمانوں کو کھانے وغیرہ کی اشیاء پر بھی تصویر نہیں بنانی چاہیے۔

تصاویر والی کتب کی خرید و فروخت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ وہ کتابیں جن میں تصاویر چھپی ہوتی ہیں ان کا فروخت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ نیز یہ کہ تصویر کا بیچنا کیسا ہے؟

سائل: اعجاز احمد قادری، المدینہ بک ڈپو، ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں ان کتابوں کا بیچنا جائز ہے کہ یہ کتابوں کی خرید و فروخت کرنا ہے نہ کہ تصاویر کی۔ البتہ علیحدہ سے تصویر کا بیچنا حرام ہے۔

ریڈیو، ٹی وی اور وی سی آر ٹھیک کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے ضمن میں کہ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر اور وی سی پی وغیرہ، سائنس و ٹیکنالوجی کے آلات کی مرمت کرنا اور ان کے ذریعے روزی کمانا جائز ہے؟ آیا یہ کمائی حلال کی کمائی کہلائے گی؟ شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد اقبال ربانی، جہانگیر روڈ، گولیمار، کراچی

الجواب:-

سوال میں جن چیزوں کا ذکر ہے یہ سب مشینی آلات کے قبیل (قسم) سے ہیں۔ ان کے جائز و نا جائز ہونے کا حکم فی نفسہ ان پر نہیں، بلکہ ان کے استعمال پر ہوتا ہے۔ ان کا جیسا استعمال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔

لہٰذا ان کی مرمت کر کے روزی کمانا جائز ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ٹھیک کر کے جو روزی کمائی جاتی ہے، حلال ہے یا حرام؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:-

ریڈیو اور ٹیلی ویژن مشینی آلات ہیں ۔ ان سے جائز کام بھی لیے جاتے ہیں اور ناجائز کام بھی ۔ یہ صرف حرام کام کے لیے استعمال نہیں ہوتے اور نہ محض غلط کاموں کے لیے بنائے جاتے ہیں ۔ جس طرح چھری اور بندوق وغیرہ جیسے آلات سے جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی کاموں اور شکار میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہی سے انسان کو قتل کرنے والا فعل قبیح بھی کیا جاتا ہے ۔ لہذا جو آلات صرف معصیت کے لیے متعین نہ ہوں ، ان کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے ۔ تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مرمت کرنا بھی جائز ہے ۔ اسی طرح اس کی مرمت کی اجرت بھی حلال ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ٹیلی ویژن دیکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ٹی وی دیکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد اسلم ، لانڈھی ، کراچی

الجواب:-

ٹی وی کے ایسے پروگرام جو دینی ہوں اور جن میں عورت یا اس کی آواز نہ ہو ، دیکھنے اور سننے میں کوئی حرج نہیں ۔

خالی ویڈیو کیسٹ کی خرید و فروخت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ :

زید ایک تاجر ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ غیر ممالک سے اپنے ملک میں خالی ویڈیو کیسٹ درآمد کرے جبکہ اس کو یہ معلوم ہے کہ ان کیسٹوں کا 90 فیصد حصہ غلط کاموں میں استعمال ہوگا اور اس پر فلمیں اور گانے ریکارڈ کیے جائینگے نیز عریاں و فحش فلمیں بھری جائیں گی ۔ ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سوال یہ ہے کہ زید اگر ویڈیو کیسٹ درآمد کرے تو یہ اس کے لیے جائز ہوگا ؟ نیز اس سے حاصل شدہ آمدنی جائز ہوگی یا ناجائز ؟

شریعت کی رو سے مفصل جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب:-

کیسٹ صرف معصیت ہی میں نہیں بلکہ نیک کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کیسٹ منگانے اور بیچنے میں کوئی حرج نہیں استعمال کرنے والا جس جگہ استعمال کرے گا وہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

افیون کی کاشت کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ افیون کی کاشت اور تجارت جائز ہے یا ناجائز؟

برائے کرم فقہ حنفی کے مطابق مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: اللہ دوست، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

افیون دواؤں میں کام آتی ہے اور کھانے کے علاوہ خارجی طور پر بھی "لیپ" میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ دوا کے طور پر اتنی کم مقدار میں افیون کھانا جس سے نشہ اور عادت نہ ہو جائے اور یہ کہ عیاشی کے طور پر نہ ہو، جائز ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

وان البنج و نحوہ من الجامدات انما یحرم اذا اراد بہ السکر و ھو الکثیر منہ دون القلیل المراد بہ التداوی

(جلد: ۳، صفحہ: ۱۸۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی بھنگ اور اس جیسی دیگر جامدات اس وقت حرام ہوتی ہیں جب نشے کے ارادے سے استعمال کی جائیں، دوا وغیرہ کے طور پر استعمال کی جانے والی قلیل مقدار اس حکم میں شامل نہیں۔

در منتقٰی میں ہے:

بخلاف نوع آخر منہ فانہ مباح کالافیون

(الدرالمنتقٰی، جلد: ۲، صفحہ: ۵٤۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

افیون کی بیع بھی ان لوگوں کے ہاتھ جائز ہے جو عادی طور پر نہ کھاتے ہوں۔

درمختار میں ہے:

مفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون

(درمختار علی حاشیۃ ردالمختار، جلد: ۵، صفحہ: ۳۲۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع درست ہے۔

افیون کا پودا اور پھل مختلف طریقوں پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ خشخاش کو غذا میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور دوا میں بھی۔ پوست اور خشخاش مختلف دواؤں میں کام آتے ہیں اور افیون بھی پوست سے پیدا ہوتی ہے۔ جن پودوں کے پھلوں سے شراب جیسی قطعی حرام اشیاء بنائی جاتی ہیں اور غذا اور دوا میں بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً انگور وغیرہ، کے باغات لگانا جائز ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا تذکرہ بھی ہے:

و من ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكراً و رزقاً حسناً

(سورة (١٦) النحل، آيت: ٦٧)

اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے کہ اس سے نبیذ بناتے ہو اور اچھا رزق۔

اسی طرح خشخاش کی کاشت بھی جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حلال و حرام آمدنی کا اختلاط

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ

السلام علیکم

جناب عالی! آپ سے گزارش ہے کہ ایک شخص جس کی بس، ٹیکسی اور ہوٹل وغیرہ چل رہے تھے، بعد میں اس نے کالے دھندے یعنی چرس، شراب اور جوا وغیرہ کے اڈے چلانے شروع کر دیئے ہیں اور پہلے والا کاروبار بھی چل رہا ہے آمدنی سب "مکس" ہے۔ وہ شخص مسجد کی تعمیر میں عطیہ دینا چاہتا ہے۔ کیا اس کا پیسہ تعمیر مسجد میں لگ سکتا ہے؟ شرعی فیصلہ عنایت فرمائیں۔

احقر: دلاور خان، صدر کمیٹی، قریشی مسجد۔ نیو کراچی

الجواب:-

جس شخص کی آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کی ہے تو اگر علیحدہ علیحدہ مال رکھتے ہیں اور وہ حرام مال میں سے مسجد میں چندہ دیتا ہے یا مسلمانوں کی دعوت کرتا ہے تو وہ چندہ لینا اور دعوت کھانا، حرام ہیں، اگر حلال مال میں سے یہ کام کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دونوں قسم کی آمدنی ملائی گئی ہے کہ اب حلال و حرام مال کو جدا نہیں کیا جا سکتا تو اس کا عطیہ و چندہ وغیرہ جائز ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

اختلف الناس فی اخذ الجائزۃ من السلطان قال بعضهم یجوز مالم یعلم انه یعطیه من حرام قال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی و به ناخذ مالم نعرف شیاءً حراماً بعینه وهو قول ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی واصحابه

(جلد : ۵ ، صفحہ : ۳۳۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

بادشاہ سے انعام لینے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ (مال) حرام سے دے رہا ہے ، امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اور ہمارا مسلک بھی ہے کہ جب تک ہم جان نہ لیں کہ وہ چیز حرام بعینہ ہے ۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے ۔

کافر سے سود لینے نیز انشورنس کرانے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل سے متعلق :

(۱) مغربی ممالک میں سے بعض ممالک کا قانون ہے کہ آدمی اس وقت تک اس ملک میں رہائش اختیار نہیں کر سکتا جب تک متعلقہ ملک کی کرنسی میں 5 لاکھ روپیہ بطور زرِ ضمانت بینک میں جمع نہ کروائے ۔ وہ بینک تین سال تک اس آدمی کو جمع شدہ رقم پر نفع بھی دیتا رہے گا تاکہ وہ آدمی کسی مالی پریشانی میں گرفتار نہ ہو ۔

اگر وہ آدمی اس ملک میں کاروبار کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس رقم نہیں ہے تو بنک جمع شدہ رقم سے اس آدمی کو دس فیصد قرض دے گا ، جس طرح ہمارے بینک قرض دیتے ہیں ۔ دوسرا یہ کہ وہاں اپنی ذاتی دوکان ملکی قانون کی وجہ سے نہیں خرید سکتے اور مناسب جگہ پر بڑی مارکیٹ میں دوکان کا کرایہ مقامی کرنسی میں آٹھ سے دس ہزار روپے ہے ۔ دوکان چلے یا نہ چلے کرایہ ادا کرنا ہے ۔ اس مشکل سے بچنے اور اپنی سہولت کے لیے ضروری ہے کہ اتنی رقم بنک میں جمع کروا دی جائے جس کا نفع اتنا ہو کہ ہر ماہ بنک ، مالک دوکان کو کرایہ ادا کرتا رہے ۔

(۲) رہائش اختیار کرنے کی صورت میں ملکی قانون کے مطابق ہر آدمی کے لیے بیمہ کرانا ضروری ہے ۔ بغیر بیمہ علاج کی سہولت میسر نہیں ۔ بیماری یا حادثہ کی صورت میں بیمہ کارڈ دکھائے جاتے ہیں اور تمام اخراجات یعنی ہسپتال کا خرچ یا ڈاکٹروں کی فیس ، بیمہ کمپنی ادا کرتی ہے ، بیمہ نہ ہونے کی صورت میں مریض کا علاج ہی نہیں کیا جاتا یا پھر اتنی رقم طلب کی جاتی ہے کہ مریض ادا نہیں کر سکتا اور سسک سسک کر مر جاتا ہے ۔

حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ کاروباری مجبوری کی وجہ سے اور اس ملک کے قانون کی پابندی کے باعث ایک مسلمان کے لیے مذکورہ دونوں صورتوں میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے ؟

سائل : محمد ولی اللہ ، اورنگی ٹاؤن ، کراچی

الجواب:-

(۱) ایسے ممالک میں جہاں کبھی بھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی اور کافروں کی حکومت ہے ، وہاں کے بنک جو رقم سود کے نام سے دیتے ہیں وہ سود نہیں ہے ، بلکہ کافر کا مال ہے ۔ جو سود کے نام پر وہ دیتے ہیں وہ حقیقتاً سود ہی نہیں ۔ مسلمان اس کو سود سمجھ کر نہیں لے گا بلکہ یہ سمجھ کر لے گا کہ کافر دے رہا ہے اور میں لے رہا ہوں ۔ ربٰو کی بحث میں صاحب ہدایہ نے حدیث نقل فرمائی ہے :

لا ربٰو بین المسلم والحربی فی دار الحرب

دار الحرب (وہ ملک جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو اور مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی بجا آوری سے روکا جائے) میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود ، سود نہیں ہوتا ۔

فقہ کی جملہ کتب میں اس کی صراحت موجود ہے ۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے :

ولان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالاً مباحاً

(ہدایہ آخرین ، صفحہ : ۸٦ ، مطبوعہ : مکتبہ شرکۃ علمیۃ ، ملتان)

یعنی اس لیے کہ ان کے ملک میں ان (کافروں) کا مال مباح ہے ۔ جس طرح بھی مسلمان نے اس مال کو حاصل کیا ، اس نے مال مباح حاصل کیا ۔

وہاں کے قوانین پر عمل کریں گے اور زیادہ رقم جو ان سے ملے گی وہ لینا جائز ہے ۔ مگر ان سے قرض لے کر ان کو زیادہ دینا جائز نہیں ۔

لہٰذا مسلمان کسی کافر سے مال لے تو سکتا ہے خواہ وہ کسی نام سے دے مگر اپنا مال ان کو سود کے طور پر دے نہیں سکتا ۔

(۲) ایسے ممالک میں غیر مسلم انشورنس کمپنیوں سے بیمہ کروانا بھی جائز ہے ، اس میں کوئی حرج نہیں ۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے دس ہزار روپے نیپال کے ایک بنک میں جمع کروائے ، کچھ عرصے کے بعد متذکرہ بینک نے اسے بیس ہزار روپے سود دیا ۔ تو کیا اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے ؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں ۔

سائل : ضیاء المصطفٰی نورانی ، نیپالی ، متعلم دار العلوم امجدیہ

الجواب:-

نیپال میں غیر مسلم حکومت ہے اور غیر مسلم سے مسلمان کو جو زیادہ رقم سود کے نام پر بینک سے ملتی ہے، وہ سود نہیں ہے، بلکہ کافر کا مال ہے، وہ سود کہہ کر مسلمان کو دے رہا ہے، مگر وہ حقیقتاً سود نہیں ہے۔ ان کے سود کہنے سے سود نہیں ہو گا۔ (مزید تفصیل کے لیے استفتاء سابق کا جواب ملاحظہ فرمایئے)

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم نے سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا اس مسئلے کے جواز میں فتویٰ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی غیر مسلم ملک کے اس بینک میں رقم جمع کرائے، جہاں تمام کارندے غیر مسلم ہوں تو وہاں سے سود لینا جائز ہے۔ کیا یہ فتویٰ صحیح سنایا گیا ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کیا سود کی وہ رقم ہم بغرض ثواب کسی نیک کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟ اور کیا امریکہ ان ملکوں میں شامل ہے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس بینک کی نوعیت کیا ہے؟

برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہو گی۔

سائل: محمد یونس شاکر القادری

الجواب:-

غیر مسلم ملک میں غیر مسلم سے شخصی طور پر سود لینا اور ایسے بینک سے جس میں کسی مسلمان کا حصہ (شیئر) نہ ہو، سود لینا جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولا بین المسلم والحربی فی دارالحرب

یعنی دارالحرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود، سود نہیں ہوتا۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ نے حدیث نقل فرمائی ہے:

لا ربٰو بین المسلم والحربی فی دارالحرب

(ہدایہ آخرین، صفحہ: ۸۶، مطبوعہ: مکتبہ شرکۃ علمیۃ، ملتان)

یعنی مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہے۔

حقیقتاً یہ سود نہیں ہے بلکہ کافر کا مال ہے۔ جس کو وہ سود کے نام سے دے رہا ہے۔

لہٰذا یہ مباح مال ہے اور اس کو ہر نیک کام میں خرچ کرنا جائز ہے۔

امریکہ، چین، برطانیہ، کینیڈا اور روس وغیرہ وہ تمام ممالک جو کبھی اسلامی حکومت کے تحت نہیں آئے سب دارالحرب میں شامل ہیں اور ان سب کا حکم یہی ہے۔

الاستفتاء:-

جناب ناظم اعلیٰ!
دار الافتاء، دار العلوم امجدیہ
السلام علیکم

مزاج گرامی!

درج ذیل مسائل کے بارے میں جناب کے تحقیقی جوابات مطلوب ہیں۔ امید ہے کہ اپنے قیمتی وقت سے چند لمحے نکال کر اس فقیر کو ممنون فرمائیں گے۔

(۱) کیا امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ دار الحرب ہیں؟

(۲) کیا وہاں کے لوگوں سے سودی کاروبار شرعاً جائز ہے؟

الجواب:-

امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ ایسے ممالک جو کبھی مسلمانوں کی حکومت کے زیر نگیں نہ رہے، سب دار الحرب ہیں۔ ایسے ممالک کے صاحب ہدایہ نے باب الربوٰا میں حدیث نقل کی ہے:

لا ربوٰ بین المسلم والحربی فی دارالحربْ

(ہدایہ آخرین، صفحہ: ۸۶، مطبوعہ: مکتبہ شرکۃ علمیۃ، ملتان)

دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سود، سود نہیں ہوتا۔

ان ملکوں میں کافروں سے سود لینا جائز ہے۔ حقیقت میں وہ سود نہیں ہے۔ مگر مسلمان کے لیے سود دینا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

پرائز بانڈ کا حکم

الاستفتاء:-

• کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پرائز بانڈ رکھنا اور اس کے انعام، جو حکومت کی طرف سے ہر ماہ دیئے جاتے ہیں لینا جائز ہیں یا ناجائز؟ نیز یہ انعامات جو مقررہ فیصد سود کی رقم کو جمع کر کے چند انعامی بانڈ رکھنے والوں کو دیئے جاتے ہیں وہ سود کی آمدنی گنی جاتی ہے یا اس کو جائز آمدنی تصور کیا جائے گا۔

مفصل جواب مع حوالہ آگاہ فرمائیں۔

سائل: محمد انور، کراچی

الجواب:-

پچاس روپے، سو روپے، پانچ سو روپے یا ایک ہزار روپے کے پرائز بانڈز خریدنا اور ان پر انعام لینا جائز ہے۔

شریعت نے حرام مال کی کچھ صورتیں مقرر کی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) کسی کا مال چوری، غصب، ڈکیتی یا رشوت کے ذریعے لیا جائے،

(۲) جوئے میں مال حاصل کیا جائے،

(۳) سود میں لیا جائے،

(۴) اور یہ کہ بیع باطل میں قیمت لی جائے۔

پرائز بانڈ میں ان میں کی ایک بھی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ

جوئے میں اپنا مال چلا جاتا ہے یا زائد مل جاتا ہے اور پرائز بانڈ میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

سود کی تعریف یہ ہے:

الزيادة المشروطة فى العقد

یعنی قرض دیتے وقت یہ طے کر لیا جائے کہ زیادہ لوٹائے گا۔

ربا کی تعریف مبسوط میں یہ کی گئی ہے:

الربا هوالفضل الخالى عن العوض المشروط فى البيع

(جلد: ۱۲، صفحہ: ۱۰۹، دارالمعرفہ، بیروت)

یعنی ربوا بدل سے خالی اس اضافے کو کہتے ہیں جو بیع کرتے وقت طے کر لیا جائے۔

اور کنز الدقائق میں ہے:

وهو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال

(باب الربٰوا، صفحہ: ۲۲۵، مطبع مجیدی کانپور، انڈیا)

یہ (رِبٰوا) مال کے بدلے مال کے معاہدے میں بدل کے بغیر اضافی مال ہے۔

اور درمختار میں ہے:

هو لغة مطلق الزيادة و شرعاً فضل خال عن عوض

(در مختار علی حاشیۃ رد المختار، جلد ۴، باب الربٰو، صفحہ: ۱۹۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

لغت کے اعتبار سے "رِبٰوا" مطلق زیادتی کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس زیادتی کو (رِبٰوا) کہا جاتا ہے جو بلا عوض ہو۔

جب دیتے وقت زیادہ دینا مشروط نہ کیا ہوا اور لینے والا لوٹاتے وقت اپنی طرف سے زیادہ دے دے تو یہ سود نہیں ہے بلکہ زیادہ دینا مستحب ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

عن جابر (رضی الله عنه) قال اقبلنا من مكة الى المدينة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعتلّ جملي وساق الحديث بقصته وفيه ثم قال لي بعني جملك هذا قال قلت لا بل هولك قال لا بل بعنيه قال قلت لا بل هو لك يا رسول الله قال لابل بعنيه قال قلت فان لرجل عليّ اوقية ذهب فهو لك بها قال قد اخذته فتبلغ عليه الى المدينة قال فلما قدمت المدينة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبلال اعطه اوقية من ذهب وزده قال فاعطاني اوقية من ذهب و زادني قيراطاً قال فقلت لا تفارقني زيادة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فكان في كيس لي فاخذه اهل الشام يوم الحرة

(مسلم، جلد دوم، صفحہ: ۲۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف جارہے تھے، میرا اونٹ بیمار ہوگیا، اس حدیث میں اس کا پورا ماجرا بیان کیا، اسی میں ہے: پھر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنا یہ اونٹ میرے ہاتھ فروخت کردو! میں نے عرض کیا: نہیں، بلکہ یہ آپ کے لیے ہے۔ فرمایا: نہیں، بلکہ اس کو میرے ہاتھ فروخت کردو! میں نے عرض کیا: نہیں، بلکہ یہ آپ کے لیے ہے، یارسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، اسے میرے ہاتھ فروخت کردو! میں نے عرض کی! ایک شخص کا مجھ پر ایک اوقیہ سونا ہے تو یہ آپ کے لیے ہے اس سونے کے بدلے میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے اس کو لے لیا، پس تم اس پر مدینہ منورہ پہنچو! فرماتے ہیں: جب میں مدینہ منورہ آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ان (جابر رضی اللہ تعالی عنہ) کو ایک اوقیہ سونا دے دو! اور اس سے کچھ زیادہ دو! فرماتے ہیں انہوں نے مجھے ایک اوقیہ سونا دیا اور ایک قیراط بڑھا کر دیا۔ فرماتے ہیں: تو میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اضافی عطا ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی

جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا وہ ایک قیراط سونا میری تھیلی میں تھا جسے اہل شام (یزیدیوں) نے حرہ کے دن مجھ سے چھین لیا۔

امام نووی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "اعطہ اوقیۃ من ذھب وزدہ" کے بارے میں لکھا ہے:

فیہ جواز الوکالۃ فی وقضاء الدیون واداء الحقوق وفیہ استحباب الزیادۃ فی اداء الدین

(شرح علامہ نووی، مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ: ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

یعنی اس حدیث سے قرضہ جات اور حقوق کی ادائیگی کے لیے وکیل بنانے کا جواز اور قرضہ جات کی ادائیگی کرتے ہوئے کچھ بڑھا کر دینے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

علامہ شامی نے ربوٰا کی بحث میں قرض میں قرض سے کچھ زیادہ واپس کرنے کی صورت میں لکھا:

ثم لا یخفی ان ھذا کلہ اذا لم تکن الزیادۃ مشروطۃ

(فتاوی شامی، جلد: ۴، باب الربوا، صفحہ: ۱۹۸، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

پھر یہ امر بھی مخفی نہیں ہے کہ یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جبکہ زیادہ لوٹانا قرض میں شرط نہ کیا گیا ہو۔

علامہ طحطاوی نے اسی مقام پر لکھا ہے:

ھذا اذا کانت المنفعۃ مشروطۃ فی العقد فان لم تکن مشروطۃ فدفع اجود فلا باس

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض)

یعنی یہ اس صورت میں ہے جبکہ نفع اٹھانا قرض دیتے وقت شرط کر لیا گیا ہو اور اگر شرط نہ کیا گیا ہو اور زیادہ یا اچھا واپس کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ قرض دیتے وقت زیادہ واپس کرنے کی شرط لگانے سے سود ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ بانڈ میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے لہذا اس پر ملنے والے انعام کو سود کہنا غلط ہے۔ اور جوئے کے معنی یہ ہیں کہ جوئے میں اپنا مال یا چلا جاتا ہے یا زائد مل جاتا ہے۔ جوئے کی تعریف تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں ابن سیرین سے منقول ہے:

کل شئی فیہ خطر فھو من المیسر

(تفسیر "المیسر"، سورۃ(۲) البقرۃ، آیت ۲۱۹)

یعنی جس چیز میں مال چلے جانے کا خطرہ ہو وہ "جوا" ہے۔

کتاب التعریفات میں علامہ جرجانی نے قمار کی تعریف یہ کی:

کل لعب یشترط فیہ غالبا من المتغالبین شیء من المغلوب

یعنی جوا ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط اکثر ہوتی ہے کہ دونوں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں میں سے مغلوب سے غالب کو کچھ ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جوا ایسے کھیل کو کہتے ہیں جس میں اپنا مال خطرہ میں ڈال کر اس طرح بازی لگائی جاتی ہے کہ اپنا مال یا تو چلا جائے گا یا دوسرے سے کچھ لے کر آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انعامی بانڈ میں جوا بھی نہیں ۔ اس لیے کہ بانڈ والے کا کچھ نقصان نہیں ہوتا ، جتنی قیمت کا ہوتا ہے اتنی ہی قیمت کا باقی رہتا ہے ۔ اب صرف یہ بات رہ گئی کہ قرعہ اندازی کر کے بانڈ خریدنے والوں میں انعام تقسیم کیا جاتا ہے ، اس کا کیا حکم ہے ؟ قرعہ اندازی آئمہ اربعہ کے نزدیک غیر حقوق میں بالاتفاق جائز ہے فتح القدیر میں ہے :

الا یری ان یونس علیہ السلام فی مثل ھذا استعمل القرعۃ مع اصحاب السفینۃ کما قال اللہ تعالی "فساھم فکان من المدحضین" (سورۃ(۳۷) الصافات ، آیت : ۱۴۱) و ذلک لانہ علم انہ ھو المقصود ولکن لو القی نفسہ فی الماء ربما نسب الی ما لا یلیق بالانبیاء فاستعمل القرعۃ لذالک و کذلک زکریا علیہ السلام استعمل القرعۃ مع الاحبار فی ضم مریم الی نفسہ مع علمہ بکونہ احق بھا منھم لکون خالتھا عندہ تطیبا لقلوبھم کما قال اللہ تعالی : "اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم" (سورۃ (۳) ال عمران ، آیت : ۴۴) و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرع بین النساء اذا اراد السفر تطیبا لقلوبھن "

(جلد ۸، صفحہ: ۳۶۴، ۳۶۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کیا غور نہیں کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ایسی ہی صورت حال میں کشتی والوں کے ساتھ قرعہ اندازی فرمائی تھی ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : " تو قرعہ ڈالا تو دھکیلے (ہارے) ہوؤں میں ہوا۔ " یہ اس لیے کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ وہی مطلوب ہیں لیکن اگر وہ از خود اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیتے تو یہ ایسی بات ہوتی جو انبیاء کرام کی شان کے لائق نہ ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرعہ اندازی فرمائی ۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے (حضرت) مریم (علیہا السلام) کی کفالت اپنے ہاتھ میں لینے کے معاملے میں " احبار " کے ساتھ محض ان کی دلجوئی کی خاطر قرعہ اندازی فرمائی تھی ۔ باوجودیکہ آپ جانتے تھے کہ ان (حضرت مریم علیہا السلام) پر زیادہ حق آپ ہی کا ہے کہ آپ ان کے خالو ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا : (یاد کرو# (! جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں " اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو (ساتھ لے جانے کے لیے) اپنی ازواج کے درمیان ان کی دلجوئی کی خاطر قرعہ اندازی فرماتے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ انعامی بانڈ میں زیادت (اضافہ) مشروط نہیں ہے ، لہذا سود نہیں ہے اور اپنے پیسے میں کمی نہیں ہوتی ، لہذا جوا نہیں ہے اور لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے ، وہ جائز ہے اور اس کے لیے قرعہ اندازی کرنا بھی جائز ہے تو انعامی بانڈ کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ پرائز بانڈ رکھنا اور اس کے انعامات جو حکومت کی طرف سے ہر ماہ دیئے جاتے ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز؟ نیز یہ انعامات جو مقررہ فیصد سود کی رقم کو جمع کر کے چند انعامی بانڈ رکھنے والوں کو دیئے جاتے ہیں وہ سود کی آمدنی کہی جائے، اسے جوا سمجھا جائے یا اس آمدنی کو جائز آمدنی تصور کیا جائے۔ ہم نے نیو ٹاؤن مدرسہ سے اس سلسلے میں فتویٰ لیا تو انہوں نے اس کو ناجائز بتایا ہے، فتویٰ استفتاء کے ساتھ منسلک ہے۔ براہ کرم مفصل جواب مع حوالہ سے آگاہ فرما کر ذہنی پریشانی سے نجات دلائیں۔

سائل: محمد انور، لطیف مارکیٹ، کراچی

الجواب:-

دس اور پانچ روپے کے پرائز بانڈ خریدنا اور ان پر انعام لینا جائز ہے۔ شریعت نے حرام مال کی کچھ صورتیں مقرر کی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) کسی کا مال چوری، غصب، ڈکیتی وغیرہ یا اور کسی ناجائز طریقے پر لے لیا جائے،

(۲) جوئے میں مال حاصل کیا جائے،

(۳) سود میں لیا جائے،

(۴) یا یہ کہ بیع باطل میں قیمت لی جائے۔

پرائز بانڈ میں ان میں کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جوئے میں اپنا مال یا چلا جاتا ہے یا زائد مل جاتا ہے۔ پرائز بانڈ میں یہ صورت نہیں ہے۔ اور سود کی تعریف یہ ہے۔

الزیادة المشروطة فی العقد

یعنی قرض دیتے وقت یہ شرط رکھی جائے کہ زیادہ لوٹائے گا اور اگر قرض دیتے وقت شرط نہ کیا مگر قرض لینے والے نے اپنی طرف سے کچھ زیادہ لوٹا دیا تو یہ بھی جائز ہے۔ پرائز بانڈ میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ گیارہ روپے کا بانڈ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ وہ لاٹری کے بعد دس روپے کا رہ جاتا ہے اور اس کی مالیت میں سے ایک روپیہ کم ہوجاتا ہے اس لیے وہ جوئے کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے۔

مفتی ولی حسن کا فتویٰ عدم جواز

انعامی بانڈ کو خریدنا اور اس سے انعام حاصل کرنا ناجائز ہے۔ انعامی بانڈ دراصل وہ قرضے ہیں جن کو مرکزی حکومت یا صوبائی حکومتیں جاری کرتی ہیں اور اس پر سود دیتی ہیں۔ پہلے اس شخص کو دیا کرتی تھیں جو رقم جمع کراتا تھا اب قرعہ اندازی کے ذریعہ ان میں سے بعض لوگوں کو دیتی ہیں۔ گویا پہلے صرف سود تھا اب اس کے ساتھ قمار بھی شامل ہوگیا۔ مجیب کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی شرط نہیں ہے غلط ہے کیونکہ شرط کے لیے طے کرنا ہی ضروری

نہیں ہے بلکہ المعروف کالمشروط فقہ کا مسلمہ اصول اور قاعدہ ہے۔

الغرض جواب مندرجہ بالا غلط ہے اور انعامی بانڈ خریدنا اور اس کے ذریعہ انعام حاصل کرنا جائز نہیں۔

مفتی ولی حسن، مدرسہ نیو ٹاؤن 80-9-14

مفتی ولی حسن کا رد

پرائز بانڈ کے بارے میں ہم نے جو فتوی دیا ہے وہی صحیح ہے۔ نیو ٹاؤن مدرسہ سے مفتی ولی حسن صاحب نے اس فتوی کے خلاف جو فتوی دیا ہے اس میں دو وجہیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ سود ہے اور دوسری یہ کہ قمار ہے۔ قمار کے معنی جوئے کے ہیں اور جوئے کا مفہوم ہر انسان جانتا ہے کہ اس میں ہارنے والے کا مال چلاجاتا ہے اور جیتنے والا اپنے مال کے ساتھ زیادہ مال حاصل کر لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مفتی ولی حسن صاحب نے جوئے کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں ابن سیرین سے منقول ہے:

کل شی فیہ خطر فھو من المیسر

(تفسیر المیسر (سورۃ (۲) البقرۃ، ۲۱۹)

یعنی جس چیز میں مال چلے جانے کا خطرہ ہو وہ جوا ہے۔

کتاب التعریفات میں قمار کی تعریف یہ کی گئی ہے:

کل لعب یشترط فیہ غالبا من المتغالبین شی من المغلوب

(زیر مادہ "قمار")

یعنی جوا ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط اکثر ہوتی ہے کہ دونوں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں میں سے مغلوب سے غالب کو کچھ ملے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جوا اس کھیل کو کہتے ہیں جس میں اپنا مال خطرے میں ڈال کر اس طرح بازی لگائی جاتی ہے کہ یا تو اپنا مال بھی چلا جائے گا یا دوسرے سے کچھ لے کر آئے گا۔

پرائز بانڈ میں اس کا وجود نہیں ہے۔ لہذا اس کو قمار کہنا ایسا ہی ہے جیسے دن کو رات کہہ دیا جائے۔

اس کو سود کہنے کے متعلق ہم نے اپنے فتوی میں لکھا تھا کہ سود کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے:

الزیادۃ المشروطۃ فی العقد

یعنی قرض دیتے وقت کچھ زیادہ لوٹانے کی شرط طے کر لی جائے۔

اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ گورنمنٹ نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں رکھی کہ جو پرائز بانڈ خریدے گا اس کو کچھ زیادہ دیا جائے گا۔

مفتی ولی حسن صاحب نے یہاں الزیادۃ کالمشروط سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قاعدہ کا مطلب ہی نہ سمجھے۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ اگر زیادہ دینا ہر خریدار کو شرط کرے تو یہ سود ہوتا لیکن شرط نہ کر کے بھی ہر خریدار کو از خود حکومت کچھ نہ کچھ زیادہ دینے کا عمل کرتی تو یہ معروف ایسا ہی ہو جاتا کہ جیسے شرط ہوتی

ہے مگر یہاں کچھ لوگوں کو زیادہ دیتی ہے اور باقی کو نہیں اور کسی کا اس پر دعوی و اعتراض بھی نہیں لہذا یہاں ایک سا عمل ہی نہیں ہے۔ تو جس کا وجود ہی نہیں ہے وہ معروف کیسے بنا اور پھر وہ مشروط کے درجہ میں کیسے پہنچ گیا؟

مفتی ولی حسن صاحب نے معدوم کو موجود ہی نہیں معروف بھی قرار دے دیا۔ بہر صورت مفتی صاحب کی دونوں دلیلیں غلط ہیں اور انہوں نے زبردستی حلال کو حرام بنایا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حرام

انشورنس کمپنی میں ملازمت کرنا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلے کا جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی، مسئلہ یہ ہے کہ میں اسٹیٹ لائف انشورنس میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اور میرا تعلق جس شعبے سے ہے، اس کا تعلق سودی لین دین اور سود کھاتے وغیرہ بنانے سے بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ اس شعبے کا کام اسٹیٹ لائف کے ملازموں کی خدمات انجام دینا ہے۔ یعنی انکو چھٹیاں دینا، نئے آنے والے ملازموں کو (جس شعبے میں ان کی ضرورت ہو) لگانا۔ انکو دفتری سامان مثلاً کمپیوٹر، ٹائپ رائٹر وغیرہ فراہم کرنا۔ ملازموں کو گھر وغیرہ بنانے کے لیے قرض دینا وغیرہ شامل ہے اور کسی بھی قسم کی انشورنس پالیسی سے ہمارے شعبے کا بالکل تعلق نہیں تو کیا اس صورت میں میری نوکری جائز ہے یا حرام؟

سائل: محمد زمزم رضا قادری

الجواب:-

اسٹیٹ لائف انشورنس کے تمام سرمائے کا حصول ناجائز طریقہ سے ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اسٹیٹ لائف انشورنس میں کوئی ملازمت جائز نہیں۔

شئیرز کی خرید و فروخت

الاستفتاء:-

شریعت اسلامی۔ شئیرز کی خرید و فروخت اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ شئیرز کیا ہے؟ کسی بھی کمپنی کی جانب سے عوام کو نفع نقصان کی بنیاد پر سرمایہ کاری کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے درخواستیں جمع کرائی ہیں۔ شئیرز کی تعداد محدود ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان قرعہ اندازی ہوتی ہے۔ جن افراد کے نام قرعہ اندازی میں نکلتے ہیں۔ ان کے نام شئیر سرٹیفکیٹ کمپنی جاری کرتی ہے۔ یہ سرٹیفکیٹ فوراً ہی اسٹاک ایکسچینج میں منافع کے ساتھ بک جاتے ہیں۔ اور اس طرح چند دن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کی آمدنی ہوجاتی ہے۔ اور جن کے نام قرعہ اندازی میں نہیں نکلتے بنک ان کی رقم واپس کردیتا ہے۔ گویا ہم قسمت سے ساتھ اپنی رقم کی چند دن کی سرمایہ کاری کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ جبکہ کمپنی ان پر منافع کا اعلان سال بھر بعد کرتی ہے۔ اس صورتِ حال میں شئیرز کی شرعی حیثیت کیا بنتی ہے؟ جواب سے الجھن دور فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل: مرزا منصور بیگ، نارتھ کراچی، کراچی

الجواب:-

کسی کمپنی کے شئیرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کمپنی کے ایک حصہ کو خرید لیا ہے اور آپ اس حصہ کے مالک ہو گئے اور وہ کمپنی جو جائز و ناجائز کام کرے گی اسمیں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ جتنی کمپنیاں قائم ہوتی ہیں۔ وہ اپنے شئیرز کے اعلان کے ساتھ مکمل تفصیلات بھی شائع کرتی ہیں کہ یہ کمپنی کتنے سرمایہ سے قائم کی جائے گی، اسمیں غیر ملکی سرمایہ کتنا ہوگا اور ملکی قرضہ کتنا ہوگا اور کمپنی قائم کرنے والے اپنا کتنا سرمایہ لگائیں گے اور کتنے سرمایہ کے شئیرز فروخت کیے جائیں گے۔ لہٰذا شئیرز خریدنے والا اس سود کے لین دین میں شریک ہو جائے گا۔ جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے تو وہ شئیر خریدنا بھی حرام ہے۔ اسکے علاوہ شئیرز مارکیٹ میں عام طور پر سٹہ ہوتا ہے۔ جو جوا ہے وہ بھی حرام ہے۔

موجودہ دور میں جو شئیرز کا کاروبار ہورہا ہے وہ محرمات کا مجموعہ ہے۔ ان میں ایسی کمپنیوں کا شئیرز بھی فروخت ہورہا ہے جن کا ابھی وجود بھی نہیں ہے، صرف پروگرام ہے اور بعض شئیرز جو خریدے جاتے ہیں اور قبضہ کئے بغیر فروخت کر دیے جاتے ہیں یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ احادیث میں صراحتاً بغیر قبضہ کیے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت ہے۔ اور جو چیز موجود ہی نہیں ہے اسکی بیع "باطلِ محض" ہے۔

حرام کمائی کا حکم

الاستفتاء:-

ایک شخص نے ناجائز طریقے سے مثلاً جوا کھیل کر ایک لاکھ روپیہ کمایا بعد ازیں اس نے یہی ایک لاکھ روپے جائز کام میں لگائے اور اس کو اس جائز کام سے دس لاکھ روپے ملے۔ وہ دس لاکھ روپے اس کے اوپر حلال ہیں یا حرام؟

الجواب:-

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

(سورۃ(۵)المآئدۃ؛آیت: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے شیطانی کام، ناپاک ہی ہیں، تو ان سے بچے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

لہٰذا جو روپیہ جوئے کے ذریعے کمایا وہ حرام ہے اور اس ناجائز کمائی کے ذریعے جو کمایا گیا وہ بھی حرام۔ جوئے میں روپیہ جس شخص سے حاصل کیا ہے اگر معلوم ہے تو اس کو لوٹا دیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو جوئے میں حاصل کیا ہوا روپیہ اور وہ روپیہ بھی جو اس کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے، ایسے لوگوں پر جو مستحقین زکوٰۃ ہیں، بغیر نیتِ ثواب خرچ کر دیا جائے۔

سنیما کی آمدنی کا حکم

الاستفتاء:-

سنیما ہاؤس کی آمدنی کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:-

سنیما محرمات کا مجموعہ ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: مومن کا ہر برا کام باطل ہے۔ عورت کی تصویری نمائش حرام، اجنبی عورت کی آواز بلا ضرورت سننا حرام اور باجے گانے بھی حرام۔ اتنے محرمات اور مخرّبِ اخلاق کاموں سے پیسہ کمایا جائے تو وہ بھی حرام ہے۔

رہن رکھی چیز سے فائدہ اٹھانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید اپنی زمین دس ہزار روپے کے بدلے میں عمر کو بطور رہن دیتا ہے اور عمر کو اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ تم اس زمین کو کاشت کرو اور آمدنی میں دسواں حصہ میرا ہے۔ عمر اگر زمین کو کاشت نہیں کرتا تو زمین بنجر ہوتی ہے، اس وجہ سے عمر زمین کو کاشت کرتا ہے، اس کا دسواں حصہ زید کو دیتا ہے اور باقی حصہ خود کھاتا ہے۔ ازروئے شرع کیا عمر اس آمدنی کو کھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور کیا یہ آمدنی سود میں شامل ہوتی ہے یا کہ نہیں؟

سائل: نصیب زر چشتی، گاؤں بھولو، مانسہرہ

الجواب:-

جس کے پاس رہن رکھا جائے وہ رہن رکھی ہوئی چیز سے کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ رہن پر کسی بھی طرح کا نفع اٹھانا سود ہے۔ رہن رکھنے والا رہن کو کرایہ پر بھی نہیں دے سکتا اور نہ کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ اور اگر مرتہن کی اجازت سے کسی دوسرے کو کرایہ پر دے دیا یا خود مرتہن کو کرایہ پر دے دیا تو رہن ختم ہو جائے گا اور یہ اجارہ کا عقد ہوگا۔ پھر اجارہ کی مدت ختم ہوجانے کے بعد نئے سرے سے عقد کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

بخلاف الاجارۃ والبیع والھبتہ والرھن من المرتھن او من اجنبی اذا باشرھا احدھما باذن الاخر حیث یخرج عن الرھن ثم لایعود الا بعقد مبتداہ

(درمختار، جلد: ۵، صفحہ: ۳۶۴، باب التصرف فی الرھن والجنایۃ علیہ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص زید سے بیس ہزار روپیہ لیتا ہے اور اپنا مکان زید کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تک میں بیس ہزار روپیہ تمہیں واپس نہ کردوں، مکان تمہارے قبضہ میں رہے گا لیکن ہر ماہ مکان کا کرایہ، پچاس روپے لوں گا۔ تو کیا زید کے لیے یہ جائز ہے کہ اسے جب تک روپیہ واپس نہ مل جائے، اس مکان میں رہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

سائل: منیر احمد، متعلم دارالعلوم امجدیہ

الجواب:-

رہن میں رکھی ہوئی چیز سے کوئی نفع اٹھانا سود ہے، اس لیے یہ حرام ہے۔ رہن رکھے ہوئے مکان کو اس لیے کم کرایہ پر لینا کہ مالک مکان کو قرض دیا ہے، یہ بھی ناجائز ہے۔ اسلام میں مسلمان کے ساتھ ہمدردی کا

دے دیا گیا ہے ، اس لیے مالداروں کو حکم ہے کہ وہ حاجت مند مسلمان کو قرض دے دیں اور قرض کی وصولی کو یقینی بنانے کے لیے کوئی چیز رکھ لیں تاکہ ان کا قرض مارا نہ جائے ۔ تاہم اس (رہن) سے کسی قسم کا نفع اٹھانا ممنوع ہے ۔

پگڑی کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ آج کل نئی بلڈنگ کے مکمل ہونے کے بعد بلڈنگ کا مالک اس کو فروخت کر دیتا ہے لنکہ اس نے بلڈنگ کے فلیٹ اور دکانیں پگڑی پر دیئے ہوئے ہوتے ہیں ، اس بلڈنگ کو خریدنا کیسا ہے ؟ ایسی بلڈنگ کے فلیٹس اور دکانوں کا کرایہ لینا کیسا ہے ؟ نیز پگڑی پر لینے والا آگے کسی دوسرے کو پگڑی پر دینا چاہے تو بلڈنگ کا مالک دس فیصد سے پچیس فیصد رسید تبدیل کرنے کے لیتا ہے ۔ تبدیلی رسید کا روپیہ لینا کیسا ہے ؟ اور اس رقم کو دینی کاموں مثلاً مسجد یا مدرسہ کی تعمیر اور کسی غریب یا بیوہ عورت کی مدد کے لیے خرچ کرنا کیسا ہے ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کیجئے ۔

سائل : محمد سکندر قادری

الجواب :-

بیع کے صحیح ہونے کے بعد بیچنے والے پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کو خریدار کے قبضہ میں دے دے ۔ جب قبضہ دے دے گا تو قیمت کا مطالبہ کرے گا ۔ اور خریدار پر لازم ہو گا کہ وہ قبضہ کے بعد قیمت ادا کر دے ۔ لہٰذا وہ مکان جو بیچا گیا جب پہلے سے کرایہ پر اٹھا ہوا ہے اور خریدار یہ کہہ دے کہ جب خالی ہو جائے تو قبضہ دے دینا اس طرح بیع تو ہو جائے گی مگر یہ مکان چونکہ کبھی خالی نہیں ہو سکتا اور خریدار کبھی اس پر قبضہ نہیں کر سکے گا تو خریدار اگر ان کرایہ داروں کو اپنا کرایہ دار تسلیم کرلے تو بیع صحیح اور باقی رہ جائے گی ورنہ نہیں ۔

پگڑی لینا حرام ہے اور مالک مکان کا رسید تبدیل کرنے کے نام پر کچھ فیصد لینا حرام مال میں شرکت کرنا ہے ، لہٰذا یہ بھی حرام ہے ۔ حرام مال نہ اپنی ذات پر خرچ کیا جا سکتا ہے اور نہ دینی کاموں میں ۔

پگڑی کسی صورت میں جائز نہیں

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ پگڑی کے مکان و دکان کی خرید و فروخت کیوں منع ہے ؟ پگڑی کے مکان یا دکان کی قیمت بڑھ جانے سے اس کا منافع لینا شرعاً کیسا ہے ؟ اگر لے لیا تو شرعاً اس کا

کیا حکم ہے ؟

پگڑی کے مکان یا دکان کو بیچتے وقت اس میں کوئی چیز رکھدی جائے مثلاً میز ، کرسی ، پنکھا یا کوئی اور قیمتی چیز اور کہا جائے کہ مکان کی قیمت اتنی ہے اور اس مال کی قیمت اتنی ۔ مگر مکان آپ کو ان چیزوں کے ساتھ لینا ہوگا ۔ مثلاً مکان کی قیمت 4 لاکھ اور ان چیزوں کی قیمت 2 لاکھ اس طرح کل قیمت دکان اور سامان کی 6 لاکھ آرہی ہے ۔

برائے کرم اس کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد سلیم قادری

الجواب :-

بیع کے معنی ہیں مال کو باہمی رضامندی کے ساتھ بدلنا یعنی قیمت اور بیچی جانے والی چیز دونوں مال ہوں تو بیع درست ہوگی ۔ پگڑی میں روپیہ جس کے بدلے میں دیا جاتا ہے وہ قبضہ ہے ۔ یعنی کرایہ دار جس دکان یا مکان پر قابض ہے وہ اس کے قبضہ کو پگڑی لے کر یہ مکان یا دکان کسی کے حوالے کر دیتا ہے ۔ وہ مکان یا دکان اسی کی ملکیت رہتی ہے ، صرف کرایہ دار بدل جاتا ہے ۔ یعنی جو پہلے مالک تھا ، ملکیت اب بھی اسی کی ہے صرف کرایہ دار بدل گیا ہے ۔ یہ قبضہ کی بیع ہے اور شرعاً باطل ہے اس لیے کہ مال کے بدلے میں مال نہیں دیا گیا۔

بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ بیچنے والا قیمت کا مالک نہیں ہوتا ، جو قیمت اس نے اس طرح کی بیع میں لی ہے اگر خریدار کو واپس نہ کی تو عمر بھر اس کا لوٹانا واجب رہے گا ۔ یہ حرام مال ہے اور اس سے نفع اٹھانا بھی حرام ہے ۔

اس طرح کے حیلوں سے بھی پگڑی جائز نہیں ہوتی اس لیے سوال میں جو صورت لکھی ہے یہ بھی جائز نہیں ہے ۔

پگڑی اور ایڈوانس لینے کا حکم

الاستفتاء :-

جناب مفتی صاحب !

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں آپ سے چند مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں ، قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل کو حل فرمائیں ۔ مہربانی ہوگی ۔

ایک شخص ایک پلازہ تعمیر کرتا ہے ۔ پلازہ کی تعمیر پر 40 لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں ۔ پلازہ میں تقریباً سو دکانیں ہیں اور ہر دکان سے پلازہ کا مالک 60 ہزار روپے پگڑی یا ایڈوانس کی صورت میں وصول کرتا ہے اور ماہانہ کرایہ

150 روپے رکھتا ہے۔ اس طرح مالک کو پلازہ کی تعمیر سے پگڑی یا ایڈوانس کی صورت میں 60 لاکھ روپے وصول ہوئے۔ مالک کو پلازہ کی تعمیر سے جو مبلغ 20 لاکھ روپے اضافی رقم وصول ہوئی یہ اس شخص کے لیے جائز ہے یا حرام؟ نیز ان 20 لاکھ روپے سے مزید کاروبار کرتا ہے اور منافع حاصل کرتا ہے تو کیا حکم ہوگا؟

سائل: عبدالحمید

الجواب:-

پگڑی حرام ہے اور جو ایڈوانس لیا وہ لوگوں کا اس شخص کے ذمہ قرض ہے۔ جب وہ دکان چھوڑیں گے تو جتنا باقی ہوگا وہ انھیں واپس کرنا ہوگا۔ پگڑی کی رقم سے کاروبار کرنا اور نفع حاصل کرنا بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

احل اللّٰہ البیع و حرم الربٰوا

(سورۃ(۲) البقرۃ، آیت: ۲۷۵)

یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور ربٰوا کو حرام۔

کفار نے یہی اعتراض کیا تھا کہ تجارت میں نفع ہوتا ہے اور ہم سود پر قرضہ دے کر نفع لیتے ہیں۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بیمہ کے ناجائز ہونے کا بیان

الاستفتاء:-

بیمہ زندگی کا منصوبہ، جس میں معینہ مدت کے اندر تین ادائیگیاں کرنی پڑتی ہیں اور ادا کردہ رقم زیادہ واپس کی جاتی ہے، اس معاہدے پر کہ حالتِ حادثہ میں بیمہ شدہ شخص کو حادثے کی نوعیت کے مطابق مدد دی جائے گی اور نقد معاوضہ دیا جائے گا، جبکہ بصورتِ نقصانِ زندگی بیمہ دہندہ کے ہدایت کردہ لواحقین کو رقم دی جائے گی تاکہ وہ اپنی گزر اوقات کر سکیں۔ مزید برآں اصول امداد باہمی کے تحت بیمہ شدہ شخص کو 10 فیصد سالانہ منافع کے ساتھ ادائیگی کی شرط پر قرضہ کی سہولت بھی حاصل ہے۔

جائیداد و املاک وغیرہ میں ایک شخص اپنی املاک و جائیداد کو مختلف خطرات سے ہونے والے نقصانات سے بچانے کا بیمہ کرواتا ہے جس کے لیے وہ کمپنی کو کچھ معاوضہ دے کر سال بھر کے لیے اپنی املاک و جائیداد کا بیمہ کروا لیتا ہے۔ ایک سال گزرنے پر اس کی ادا کی ہوئی رقم واپس نہیں ملتی۔ ہاں اگر اس اثناء میں بیمہ شدہ املاک کو کوئی گزند پہنچے یا نقصان سے دوچار ہوں تو نقد رقم کی صورت میں اس کا ازالہ کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہ سب کام کرنے والے ادارے، ان کے ایجنٹ اور ملازمین جائز طور پر پیسہ کماتے ہیں یا حرام طور پر؟

الجواب:-

ہر قسم کا بیمہ ناجائز ہے۔ اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے گا وہی ضامن ہوگا اور بقدر نقصان تاوان دے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۱۹۴)

یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔

لہٰذا چوری، ڈکیتی، آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا تو وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس مل جائے گی۔ غرض یہ کہ بیمہ، محرمات کا مجموعہ ہے۔ اب یہ کہا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی اجازت سے جن سے لیا گیا ہے، اگر نقصان زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے تو پھر انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے سالانہ کہاں سے کماتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ عذر صرف لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ازروئے اسلام بیمہ زندگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر بیمہ زندگی خریدا جائے تو کیا اس میں مضائقہ ہے؟

المستفتی: قاضی محمد خلیل

الجواب:-

بیمہ ناجائز ہے۔ زندگی کے بیمے میں کمپنی بیمہ کروانے والے کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد جو ادائیگی کرے گی اس میں سے جتنا اس شخص نے ادا کیا تھا، محض اسی قدر روپیہ کمپنی سے لینا جائز ہے اور جس قدر کمپنی نے زائد دیا وہ سود ہے، اس کا لینا جائز نہیں اور اگر لے لیا تو یہ اصل سے زائد رقم کسی غریب کو بغیر نیتِ ثواب دے دینا واجب ہے۔

الاستفتاء:-

بیمہ زندگی کروانا اور بیمہ پالیسی پر جو منافع متعلقہ کمپنیاں دیتی ہیں، لینا اور وفات کے بعد جو بیمہ بیمہ پالیسی کے ضمن میں اہل خانہ کو ملتا ہے، اس کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ فتوی صادر فرمائیں۔

سائل: راشد اختر صدیقی، اللذهی، کراچی

الجواب:-

بیمہ ناجائز ہے۔ زندگی کے بیمے میں متعلقہ کمپنی بیمہ شدہ شخص کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد جو ادائیگی کرے گی اس میں سے جس قدر اس شخص نے ادا کیا تھا اتنا ہی روپیہ کمپنی سے لینا جائز ہے۔ اور جو زیادہ لیا وہ سود ہے، اس کا لینا جائز نہیں۔ اگر لے لیا ہے تو اس کو بلا ارادہ صدقہ و ثواب کسی مستحق شخص کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ بیمہ زندگی کے علاوہ کسی قسم کے بیمے میں کوئی کلیم نہیں لیا جا سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ازراہ کرم زندگی کے بیمہ کے متعلق شرعی فتوی صادر فرمائیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ نیت کی جائے کہ ہم اپنی اولاد، بیوی، والدین وغیرہ کے لیے ایک جبری بچت کرتے ہیں تاکہ اچانک حادثہ یا موت کی صورت میں ورثاء کے لیے ایک سہارا میسر آ جائے۔

برائے کرم تفصیل سے مطلع فرمائیں۔

سائل: عبدالعزیز حبیب

الجواب:-

شریعت کا قاعدہ ہے کہ:

المال بالمال

مال کے بدلے میں مال لیا جا سکتا ہے۔

یعنی کسی کا مال ضائع ہو جائے تو ضائع کرنے والے سے اس کا تاوان لیا جائے گا۔ بیمہ کی حقیقت یہ ہے:

مثلاً کسی نے بیس سال کے لیے بیمہ کروایا اور ہزار روپیہ سالانہ اس کی قسطیں ادا کرنا طے پائیں۔ اگر یہ شخص بیس سال تک زندہ رہا تو اس کو بیس ہزار روپے یکمشت مل جائیں گے اور اس بیس ہزار روپے کا متذکرہ مدت کا سود بھی اس کو ملے گا اور اگر بیس سال سے پہلے مرگیا تو بھی اس کے معینہ وارثوں کو بیس ہزار روپے مل جائیں گے یہ دونوں صورتیں حرام ہیں۔ پہلی صورت میں سود لیا جو حرام ہے۔ دوسری صورت میں اس نے ادا تو کیے تھے دوچار ہزار روپے اور اس کے وارثوں کو ملیں گے بیس ہزار روپے۔ اس نے جتنے ادا کیے تھے وہ اس کا حق تھا اور جتنے زیادہ لیے وہ دوسروں کا مال، باطل طریقے پر لیا جو حرام ہے۔ جن لوگوں نے جواز کے فتوے دیئے ہیں وہ بیمہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے۔ اسلام بچت کی تعلیم ضرور دیتا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اپنی آمدنی کا کچھ حصہ مستقبل کے لیے بچا کر رکھے، مگر بیمہ کو بچت قرار دینا محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ بیمہ جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-

ایک دوست بیمہ ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ انھوں نے انشورنس پالیسی میرے لیے خریدلی میں اس کاروبار کو سودی تصور کرتا ہوں لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ کاروبار بغیر سود کے بھی ہوسکتا ہے اور اس کی تفصیل وہ یہ بتاتے ہیں۔

سودی پالیسی کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر کوئی شخص 50,000 ہزار کی پالیسی لیتا ہے تو اس کو 20 سال کے بعد ایک لاکھ سات ہزار روپے ملیں گے اور اگر وہ شخص خدانخواستہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو 50,000 روپے کی پالیسی اور جتنا اس نے بیمہ ادا کیا ہے اس کا منافع ملے گا۔ جبکہ غیر سودی پالیسی کا طریقہ یہ ہے کہ اگر 50,000 کی پالیسی ہے تو متعلقہ شخص کو 20 سال بعد 50,000 روپے جو اس نے ادا کئے صرف وہی ملیں گے۔ لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا میں اپنے بچوں کے لیے غیر سودی پالیسی خرید سکتا ہوں یا نہیں؟ جبکہ میرا اپنا اس میں کوئی لالچ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بیمہ بھی ادا کرنا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ میں ان کے کاروبار میں معاونت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:-

قرآن کریم کے واضح حکم کے مطابق سود مطلقاً حرام ہے:

و احل اللہ البیع و حرم الربٰوا

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۲۷۵)

حالانکہ حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔

لہٰذا انشورنس کا طریقہ کار سودی ہے تو ظاہر ہے کہ حرام ہے۔

دوسرا طریقہ کار جسے آپ نے غیر سودی لکھا ہے دراصل آپ نے اس کی تشریح غلط کی ہے۔ اگر پچاس ہزار روپے کی پالیسی پر مدت پالیسی گزرنے کے بعد بھی اتنا ہی روپیہ کمپنی دیتی ہے جتنا روپیہ بیمہ کروانے والے نے جمع کیا تھا تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنا روپیہ انشورنس کمپنی کو کس لیے دے گا جبکہ کوئی فائدہ بھی نہ ہو۔ آپ نے جو حصہ چھوڑ دیا ہے وہ یہ ہے کہ مدت پوری ہونے سے پہلے بیمہ کروانے والے کی موت واقع ہو جائے جب بھی کمپنی پچاس ہزار روپے دے گی۔ اور یہ جوا ہے۔ لہٰذا پالیسی متذکرہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔

حرام کام کا ارتکاب کرنا بھی جرم ہے اور اس سلسلے میں کسی کی مدد و معاونت بھی قرآنی تعلیمات کے سراسر منافی ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان

(سورۃ(۵) المائدۃ، آیت:۲)

اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ پر اس معاونت سے کنارہ کشی اور اجتناب لازم ہے۔

سود کا حکم

الاستفتاء:-

محترمی و مکرمی جناب مفتی صاحب، قبلہ!

بنک میں جو رقوم جمع رہتی ہیں ان پر بنک معینہ مدت پر مقررہ شرح سے سود ادا کرتا ہے جسے وہ کھاتہ دار کے کھاتے میں جمع کر دیتا ہے سود چونکہ حرام ہے اور مسلمان کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں لہٰذا براہ کرم راہبری فرمائیں کہ اس سود کی رقم کو جو کہ بینک نے کھاتہ دار کے کھاتے میں ڈال دی ہے کہاں اور کیسے خرچ کیا جائے؟

سائل: اعجاز الحسن زیدی

الجواب:-

سود کے معاملے میں کرنا تو یہ چاہیے کہ سیونگ اکاؤنٹ کھولا ہی نہ جائے یا بنک والوں کو پہلے ہی مطلع کر دیا جائے کہ میرے اکاؤنٹ میں سود نہ لگایا جائے تاکہ سود لینے والوں کی فہرست میں اس کا نام ہی نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا اور کسی کے کھاتے میں سود شامل کر دیا گیا تو اب اس کا طریقہ یہ ہے کہ سود کی وہ رقم کسی غریب حاجت مند کو جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، مالک بنا کر دے دی جائے اور اس عمل میں ثواب کی نیت نہ رکھی جائے کہ

حرام مال ثواب کا ذریعہ نہیں بن سکتا ، بلکہ یہ نیت کرے کہ میرے مال میں جو گندگی شامل ہو گئی تھی اس کو نکال کر اپنا مال پاک کر رہا ہوں ۔ اس سود کے روپے کو کسی ایسے کام میں خرچ نہیں کر سکتے۔ جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا مثلاً مسجد ، مدرسہ ، کنواں اور راستہ وغیرہ بنانے میں صرف کرنا ۔ بلکہ شخصی ملکیت میں دینا ضروری ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سود کا استعمال

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص بینک کا سود لے کر غریبوں کو خیرات کی نیت سے دیتا ہے اور وہ سود اسی لیے لیتا ہے کہ میرے نہ لینے پر غیر مسلم فائدہ اٹھائیں گے ۔ لہٰذا کیوں نہ لے کر غریبوں میں خیرات کر دیا جائے ۔ تو اس کا یہ قول و فعل صحیح ہے یا نہیں ؟

جواب عنایت فرمائیں ۔

سائل : علی صدر ، اورنگی ، کراچی

الجواب :-

سود لینا حرام ہے اور سیونگ اکاؤنٹ کھولنا بھی سود خوروں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانے کے مترادف ہے ۔ لہٰذا اپنے حساب میں سود نہ لگانے کے لیے بنک کو لکھ کر دے دیں ۔ آپ کے نہ لینے سے وہ رقم بنک کے پاس رہے گی ، غیر مسلموں کے پاس نہیں جائے گی ۔ آزادی سے پہلے وہ رقم جو سود کی مد میں مسلمان نہیں لیتے تھے ، عیسائیت کے پھیلانے کے لیے خرچ کی جاتی تھی ۔ مگر اب وہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اگر بمجبوری کسی کے حساب میں سود شامل کر دیا گیا ہے تو اتنی ہی رقم کسی غریب کی ملکیت میں دے دینا واجب ہے ۔ اس میں نیتِ ثواب نہیں کرے گا بلکہ ارادہ یہ ہوگا کہ جو گندگی میرے مال میں شامل ہو گئی ہے ، اس کو اپنے مال سے جدا کر رہا ہوں ۔

سود لینا حرام ہے

الاستفتاء :-

میرے خاندان کے ایک بزرگ کہتے ہیں : گورنمنٹ سود کے بغیر نہیں چل سکتی کیونکہ پاکستان قرضوں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکلنا مشکل ہے ، اس لیے سود ایک مجبوری ہے اور اس کا لینا جائز ہے ۔ کیا یہ موقف صحیح ہے ؟

الجواب:-

سود حرام ہے اور حرام کو حلال کہنا کفر ہے ۔ گورنمنٹ اگر سود لیتی ہے تو وہ غلط کرتی ہے ۔ کسی کا ارتکابِ جرم دوسروں کے لیے وجہِ جواز نہیں ہوتا ۔

غیر مسلم کو سود دینا

الاستفتاء:-

دارالحرب کے کفار کو سود دینا درست ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں ۔

الجواب:-

دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے البتہ دینا جائز نہیں ۔ فقہ کی مشہور و متداول کتاب میں شیخ الاسلام مرغینانی نے حدیث شریف نقل کی ہے :

لاربوٰ بین المسلم والحربی فی دارالحرب

(ہدایہ آخرین ، صفحہ : ۸۶ ، مطبوعہ قرآن محل ۔ کراچی)

دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سود ، سود نہیں ہوتا ۔

اس حدیث کی سند پر اہل علم نے کلام کیا ہے اس لیے اس کی تقویت اور حکم ثابت کرنے کے لیے جو علت تلاش کی گئی وہ یہ کہ دارالحرب میں کافر کا مال اور جان دونوں مامون نہیں ہیں ۔ ہر حربی مباح الدم اور مباح المال ہے ۔ لہٰذا کافر کا مال مسلمان جب لے لے اور غدر اور دھوکے بازی نہ کی ہو تو اس کے لیے مالِ مباح ہے ۔ اگرچہ کفار نے اس کا نام " سود " رکھ دیا ہو ۔

لہٰذا اس علت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کافر حربی سے سود لینا تو جائز ہے مگر دینا جائز نہیں ۔ اس لیے کہ مسلمان کا مال تو محفوظ و مامون ہے اسی لیے صاحب ہدایہ نے صرف لینے کی بات کی ہے ۔ لکھتے ہیں :

لان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالاً مباحاً اذا لم یکن فیه غدراً

(ہدایہ آخرین ، صفحہ : ۸۶ ، مطبوعہ قرآن محل ۔ کراچی)

اس لیے کہ کافروں کا مال ان کے ملک میں مباح و حلال ہے جس طریقہ سے بھی مسلمان نے اس مال کو حاصل کیا مالِ مباح و حلال ہی حاصل کیا جب اس میں دھوکا دہی نہ ہو ۔

صاحبِ فتح القدیر نے بھی جو مثالیں بیان کیں وہ صرف مسلمان کے مال لینے کی ہیں ، دینے کی کوئی مثال بیان نہیں کی ۔ ان کا موقف و مسلک بھی یہی ہے :

وکذا اذا باع منهم میتةً او خنزیراً او قامرهم و اخذ المال یحل کل ذلک عند ابی حنیفه و

محمد رحمہما اللہ

(جلد : ٦ ، آخر باب الربٰوا ، صفحہ : ١٤٤ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور اسی طرح جب کافروں کے ہاتھ مردار یا خنزیر بیچا یا جوا کھیلا اور مال (قیمت) لے لیا تو طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ سب حلال ہے ۔

اور عنایہ میں علت یہ بیان فرمائی :

ولان مال اهل الحرب فی دارهم مباح بالاباحة الاصلية

(علی حاشیة فتح القدیر ، جلد : ٦ ، آخر باب الربٰوا ، صفحہ : ١٤٨ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

کیونکہ اہلِ حرب کا مال ان کی ملکیت میں اباحتِ اصلیہ کے ساتھ مباح و حلال ہے ۔

صاحبِ درمختار نے بھی علت وہی قرار دی اور صرف لینے کی بات کی ہے :

لان مالہ ثمة مباح فیحل برضاہ مطلقاً بلا غدر

(درمختار علی حاشیة ردالمختار ، جلد : ٤ ، صفحہ : ٢٠٩ و ٢١٠ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

کیونکہ کافر کا مال وہاں (دارالحرب میں) مباح ہے تو اس کی رضامندی سے مطلقاً حلال ہے ، جب کہ کوئی دھوکہ نہ کیا ہو ۔

لہٰذا تمام فقہی کتب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حربی کافر کا مال مباح الاصل ہونے کی وجہ سے اس طرح لینا جائز ہے کہ ، دھوکہ دہی ، وعدہ خلافی اور جبر نہ ہو ۔ دینے کے متعلق کسی امام یا فقیہ نے نہیں لکھا ۔

ہمارے نزدیک بھی کافر حربی سے مسلمان سود لے تو سکتا ہے ، دے نہیں سکتا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سود پر قرضہ لینا

الاستفتاء :-

کیا صنعتی مقاصد کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے ؟ ہمارے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں جتنی بھی جگہ سود کو حرام قرار دیا گیا ہے وہاں سود پر قرض لینے کا مقصد ذاتی استعمال کے لیے یا چھوٹے کاروبار کے لیے پیسہ لینا ہے ، کسی بڑے کاروبار کے لیے نہیں ۔ اس لیے صنعتی مقاصد (بڑے کاروبار) کے لیے سود پر قرض لینا اور دینا جائز ہے ۔

الجواب :-

قرآن کریم میں سود کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے ۔ اس میں یہ قید لگانا کہ چھوٹے کاروبار کے لیے ناجائز ہے اور بڑے کاروبار کے لیے جائز ہے ، محض اپنی رائے سے قرآن کریم میں تحریف اور حرام کو حلال بنانے کی

ناجائز کوشش ہے۔

الاستفتاء:-

زید ایک بڑا کارخانہ لگانا چاہتا ہے، جس کی کل لاگت 255 کروڑ روپے ہے۔ جبکہ زید کے پاس صرف 25 کروڑ روپے ہیں تو 230 کروڑ روپے مزید درکار ہیں جو کہ بنک ہی مہیا کرسکتا ہے۔

کیا یہ خیال درست ہے کہ قرآن مجید نے صنعتی مقاصد کے لیے سود پر قرض لینے کو ناجائز قرار نہیں دیا اس لیے صنعتی مقاصد کے لیے سود لینا اور دینا جائز ہے؟

الجواب:-

قرآن کریم نے جب سود کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے تو سود کی تمام صورتیں حرام ہو گئیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ چھوٹی صنعت جو عام طور پر غریب لگاتے ہیں ان کے لیے تو سود پر روپیہ لینا حرام ہو اور بڑی صنعت لگانے والے مالدار لوگوں کے لیے جائز ہو۔ یہ کیا ضروری ہے کہ آپ اپنی استطاعت سے بڑھ کر اور بڑی صنعت لگانے کے لیے سودی روپیہ لیں۔ جتنا سرمایہ میسر ہو اسی سے کاروبار کرنا چاہیے۔

حرام رقم کو کارِ خیر میں خرچ کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) موجودہ دور میں لوگوں کو حلال و حرام روزی کے بارے میں کوئی خیال نہیں رہا کہ روزی حلال ہے یا حرام۔ لوگ کئی طرح کے جائز و ناجائز کاروبار کھولے بیٹھے ہیں مثلاً کیسٹوں کی دکانیں، فوٹو گرافی اور وی سی آر، ناجائز کاموں کے لیے رشوت لینا، دینا وغیرہ۔ جو لوگ یہ کاروبار کرتے ہیں اگر وہ اپنا روپیہ کسی کارِ خیر میں دیں، مثلاً زکوٰۃ و خیرات یا مسجد میں خرچ کریں تو ان لوگوں کو یہ رقم خرچ کرنے سے کوئی ثواب ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلے کے بارے میں آپ دلائل کی روشنی میں جواب دیں۔ یعنی قرآن حکیم کی کوئی آیت یا حدیث یا فقہی عبارت نقل فرمائیں، جس سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہو۔

(۲) موجودہ دور میں بینکوں کا کاروبار چل رہا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنا روپیہ خود اپنے طور پر کسی کاروبار میں لگاتا ہے تو اس کو منافع ہوتا ہے۔ اگر وہ روپیہ بینک میں رکھ دے تو بینک والے اس رقم سے کاروبار کرتے ہیں اور کچھ منافع کی شرح جو کہ طے شدہ ہوتی ہے، اس رقم رکھنے والے کو منافع کے طور پر دیتے ہیں۔ تو یہ منافع جو رقم پر دیا جاتا ہے کیا وہ سود اور حرام ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟

سائل: نور محمد، ٹنڈو الہ یار

الجواب :-

(۱) لوگوں کے دلوں سے خوفِ خدا اٹھ گیا ہے اور حرام و حلال کی تمیز بھی جاتی رہی۔ مال کی محبت نے ان کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ حدیث، جسے امام احمد ابن حنبل نے اپنی "مسند" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، تازیانہ عبرت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ولا یکسب عبد مالاً من حرام فینفق منہ فیبارک لہ فیہ، ولا یتصدق بہ فیقبل منہ، ولا یترک خلف ظہرہ الا کان زادہ الی النار

(مسند الامام احمد بن حنبل، ۳۸۷/۱، مطبوعہ : دار احیاء التراث العربی بیروت)

جو بندہ مالِ حرام حاصل کرتا ہے اگر اس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور خرچ کرے تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں اور اپنے بعد چھوڑ مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے۔

مال کی یہی تین حالتیں ہیں اور مالِ حرام کی تینوں حالتیں خراب ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرام مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے والے کو کسی قسم کا اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) کفار نے یہی کہا تھا:

انما البیع مثل الربٰوا

(القرآن، سورۃ (۲) البقرۃ، آیت : ۲۷۵)

یعنی بیع، ربٰوا (سود) ہی کی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

احل اللہ البیع و حرم الربٰوا

(القرآن، سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۲۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔

صاحبِ درمختار نے قرض کی بحث میں یہ حدیث شریف نقل کی ہے:

کل قرض جر نفعاً فہو ربٰوا

(درمختار، جلد : ۴، صفحہ : ۱۹۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ہر وہ قرض جس سے (پیشگی طے شدہ) منفعت حاصل کی جائے، سود ہے۔

لہٰذا اس طرح قرض دے کر اس سے کوئی فائدہ اٹھانا سود ہے۔

ملاوٹ کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ملاوٹ کرنا کیسا ہے؟ کیونکہ ایک رفاہی ادارہ ہے جو خدمت خلق کے نام سے کام کر رہا ہے لیکن ادارے کی اکثر و بیشتر چیزوں میں ملاوٹ ہوتی ہے۔

شریعت محمدیہ کی روشنی میں مکمل اور مدلل جواب باصواب سے مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ امید ہے جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

سائل: شیخ محمد تاج الدین، شاہ فیصل کالونی، کراچی

الجواب:-

مسلمان کی تجارت دروغ گوئی، وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور ملاوٹ جیسے خلاف شرع امور سے پاک ہوتی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت احادیث ان کاموں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پاک ہے:

من غش فلیس منا

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراھیة الغش فی البیوع)

جو دھوکہ اور ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

لہٰذا سوال میں جس ادارے کے حالات لکھے ہیں، اگر یہ صحیح ہیں تو انتہائی بددیانتی اور دھوکہ بازی ہے۔ حکومت سے مطالبہ کر کے اس ادارے کے کاموں کو بند کروا دینا چاہیے۔

الاستفتاء:-

علمائے اہل سنت و جماعت کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ کوئی شخص کم قیمت کے چاول کو زیادہ قیمت کے چاولوں میں ملاتا یہ سوچ کر جائز سمجھے کہ چاول ایک ہی جنس ہے۔ اسی طریقے سے کوئی شخص پنجاب کے باسمتی ٹوٹہ کو، جو کہ کافی مہنگا ہوتا ہے، سندھ کے ٹوٹہ میں، جو کہ سستا ہوتا ہے، مکس کرے اور یہ کہے کہ یہ "خالص ٹوٹہ" ہے اور "خالص ٹوٹہ" کہنے سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے ٹوٹہ میں کوئی دوسرا چاول مکس نہیں کیا۔

سائل: عبد الغنی، علی آباد

الجواب:-

تجارت میں جھوٹ بولنا بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے غیر تجارت میں۔ ملاوٹ کرنا، کم درجے کے چاول ملا دینا

یا اور جگہ کے چاول ملا کر اور کسی دوسری جگہ کا نام لے کر بیچنا۔ یہ سب دھوکہ بازی ہے، جو حرام ہے۔ ایسی تجارت کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

من غش فلیس منا

(ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع)

جو دھوکہ اور ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

گلوکاری کی کمائی

الاستفتاء:-

محترم المقام حضرت قبلہ مفتی محمد وقار الدین صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کہ ایک شخص گلوکار ہے اور رنگ و سرور کی محفلوں میں شریک ہوتا ہے۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ گانا بجانا ہے۔ اگر ایسا شخص کوئی چیز یا کپڑوں کا جوڑا خرید کر کسی مسجد کے امام و خطیب کو دے اور یہ کہے کہ آپ ہی اسے استعمال کریں تو کیا وہ امام یہ کپڑے پہن کر نماز پڑھا سکتا ہے؟ اگر استعمال نہیں کرسکتا تو ان کپڑوں کا کیا کرنا چاہیے؟

سائل: حافظ خیر محمد اویسی رضوی، امام مسجد ابراہیم، کورنگی، کراچی

الجواب:-

گانے بجانے کی کمائی حرام ہے۔ اس روپے کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرنا بھی ناجائز ہے اور کسی کو ہدیے کے طور پر دینا بھی۔ جس کو یہ روپیہ دیا اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ روپیہ ناجائز طور پر کمایا گیا ہے تو اسے بھی لینا ناجائز ہے۔ یہ حکم روپے کا ہے۔ لیکن اس روپے سے کوئی چیز خریدی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ حرام کمائی کا روپیہ معین کر کے اور دکاندار کو دکھا کر کہے کہ اس روپے کا کپڑا (یا جو چیز بھی خرید رہا ہے) دے دو اور وہی روپیہ دکان دار کو دے تو جو چیز خریدی گئی وہ بھی ناجائز ہے۔ اسے "عقد و نقد" کہتے ہیں۔ یعنی روپیہ دکھا کر خریدنے کو عقد اور دینے کو نقد کہتے ہیں۔ تو جب عقد و نقد دونوں حرام پر ہوتے ہیں تو خریدی جانے والی چیز بھی حرام ہوتی ہے۔

اگر دونوں میں سے ایک حرام پر نہ ہو تو جو چیز لی جاتی ہے وہ حرام نہیں ہوتی۔ مثلاً حرام کمائی کا روپیہ دکھا کر دکان دار سے کہا اس روپے کے بدلے میں کوئی چیز دے دو، پھر وہ روپیہ رکھ لیا اور حلال کمائی کا روپیہ دے دیا تو عقد حرام پر ہے مگر نقد حرام پر نہیں ہے۔ یا روپیہ دکھایا اور معین نہیں کیا اور مطلقاً کہا کہ دس روپے میں

مجھے کپڑا دے دو۔ دکاندار نے دے دیا اس کے بعد ناجائز کمائی کا روپیہ دے کر کپڑا لے لیا تو یہاں عقد حرام پر نہیں ہے نقد حرام ہے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اس طرح جو چیز خریدی گئی ہے اس کا استعمال جائز ہے۔ ہمارے یہاں عام طور پر خرید و فروخت آخری طریقے پر ہوتی ہے۔ اس طرح خرید کر جو کپڑا دیا گیا امام کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

خون کی خرید و فروخت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خون کا خریدنا، بیچنا اور کسی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

خون کی نجاست اور حرمت قطعی ہے اور قرآن کریم کی نص صریح سے ثابت ہے۔ شرعاً اس کو بیچنا جائز اور نہ استعمال کرنا۔ حدیث میں فرمایا:

لا شفاء فی الحرام

حرام میں شفا ہے ہی نہیں۔

لہٰذا خون دینا بھی ناجائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اسمگلنگ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) ایک آدمی اسمگلنگ کا کاروبار کرتا ہے، مال اسمگل کر کے لاتا ہے اور اسمگل شدہ مال خریدتا اور بیچتا بھی ہے۔ وہ اگر کچھ رقم کسی شخص کو دے کر مالک بنادے اور دوسرا شخص بعینہ اسی رقم کو مسجد کے مصارف میں دے دے۔ تو کیا اس رقم کا استعمال مسجد میں جائز ہے؟

یا دوسرے شخص نے متذکرہ رقم کو اپنے ذاتی مال میں مخلوط کر لیا۔ اس کے بعد اس مال مخلوط میں سے وہ رقم مسجد کو دے دی۔ تو کیا اس رقم کا اس صورت میں مسجد کے لیے استعمال جائز ہے یا نہیں؟

سائل: ناصر حسین، نیو کراچی

الجواب:-

اسمگلنگ کرنا یا اسمگلنگ کا مال بیچنا اور خریدنا اس لیے ناجائز ہے کہ یہ ملک کے قانون کے خلاف ہے اور مسلمان کو خلافِ قانون کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ خلاف قانون کام کرنے سے جب پکڑا جائے گا تو پہلے جھوٹ بولے گا، اگر جھوٹ سے کام نہ چلا تو رشوت دے گا، اور رشوت سے بھی کام نہ چلا تو سزا ہوگی جس میں اس کی بے عزتی ہے۔ مسلمان کوئی ایسا کام ہی نہ کرے جس سے جھوٹ بولنا یا رشوت دینا پڑے یا جس سے اس کی بے عزتی ہو۔ مگر ایسا کرنے والا گنہگار ہونے کے باوجود مال کا مالک ہو جاتا ہے، جبکہ بیع شریعت کے مطابق ہو۔ جب مال میں حرمت نہیں آئی تو اپنا مال ہر کام میں خرچ کر سکتا ہے۔

الاستفتاء:-

جناب علمائے کرام و مفتیان عظام!

میں کوئٹہ کی مارکیٹ سے مال خرید کر کراچی لاتا ہوں۔ کوئٹہ مارکیٹ والے جائز و ناجائز دونوں طریقوں سے بیرون ملک سے مال لاتے ہیں۔ جبکہ کوئٹہ شہر میں مارکیٹ کے اندر خرید و فروخت کھلے عام ہوتی ہے۔ پولیس وغیرہ نہیں پکڑتی۔ لیکن جب ہم مال لے کر آتے ہیں تو راستہ میں پولیس والے تنگ کرتے ہیں۔ بغیر رشوت کے نہیں چھوڑتے۔ آیا اس صورت میں پولیس کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

مال کی فہرست یہ ہے: گھڑی، عینک، دوائی، پرفیوم، شیمپو، صابن اور الیکٹرانک کا سامان۔

اس کا جواب قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

کوئٹہ میں دوسرے ممالک کا جو سامان ملتا ہے وہ اسمگلنگ کر کے لایا جاتا ہے۔ اگر لائسنس لے کر جائز طریقے سے لایا جاتا تو سارے ملک میں یہ سامان انہی نرخوں پر دستیاب ہوتا۔ اسمگلنگ کر کے سامان لانا ناجائز ہے۔ جو شخص کوئٹہ سامان خریدنے جاتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ مال ناجائز طریقے سے لایا گیا ہے اور اس کو خرید کر کراچی لے جانے میں رشوت دینا پڑے گی۔ لہٰذا ایسا مال خریدنے ہی نہ جائے جس کی وجہ سے رشوت دینا پڑے۔

مروجہ سودی اسکیموں کا بیان

الاستفتاء:-

مکرمی جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

(۱) سرمایہ کاری کے لیے حکومت پاکستان کی جاری کردہ مندرجہ ذیل اسکیمیں ہیں۔

(الف) نیشنل ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس (N . D . F . C)۔ نام سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے حاصل شدہ سرمائے کو قومی دفاع کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس پر سالانہ متفرق شرح سے منافع (جو سود کہلاتا ہے) دیا جاتا ہے۔ منافع مقرر ہے اور نقصان کا کوئی امکان بھی نہیں۔

(ب) خاص ڈپازٹ (ج) واپڈا بونڈ (د) سیونگ سرٹیفکیٹ (ز) بیئرر سرٹیفکیٹ وغیرہ اسکیموں پر بھی سالانہ اور ماہواری منافع مقرر ہے اور نقصان کا کوئی احتمال نہیں۔

(۲) این آئی ٹی یونٹس کی، حصص کی شکل میں خرید و فروخت، دیگر نجی اداروں کے حصص کی طرح اسٹاک ایکسچینج میں بھی ہوتی ہے۔ قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ ان حصص کی فروخت سے حاصل شدہ سرمایہ سے حکومت متفرق نجی اداروں کے حصص خریدتی ہے اور ان اداروں سے ملنے والے منافع کو اپنے شراکت داروں میں تقسیم کرتی ہے جو کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اس میں نقصان کا بھی امکان ہے۔

کیا ان تمام اسکیموں میں روپیہ لگانا جائز ہے؟

سائل: وسیم عباس حنفی

الجواب:-

گورنمنٹ کی جتنی اسکیموں کا سوال میں تذکرہ ہے یہ سب خالصتاً سودی اسکیمیں ہیں۔ صاحب درمختار نے قرض کی بحث میں یہ حدیث نقل کی ہے جس میں سود کی تعریف بیان کی گئی ہے:

کل دین جر به نفعا فهو ربٰوا

(درمختار، جلد: ۴، صفحہ: ۱۹۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی قرض دے کر جو نفع حاصل کیا جائے گا وہ سود ہے۔

لہٰذا یہ تمام اسکیمیں سودی ہیں۔ ان کو شراکت کہنا غلط ہے، شراکت میں نفع کی مقدار معین نہیں کی جا سکتی۔ ان اسکیموں میں اصل رقم کے علاوہ جو زائد رقم وصول کی جائے گی وہ سود ہے اور حرام ہے اور ان اسکیموں میں روپیہ لگانا بھی حرام ہے۔

شیئرز (حصص) کی خرید و فروخت کا مطلب یہ ہے کہ جن تجارتی اداروں کے شیئرز ہیں ان کے حصوں کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہوگا کہ اس تجارتی ادارے کا کاروبار جائز ہے یا ناجائز۔ عام طور پر جب فیکٹری لگائی جاتی ہے تو اس کے شیئرز فروخت کرنے سے پہلے اخبارات میں تفصیل چھاپ دی جاتی ہے کہ اس میں سرمایہ کتنا لگے گا اور قرضہ کتنا لیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ قرضہ سودی ہوگا اور فیکٹری سودی روپے سے چلائی جائے گی۔ لہٰذا جو بھی شیئرز خریدے گا وہ اس سود کے کاروبار میں شریک ہوگا اور سود کی حرمت کی جتنی وعیدیں ہیں وہ سب اس کے لیے بھی ہیں۔ لہٰذا شیئرز کا خریدنا ناجائز ہے۔

اگر ادارے کا کام سودی روپے سے نہ ہو تو اس کے حصص کا خریدنا جائز ہے۔ لیکن مارکیٹ میں جو شیئرز

کی خرید فروخت ہوتی ہے۔ یہ سب جوا اور سٹہ ہے۔

زائد رقم پر بانڈ کی خرید و فروخت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

زید بکر کے پاس آتا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ روپے کے پرائز بانڈ رکھوا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں بکر سے ایک لاکھ روپیہ نقد لے جاتا ہے۔ پھر ایک ماہ بعد بکر کو ایک لاکھ ایک ہزار روپیہ نقد دے کر اس کے عوض اپنے وہی پرائز بانڈ جن کی مالیت ایک لاکھ روپیہ ہے، واپس لے جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا یہ فعل اور اس سے حاصل شدہ آمدنی بکر کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

شریعت کی رو سے مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب:-

اگر یہ بانڈز بطور رہن رکھ کر روپیہ لیا تھا اور اس کے بعد زیادہ روپیہ دے کر یہ رہن چھڑا لیا تو یہ سود ہے اور حرام ہے، یعنی قرض پر زیادہ لیا ہے جبکہ بانڈز تو صرف ضمانت کے طور پر رکھے گئے تھے۔ اگر یہ بانڈز ان کے ہاتھ فروخت کئے گئے تھے اور اسی وقت یہ شرط کرلی تھی کہ میں دوبارہ ان بانڈز کو ایک لاکھ ایک ہزار میں خرید لوں گا تو پہلی بیع بھی اس شرط سے فاسد ہوگی اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس کو توڑ دینا واجب ہے، نہ توڑا تو گنہگار ہے اور جو قیمت لی ہے وہ مال خبیث ہے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ پرائز بانڈز خریدنے کے لیے لوگ قطار میں لگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں ایک آدمی جو اندر ملازم ہے، آتا ہے ان سے مقررہ قیمت سے زائد پیسے لے کر بانڈز دے دیتا ہے۔ کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

سائل: بندہ خدا

الجواب:-

بانڈز یا نوٹ مقررہ قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنا جرم ہے اور قانونی طور سے جو بات منع ہو وہ شرعی طور پر اس لیے ناجائز ہوتی ہے کہ اگر قانون کے خلاف کام کرے گا اور پکڑا جائے گا تو رشوت دے گا، جھوٹ بولے گا یا سزا پائے گا۔ لہذا مسلمان کو کوئی ایسا کام کرنا جائز نہیں جس کی وجہ سے یہ گناہ کے کام کرنا پڑیں۔

بیسی کی رقم کو کم یا زیادہ میں بیچنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ 50 آدمیوں نے ملکر 1500 روپے ماہانہ کے حساب سے بیسی ڈالنے کا معاہدہ کیا۔ اس بیسی کا زید کو سربراہ اور نگران بنا دیا جاتا ہے جو طے کرتا ہے کہ پہلی بیسی، جو مبلغ پچھتر ہزار روپے بنتی ہے، خود لے گا۔ اس پر عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔ جب دوسرے ماہ بیسی ہوتی ہے تو اس بیسی کا نیلام کرنے کے لیے بولی طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ باقاعدہ بولی لگتی ہے۔ کوئی پچاس ہزار بولی لگاتا ہے۔ اور کوئی چالیس ہزار روپے۔ اسی طرح کم کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ کم سے کم بولی دینے والے ممبر کو اس کی بولی کے مساوی رقم دے دی جاتی ہے اور باقی حصہ شرکاء میں منافع سمجھ کر تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے ماہ ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ انچاسویں ممبر پر جا کر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ آخر میں آخری ممبر کو پوری بیسی یعنی مبلغ پچھتر ہزار روپے دیتے ہیں جبکہ آخری اور پہلا ممبر شروع سے لے کر آخر تک منافع مذکور بھی لیتے رہتے ہیں۔ اس طرح پہلے اور آخری دونوں ممبروں کو مقررہ رقم 75000 ہزار روپے پورے مل جاتے ہیں اور درمیانی ممبروں کو پوری رقم 75000 ہزار نہیں ملتی۔ اول و آخر دونوں کو خوب فائدہ پہنچتا ہے اور درمیانی ممبروں کو نقصان ہوتا ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً ایسی کمیٹی (بیسی) جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ ناجائز ہے تو کیوں؟ اور ایسی بیسی میں کوئی امام یا مؤذن ممبر ہوں تو کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور مؤذن کی اذان و اقامت درست ہوگی یا نہیں؟ اور ان کو اس منصب پر فائز رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر کوئی ایسے شخص کی حمایت کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب:-

روپیہ، سونا اور چاندی کی بیع جب اپنے ہم جنس سے ہو تو نقد دینا اور برابر رکھنا شرط ہے کمی یا زیادتی ہو یا ادھار ہو تو حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الصرف هو البيع اذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الاثمان فان باع فضة بفضة او ذهباً بذهب لايجوز الا مثلاً بمثل وان اختلفت في الجودة والصياغة ولابد من قبض العوضين قبل الا

(ہدایہ آخرین، صفحہ: ۱۰۴، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

صَرف وہ بیع ہے کہ اشیاء مبادلہ میں سے ہر ایک "جنسِ نقد" سے تعلق رکھتی ہو، اگر چاندی کے بدلے میں چاندی یا سونے کے بدلے میں سونا بیچا تو برابر برابر ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگرچہ کھرا اور کھوٹا ہونے

میں یکساں نہ ہوں اور فریقین کے جدا ہونے سے پہلے اشیاء مبادلہ پر قبضہ کر لینا بھی ضروری ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے۔ بیسی کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر مہینے تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کر کے باری باری سب کو قرعہ اندازی کر کے پوری رقم ایک ساتھ دے دی جائے۔

جو امام یا مؤذن اس حرام کاروبار میں شریک ہوتا ہے اس کی امامت اور اذان دینا ناجائز ہے اور ناجائز کام میں حمایت کرنے والا بھی اتنا ہی گناہ گار ہے جتنا کہ حرام کام کرنے والا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

و تعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

(سورۃ (۵) المآئدۃ، آیت : ۲)

اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر۔

بلاسودی بینکاری میں کام کرنا اور این آئی ٹی اسکیم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اور علمائے کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) انعامی بانڈ پر انعام حاصل کرنا، اس کا کاروبار کرنا اور اس کی تشہیر کرنا کیسا ہے؟

(۲) بلاسود بنکاری کا منافع شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) بینک کی بلاسود بنکاری میں کام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

(۴) NIT یعنی (قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ) کا منافع حاصل کرنا، اس ادارے میں کام کرنا اور اس ادارے کی تشہیر کرنا کیسا ہے؟

مہربانی فرما کر جواب جلد روانہ فرمائیں۔

سائل: محمد حنیف صالح محمد، چاند بی بی روڈ، کراچی

الجواب:-

(۱) گیارہ روپے کے انعامی بانڈ کے ماسوا تمام انعامی بانڈز پر انعام حاصل کرنا، ان کا کاروبار اور تشہیر شرعاً جائز ہیں۔ گیارہ روپے کے انعامی بانڈز کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے بعد اس کی قیمت کم ہو کر صرف دس روپے رہ جاتی ہے۔ جہاں اصل زر یا اس کی ایک معینہ مقدار ڈوب جائے، وہ جوا ہوتا ہے۔ اور جوا شرعاً ناجائز ہے۔ لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے گیارہ روپے کا انعامی بانڈ خریدنا اور نفع حاصل کرنا بھی ناجائز قرار پائے گا۔

(۲) ابھی تک جس طرح بلاسود بینکاری میں منافع کا اعلان مختلف بینکوں میں مختلف شرح فیصد کے

حساب سے کیا جاتا ہے ، یہ تو سود ہے ۔ اس لیے کہ شراکت میں نفع و نقصان دونوں میں شرکت ہوتی ہے ۔ جبکہ متذکرہ بینکاری میں نقصان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔ نفع جب پیشگی معین کر دیا جائے تو وہ سود ہو جاتا ہے ۔ البتہ حساب کرنے کے بعد جو منافع ہوگا اس کو تمام شرکاء پر ان کے روپے کی مقدار کے مطابق تقسیم کیا جائے تو وہ جائز ہوتا ہے ۔

(۳) جس ملازمت میں سود کے کاغذات لکھنا ہوں گے ، ناجائز ہے ۔

(۴) بظاہر تو یہ بھی سود ہی ہے کہ اس پر نفع کا ہر ہفتے میں تعین حکومت کر رہی ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قومی بچت اسکیموں کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل حکومت پاکستان کے زیر انتظام سرمایہ کاری کے اداروں نے ڈیپازٹس کی مختلف اسکیمیں جاری کر رکھی ہیں ۔ یعنی اگر آج ان کے پاس بالفرض ایک سال کے لیے ایک لاکھ روپیہ جمع کروا دیں تو وہ آپ کو ماہانہ 1100 روپے نفع دیتے ہیں ۔ تو کیا یہ کاروبار بھی سودی نظام کے زمرے میں آتا ہے ؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو کس طرح ؟

متعلقہ کاروباری ادارے کہتے ہیں کہ جہالت کے زمانے میں سود یوں ہوتا تھا کہ ایک شخص دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اور اس کو ذہنی اور قلبی اذیت پہنچا کر اس سے زبردستی لیا کرتا تھا اور ہمارا نظام اس کے برعکس ہے ۔ یعنی پہلے یوں ہوتا تھا کہ ایک شخص مثلاً زید اپنی کسی پریشانی اور مجبوری کی حالت میں بکر کے پاس جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ مجھے 100 روپیہ ادھار دے دو تو بکر اس کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے مشروط طور پر رقم دیا کرتا تھا کہ جب تک میری رقم مجھے واپس نہیں کرو گے دس روپے ماہانہ مجھے نفع دیتے رہنا۔ اب چونکہ زید مجبور ہے اس لیے اس کو بادل ناخواستہ مشروط طور پر پیسے لینے پڑتے ہیں ۔ چاہے وہ 10 روپے ماہانہ دینے کے قابل ہو یا نہیں ۔ بکر اس سے وہ بہر طور وصول کرتا ہے ۔ جو کہ واقعی انسانیت سوز بات ہے ۔ لہٰذا وہ کاروبار جس میں کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اور اس کا دل دکھا کر پیسہ کمایا جائے ۔ وہ واقعی سود میں شامل ہے ۔

مگر آج کل بینک والوں کے نظام اس کے برعکس ہیں کہ زید خود اپنی رقم لے کر بکر کے پاس مرضی سے گیا اور اس سے کہا کہ تم میری یہ رقم لے لو اور اپنا کاروبار کرو اور اس کے نفع سے جو مناسب ہو وہ مجھے بھی دیتے رہنا۔ تو گویا اس مثال میں بکر ، زید کی مجبوری سے یا اس پر دباؤ ڈال کر اس سے پیسے حاصل نہیں کر رہا ہے بلکہ زید راضی و خوشی یہ رقم اس کے حوالے کر رہا ہے اور بکر بھی راضی و خوشی اسے رقم پر معقول نفع دے رہا ہے اور اس کی رقم کی حفاظت بھی کر رہا ہے ۔ تو پھر یہ کیسے سودی نظام کے زمرے میں آتا ہے ؟ جبکہ سودی نظام میں بکر ، زید کی

مجبوری سے فائدہ اٹھاتا اور اس کو نقصان پہنچا کر پیسے حاصل کرتا ہے۔ مگر موجودہ ڈپازٹ میں بکر، زید کو فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بھی باہمی اتفاق رائے کے ساتھ۔

برائے کرم فقہ کی روشنی میں اور دلائل معتبرہ کے ساتھ ارشاد فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: مظفور افتخار ہاشمی

الجواب:-

صورت مسئولہ میں جس ڈپازٹ اسکیم کا ذکر ہے یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔ بینک والوں کا مندرجہ بالا بیان درست نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

و احل اللّٰہ البیع و حرم الربوٰا

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۲۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کیا۔

اس واضح ارشاد ربانی کے بعد ربٰوا کی حرمت میں کوئی تردد باقی نہیں رہ جاتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

یا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و ذروا ما بقیَ من الربٰوا ان کنتم مومنین ٥ فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰہ و رسولہ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیات: ۲۷۸ و ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ کے عذاب سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کا۔

ان آیات قرآنی سے سود کی مطلق حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر اپنی عقل اور رائے کو ان ارشادات الٰہیہ میں شامل کیا جائے تو یہ تحریف کے مترادف ہے اور قرآن کے مطلب کو بدلنا ہے، جو حرام ہے۔

لکی کمیٹی کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان دین لکی کمیٹی کے بارے میں؟ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کل ممبر 200 ہیں اور کمیٹی کی میعاد 25 ماہ ہے۔ ہر ممبر مہینے کی پہلی تاریخ کو 100 روپے دیتا ہے۔ جب تمام رقم جمع ہو جاتی ہے تو قرعہ اندازی ہوتی ہے۔ جس کا نام نکل آتا ہے۔ وہ 25 ماہ کے برابر رقم یعنی 2500 روپے لے لیتا ہے اور باقی قسطیں ادا نہیں کرتا۔ آخری مہینے میں تمام ممبران کو ان کی جمع شدہ رقم کے برابر یعنی 2500 روپے دے

دیئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ کیٹی کیسا ہے؟ اور اگر کسی کی کیٹی نکل آئے تو وہ کیا کرے؟ کیا روپے بدل کر کسی دینی کام میں لگا سکتا ہے؟ اگر حرام ہے تو اس میں اور پرائز بانڈ میں کیا فرق ہے؟

جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب:-

لاٹری کی جو صورت سوال میں مذکور ہے۔ یہ حرام ہے کہ بعینہٖ "جوا" ہے۔ پرائز بانڈ میں جو لاٹری پڑتی ہے وہ "جوا" نہیں ہے۔ جوئے کے معنی یہی ہیں کہ مال کو اس طرح داؤ پر لگا دیا جائے کہ یا تو زائد مل جائے گا یا مال چلا جائے گا۔ سوال کی صورت یہی ہے کہ مہینہ یا دو مہینے قسط دینے کے بعد اسے زیادہ مل جائے گا اور باقی قسط ادا نہیں کرے گا۔ پرائز بانڈ میں قرعہ اندازی کے بعد بھی جس بانڈ کی قیمت کم نہیں ہوتی وہ جوا نہیں ہے، اس لیے جائز ہے۔

داڑھی مونڈنا اور اسکی اجرت حرام ہے

الاستفتاء:-

کیا داڑھی مونڈنے والے کا پیشہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ناجائز ہے؟

سائل: محمد حلیم عبدالغفار، رنچھوڑ لائن، کراچی

الجواب:-

داڑھی مونڈنا حرام ہے۔ یہ کام کرنا بھی حرام ہے، کسی سے کروانا بھی حرام اور اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

کتا حرام ہے

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ امام اعظم کے مسلک میں یہ ہے کہ اگر کتے کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، جس کا کھانا جائز ہو جاتا ہے۔ ایسے من گھڑت مسائل ہیں ابو حنیفہ کی کتب میں۔ لہٰذا مجھے اگر فقہ کی کوئی ایسی کتاب ملی تو میں اس کو جلا دوں گا۔ علمائے کرام سے عرض ہے کہ اس بات کو واضح فرمائیں کہ یہ مسئلہ امام صاحب کے مسلک میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس طرح ہے؟ اور اس پر کیا دلیل ہے؟ کیا یہ قرآن یا حدیث سے ثابت ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو

پھر الزام لگانے والے شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ جب کہ اس نے امام اعظم کی شان میں توہین کی اور ان پر بے بنیاد الزام لگایا۔

سائل: محمد حسن کشمیری، پنجاب کالونی، کراچی

الجواب:-

کسی چیز کے پاک و ناپاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ پانی میں گر جائے تو پانی پاک رہے گا یا نہیں؟ اور کسی چیز کے حلال و حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کھانا اور دوسرے استعمال جائز ہیں یا ناجائز؟ کسی چیز کو پاک جاننے سے یہ سمجھ لینا کہ اس کا کھانا حلال ہو گیا، انتہائی جہالت یا جان بوجھ کر افتراء ہے۔ سینکڑوں چیزیں ہیں جو پاک ہیں لیکن ان کے کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی جائز کہہ سکتا ہے۔ مثلاً انسان کے منہ اور ناک سے نکلنے والا بلغم، انسان کے ناخن اور بال پاک ہیں، بطخ اور مرغی کے علاوہ تمام حلال پرندوں کی بیٹ پاک ہے، کیا ان کا کھانا کوئی حلال کہہ سکتا ہے؟ پانی میں مچھلی کے علاوہ جو کیڑے مکوڑے ہیں اور زمین پر مچھر، مکھی اور طرح طرح کے ایسے پتنگے جن میں بہنے والا خون نہیں، سب پاک ہیں۔ مگر ان کو کھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خود غیر مقلدین کے یہاں دودھ پیتے بچے کا پیشاب پاک ہے۔ کیا وہ اس کا پینا جائز رکھتے ہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین کے نزدیک "منی" پاک ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا کھانا بھی جائز و حلال سمجھ لیا گیا ہو۔

غرض یہ کہ سوال میں مذکور یہ بات کہ احناف کے نزدیک کتا ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہے، سراسر افترا اور جھوٹ ہے۔ فقہ حنفی کی کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے حلت کا معنی نکلتا ہو۔ فقہ حنفی میں یہ ضرور لکھا ہے کہ خنزیر کے علاوہ دوسرے جانور اگر کوئی مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دے گا تو وہ پاک ہو جائے گا۔ اور پاک ہونے کا مقصد وہی کہ اب پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، نمازی اس کا گوشت جیب میں رکھ کر نماز پڑھے گا تو نماز باطل نہ ہوگی وغیرہ۔ کھانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ اوپر لکھ دیا گیا ہے کہ طہارت سے حلت ثابت کرنا جہالت ہے اور احناف پر افتراء ہے ایسے جھوٹے بہتان لگا کر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کرنے والا گمراہ اور بے دین ہے۔ غیر مقلدین اپنی جہالتوں سے اس قسم کی لغویات فقہ حنفی کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

واللہ تعالیٰ اعلم

کوّے کے حرام ہونے کا بیان

الاستفتاء:-

فتاوی رشیدیہ میں زاغ معروف یعنی کوّا کھانا حلال قرار دیا گیا ہے اور اس کی تائید میں ایک فتوی بھی جاری کیا گیا ہے جو ساتھ ہی منسلک ہے۔

لہذا شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کوّا کھانا حلال ہے یا حرام ؟

الجواب:-

فتاوی رشیدیہ میں زاغ معروف کو کھانا ثواب لکھا ہے ، جیسا کہ آپ نے بھی نقل کیا ہے اور عرف عام میں جس کو " کوّا " کہتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ کوّا وہ ہے جو آبادیوں میں آتا ہے اس کے سینے پر سفیدی ہوتی ہے۔ ہر شخص کوے کا نام سن کر اس لفظ سے اسی کو مراد لیتا ہے اور یہی زاغ معروف ہے۔ اس کو تمام مستند کتب فقہ میں حرام لکھا ہے۔ در مختار و شامی میں ہے:

والغراب الابقع

(درمختار ، جلد : ۵ ، صفحہ : ۲۱۵ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور غراب ابقع (زاغ معروف) وہ ہے جس میں سفیدی اور سیاہی ہوتی ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی نے لکھا ہے:

الذی فیہ بیاض و سوادٌ

(جلد : ۵ ، صفحہ : ۲۱۵ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی وہی کوّا جو سیاہ و سفید ہوتا ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار میں بھی یہی لکھا ہے:

ھوالذی فیہ سوادٌ و بیاض

(جلد : ۴ ، کتاب الذبائح ، صفحہ : ۱۵٦ ، المکتبۃ العربیۃ ، کوئٹہ)

تبیین الحقائق میں بھی غرابِ ابقع کو حرام لکھا ہے۔

(جلد : ۵ ، صفحہ : ۲۹۵ ، مکتبہ امیریہ ، مصر)

اس کے علاوہ بحرالرائق میں بھی لکھا:

اما الغراب الابقع فلانہ یأکل الجیف فصار کسباع الطیر

(جلد : ۸ ، صفحہ : ۱٤۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی رہا معاملہ زاغ سیاہ و سفید یعنی زاغ معروف کا تو وہ اس لیے حرام ہے کہ وہ مردار کھاتا ہے پس وہ چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں کی طرح ہے ۔

ان تمام فتاوی سے اس کوّے کا حرام ہونا ، جسے عرف عام میں " کوّا " کہتے ہیں ، بالکل ظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ اسی کو رشید احمد نے حلال لکھا ، بلکہ کھانا بھی باعثِ ثواب لکھا ہے ۔ اور یہ فتوی جو آپ نے بھیجا ہے اس کے لکھنے والوں نے دھوکہ دہی کے لیے جو عبارتیں لکھیں وہ اس کوّے کے بارے میں نہیں تھیں بلکہ غراب زرع یعنی کھیتی کے کوّے کے بارے میں تھیں ، ان تمام فتاوی میں یہ تفصیل سے لکھا ہوا ہے کہ کوّے تین قسم کے ہیں : ایک ہی غراب الابقع ہے ۔ جس کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے ۔ دوسرا غراب زرع جو نجاست بالکل نہیں کھاتا بلکہ کھیتوں میں غلہ کھاتا ہے ۔ وہ بالاتفاق حلال ہے ۔ اور تیسرا عقعق ، یہ جھاڑیوں میں رہتا ہے اور عقعق کر کے آواز نکالتا ہے ۔ کبھی نجاست بھی کھالیتا ہے اور دانے بھی کھالیتا ہے ۔ اس میں اختلاف ہے ۔ امام اعظم کے نزدیک حلال ہے ۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ ہے ۔ ان پچھلی دو قسموں کو اردو میں نہ کوّا کہتے ہیں اور نہ کوئی اردو داں کوّے کے نام سے ان کو پہچانتا ہے ۔ تیسری قسم کے کوّے کو اردو میں بھی عقعق ہی کہتے ہیں ۔ یہ تمام تفصیل بحرالرائق ، شامی اور تبیین وغیرہ سب کتابوں میں موجود ہے ۔ بحرالرائق کی عبارت یہ ہے :

والغراب ثلاثة انواع نوع یأکل الجیف فحسب فانه لایؤکل ، نوع یأکل الحب فحسب فانه یؤکل ونوع یخلط بینهما وهو ایضاً یؤکل عندالامام وهو العقعق لانه یأکل الدجاج و عن ابی یوسف انه یکره اکله

(جلد : ۸ ، صفحہ : ۱۶۲ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی کوّے کی تین قسمیں ہیں وہ کوّا جو (صرف) مردار کھاتا ہے اور بس ، اسی وجہ سے اس کو نہیں کھایا جاتا ۔ دوسرا وہ کوّا جو صرف دانے کھاتا ہے تو وہ کھایا جاتا ہے ۔ تیسرا وہ کوّا جس کی غذا مخلوط ہے (نجاست اور دانے دونوں کھاتا ہے) اور یہ بھی امام اعظم کے نزدیک کھایا جاتا ہے ، اور وہ عقعق ہے ۔ کیونکہ یہ چیز مرغی بھی کھاتی ہے ۔ جبکہ امام ابویوسف کے نزدیک یہ مکروہ ہے ۔

ان مفتیوں نے جو عبارت لکھی ہے اس میں پچھلی دونوں قسموں کا تذکرہ ہے جن میں کوئی اختلاف نہیں تھا ۔ رشید احمد نے جس زاغ معروف کو حلال لکھا تھا اس کو انہی تمام کتابوں میں پہلی قسم یعنی غرابِ ابقع بتا کر حرام لکھا ہے ۔ صاحبِ درمختار نے تحریر فرمایا ہے :

والغراب الابقع الذی یأکل الجیف لانه ملحق بالخبائث

(جلد : ۵ ، صفحہ : ۲۱۵ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور زاغ معروف مردار کھاتا ہے اسلیے اس کا شمار حرام چیزوں میں ہوتا ہے ۔

علامہ شامی نے اس پر تحریر فرمایا :

اجمع العلماء علی ان المستخبثات حرام بالنص و ھو قولہ تعالٰی " ویحرم علیھم الخبائث "

(جلد : ۵، صفحہ : ۲۱۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ پلیدی کھانے والے (پرندے اور جانور) نص قرآنی، " ویحرم علیھم الخبائث " (سورۃ (۷) الاعراف، آیت : ۱۵۷، یعنی (وہ نبی) حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں) کے تحت حرام ہیں۔

لہٰذا زاغ معروف حرام ہے اور اس کو حلال قرار دینا صریحاً ظلم و نادانی ہے۔

حلال جانوروں کے حرام اعضاء

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد سارا جانور من کل الوجوہ حلال ہو جاتا ہے یا کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا کھانا حرام اور ممنوع ہے؟ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات مع حوالہ جات تحریر فرمائیں۔

سائل : بندہ خدا، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:-

ہر حلال جانور میں ذبح کرنے کے بعد بھی سات چیزیں حرام ہیں۔
فتاوٰی شامی میں ہے :

ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدة والمثانة والمرارة

(جلد : ۵، صفحہ : ۲۱۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حلال جانوروں میں سات اجزاء ہیں جن کا کھانا حرام ہے :
(۱) بہنے والا خون (۲) ذکر (۳) کپورے (۴) فرج (۵) غدود (۶) مثانہ (۷) پتہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حلال جانوروں میں کون سے اجزاء کھانا جائز ہیں اور کون سے ناجائز؟ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : مشکور احمد، کراچی

الجواب:-

حلال جانوروں میں سات اجزاء کا کھانا حرام ہے ۔ درمختار میں ہے:

ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول سبعة الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدة والمثانة والمرارة

(جلد: ۵، صفحہ: ۲۱۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حلال جانوروں میں سات اجزاء ہیں جن کا کھانا حرام ہے بہا ہوا خون، ذکر، کپورے، پاخانہ پیشاب کا مقام، غدودیں، مثانہ اور پتہ ۔

کلیجی، دل، گردہ، تلی کھانا جائز ہے ۔

حرام اشیاء سے علاج کرنا

الاستفتاء:-

ایک شخص بیمار ہے، اور اس کی صحتیابی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ شراب پیئے ۔ ایسے شخص کے لیے شراب پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

شراب کی حرمت قطعی ہے ۔ قرآن و حدیث میں شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے اس کا استعمال کسی بھی صورت میں ناجائز و حرام ہے ۔ شراب کے بارے میں حدیث شریف میں ہے:

انہ لیس بدواء و لکنہ داء

(صحیح مسلم، جلد ثانی، کتاب الاشربہ، باب تحریم التداوی بالخمر)

یعنی یہ دوا نہیں بلکہ نری بیماری ہے ۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی شراب کا استعمال ممنوع ہے ۔ خواہ اس کا ایک گھونٹ یا ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو ۔

ہومیو پیتھک اور ایلو پیتھک ادویات کا حکم

الاستفتاء:-

جناب حضرت مولانا مفتی محمد وقار الدین!

السلام علیکم

اس مسئلے کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں ۔ ایلو پیتھک ادویات میں سے بعض کا ایک جزو

الکحل ہوتا ہے جو عرف عام میں شراب کہلاتا ہے۔ ان ادویات کے استعمال کا مقصد سوائے مریض کو تندرست کرنے کے اور کچھ نہیں ہوتا، یقیناً آپ خود بھی بلاامتیاز ڈاکٹری نسخے کے مطابق ہر قسم کی ایلوپیتھک ادویات کو حسبِ ضرورت استعمال کرتے ہوں گے۔ تو کیاان ایلوپیتھک ادویات کا استعمال اور ان کا کاروبار جائز ہے؟ اور انکی کمائی حلال ہے یا حرام؟

جواب بالکل غیر مبہم اور قرآن و سنت کی روشنی میں جدید تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عنایت فرمائیں۔

سائل: مقصود احمد، فیصل آباد

الجواب:-

ہومیو پیتھک کی کوئی دوا بغیر " الکحل " کے نہیں بنتی۔ الکحل شراب ہے۔ لہٰذا ہومیو پیتھک کی دوا کھانا ناجائز ہے۔ ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت حاصل کرنے کی غرض سے عرض کی کہ میں بغرض دوا شراب بناتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیس بدواء و لکنہ داء

(صحیح مسلم، جلد ثانی، کتاب الاشربہ، باب تحریم التداوی بالخمر)

یعنی یہ دوا نہیں بلکہ نری بیماری ہے۔

چنانچہ ان کا کاروبار بھی حرام ہے۔ ایلوپیتھک کی ہر دوا میں الکحل نہیں ہوتا۔ ٹیبلٹ اور کیپسول میں الکحل نہیں ہوتا۔ پتلی دوائیوں میں سے کچھ میں شامل ہے، کچھ میں نہیں۔ جس میں الکحل شامل ہوتا ہے اس پر چھپے ہوئے فارمولے میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا جس دوا میں الکحل ہوگا اس کا کھانا اوراس کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی۔ اور جس میں الکحل شامل نہیں، وہ جائز ہے۔

خون کا عطیہ دینا

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ درج ذیل مسائل کا جواب ارسال فرمائیں:

(۱) اگر کسی مریض کو خون دیا اور پھر بھی وہ مر گیا تو یہ خون جائز ہوا یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی مریض کو کسی نے خون دیا اور وہ ٹھیک ہو گیا تو اس خون کے بارے میں بتائیں کہ جائز

ہوا یا ناجائز؟

(٣) خون دینا جائز ہے یا ناجائز ؟

جوابات عنایت فرمائیں۔

سائل : سمیع الدین ، لیاقت آباد ، کراچی

الجواب:-

خون کی حرمت و نجاست قطعی ہے۔ قرآن کریم نے اسے ناپاک قرار دیا ہے (سورۃ (٥) المائدۃ، آیت ٣)۔ اس لیے اس کی خرید و فروخت اور اس کا استعمال سب ناجائز ہے۔ لہٰذا مریض زندہ رہے یا ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں ایسا کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے میں کہ میں بہت دنوں سے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہوں۔ اس ہسپتال کا طریق علاج یہ ہے کہ ہر قسم کی بیماری کی دوا اس طرح جسم میں چڑھاتے ہیں جیسے خون چڑھایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ عمل گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا چند مسائل درپیش ہیں۔ کیا انجکشن لگنے یا جسم میں خون یا کسی بھی قسم کی دوا جو رگ کے ذریعہ جسم میں پہنچے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ دوا بھی خون ہی سے تیار کی جاتی ہے۔

اگر خون یا دوائی بذریعہ ڈرپ جسم میں چڑھ رہی ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو تو کیا نماز پڑھے یا قضا کرے؟ اگر بے وضو ہے تو اس صورت میں وضو ناممکن اور تیمم مشکل ہے۔ کیا اس صورت میں جیسے تیسے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

خون کا عطیہ دینا کیسا ہے؟ ؟ انجکشن لگوانے سے کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

سائل : محمد صابر قادری

الجواب:-

انجکشن لگانے یا منہ سے دوا پینے سے وضو تو نہیں ٹوٹتا ہے مگر انجکشن سے اور ڈرپ لگوانے سے عام طور پر کچھ خون نکلتا ہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا ایسی مجبوری کہ اٹھ نہیں سکتے اور وضو کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو تیمم کرکے نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر بعد میں دہرا لی جائے۔ خون کی حرمت نصِ قرآن سے ثابت ہے اس کی نجاست و حرمت قطعی ہے۔ اس لیے اس کا خریدنا اور دینا جائز نہیں۔ ہمارے نزدیک روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جھینگا اور کیکڑا کھانا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیکڑا حلال ہے ، حرام ہے یا مکروہ؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب:-

فقہاء احناف کے نزدیک پانی کے جانوروں میں سوائے مچھلی کے اور کوئی جانور حلال نہیں ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں کیکڑا حلال نہیں ، مکروہ تحریمی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولا یؤکل من حیوان الماء الا السمک

(ہدایہ آخرین ، صفحہ : ۴۴۲ ، مکتبۃ شرکۃ علمیہ ، ملتان)

پانی کے (دریائی) جانوروں میں مچھلی کے علاوہ کوئی جانور حلال نہیں ہے۔

الاستفتاء:-

محترم مفتی محمد وقار الدین صاحب!
السلام علیکم

ہمارے یہاں کے بعض وفود ہر سال بیرونی ممالک کا دورہ کرتے ہیں۔ ان کو کھانے پینے کی مندرجہ ذیل اشیاء کے بارے میں یہ بتائیں کہ کیا وہ حرام ہیں ، حلال ہیں یا مکروہ؟ اور اگر مکروہ ہیں تو تنزیہی ہیں یا تحریمی؟ اور حرام ہیں تو کیوں حرام کی گئی ہیں؟

(۱) چھوٹے سائز کا جھینگا (۲) درمیانے سائز کا جھینگا (۳) بڑے سائز کا جھینگا ، (۴) کیکڑا (۵) آکٹوپس
(۶) سیپ کے اندر کا کیڑا۔

برائے کرم احکام الٰہی کی بجاآوری میں ہماری معاونت فرمائیں۔

سائل : عبد الروف کھاتانی ، یونائیٹڈ ریفریجریشن انڈسٹریز لمیٹڈ ، کراچی

الجواب:-

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔ مچھلی کے علاوہ اور کوئی دریائی جانور حلال نہیں ہے۔ جھینگے کے بارے میں ماہرین اور فقہاء دونوں کا اختلاف ہے۔ بعض اسے مچھلی شمار کرتے ہیں اور بعض اسے مچھلی نہیں مانتے۔ جو مچھلی مانتے ہیں ان کے نزدیک جائز ہے اور جو مچھلی تسلیم نہیں کرتے ان کے

نزدیک ناجائز ہے۔ جب حرام و حلال میں فقہاء کا اختلاف ہو تو اس کو نہ کھانا اچھا ہے۔ جھینگوں کے علاوہ جو تین نام سوال میں لکھے ہیں یہ تینوں حرام ہیں ان کا کھانا جائز نہیں۔

الاستفتاء:-

علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ہمارا مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور ہمارے درمیان جھگڑا چل رہا ہے جس کا ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا۔ اس لیے آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ جناب ہم لوگوں کو گناہوں سے بچائیں اور یہ واضح فرمائیں کہ جھینگے کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ ہمارے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جھینگا مکروہ تحریمی ہے، اسے نہیں کھانا چاہیے۔ لہٰذا جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد ریاض

الجواب:-

جھینگے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر فتاویٰ میں یہ اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ جھینگا مچھلی ہے یا نہیں۔ جن فقہا کے نزدیک مچھلی ہے انہوں نے اسے جائز قرار دیا اور جن کے نزدیک مچھلی نہیں ہے انہوں نے حرام کہا ہے۔ اور کھانے پینے کے معاملے میں جب حلت اور حرمت میں اختلاف ہو تو نہ کھانے ہی میں احتیاط ہے۔ اس لیے جھینگا نہیں کھانا چاہئے۔

اوجھڑی کھانے کا حکم

الاستفتاء:-

گائے اور بھینس کی اوجھڑی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

مثانہ اور پاخانہ کے عضو اس لیے مکروہ ہیں کہ ان سے نجاستوں کا گزر ہوتا ہے جبکہ اوجھڑی اور آنتوں میں نجاست کا اجتماع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا حکم بھی یہی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

مشت زنی حرام ہے

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ مشت زنی جائز ہے یا نہیں؟

سائل: بندہ خدا، کراچی

الجواب :-

مشت زنی حرام ہے۔ در مختار میں ہے :

و کذا الاستمناء بالکف وان کرہ تحریما لحدیث ناکح الید ملعون

(جلد : ٢ ، صفحہ : ١٠٩ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی ہاتھ سے منی نکالنا مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں ایسا کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔

لیکن اگر کسی شخص پر شہوت کا ایسا غلبہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا شادی کرنے کی استعداد نہ ہو یا بیوی اتنی دور ہو کہ وہاں جا نہیں سکتا ہے۔ تو امید یہ ہے کہ ایسا کرنے والے پر کوئی وبال نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے :

ولو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیہ

(جلد : ٢ ، صفحہ : ١٠٩ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اگر زنا کا خوف ہو تو امید ہے (ایسا کرنے والے پر) وبال نہ ہوگا۔

شامی نے بھی اس پر کافی بحث کی اور یہی فیصلہ کیا کہ معصیت میں مبتلا ہونے سے بچنے کی نیت سے ایسا کرے گا تو گناہ نہ ہوگا اور اگر لذت وغیرہ کے قصد سے کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

واللہ تعالٰی اعلم

مردوں کا کان میں بالی ڈالنا

الاستفتاء :-

مردوں کا کان میں بالی پہننا کیسا ہے ؟

سائل : عبدالرؤف قادری

الجواب :-

مردوں کا ناک ، کان یا پاؤں کسی جگہ زیور پہننا حرام ہے۔ حدیث میں اس فعل پر لعنت آئی ہے۔

(بخاری ، جلد ثانی ، کتاب اللباس ، باب المشبھین بالنساء والمشبھات بالرجال)

کفریات

شرک کی تعریف

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:
شرک کی تعریف مختصر مگر جامع لکھ کر ماجور فرمائیں۔

سائل: غلام یسین قادری، کتیانہ محلہ، گلستان مصطفیٰ، کراچی

الجواب:-

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا "شرک" کہلاتا ہے۔

مرتد کا حکم

الاستفتاء:-

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب!
السلام علیکم

آج بروز اتوار مورخہ 86 - 7 - 6 کو مسماۃ پروین بی بی بنت صالح عدالت میں پیش ہوئی جس نے اپنے

بیان میں کہا " میں نے طلاق لینے کی غرض سے اسلام قبول کیا تھا۔ " لیکن اب وہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے پرانے مذہب عیسائیت میں واپس جانا چاہتی ہے۔ جس کا بیان استفتاء کے ساتھ منسلک ہے۔ آپ اس کے بیان کی روشنی میں اپنا فتویٰ صادر فرمائیں، تاکہ عدالت کی رہنمائی ہو سکے۔

الجواب:-

شرعی طور پر جب کوئی غیر مسلم کلمہ پڑھ لے اور مسلمان ہو جائے تو اسے مسلمان تسلیم کر لیا جائے گا۔ لہٰذا یہ عورت جس وقت مسلمان ہوئی اسی وقت سے اسلام کے احکام کی مکلّف ہو گئی۔ اب اس کا یہ کہنا کہ میں دل سے مسلمان نہیں ہوئی تھی اور اپنے مذہب میں واپس جانا چاہتی ہوں، کفر ہے۔ کسی مسلمان کا اسلام چھوڑ کر دوسرے باطل مذہب میں جانے کا ارادہ کرنا اس لیے کفر ہے کہ " اسلام ایسے یقین کا نام ہے کہ جس کے خلاف کا احتمال ہی باقی نہ رہے " اور کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ میں کسی دوسرے مذہب میں داخل ہو جاؤں گا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے یقین حاصل ہی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ عورت مسلمان ہونے کے بعد اپنے اس قول کی وجہ سے مرتدہ ہو گئی۔ اسلام میں مرتد کا حکم یہ ہے کہ مرد کو تین دن قید میں رکھ کر سمجھایا جائے گا۔ اگر وہ کفر سے توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا اسکو قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

واعلم ان کل مسلم ارتد فانہ یقتل ان لم یتب الا المراۃ

(درمختار، جلد سوم، صفحہ: ۳۲۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی یاد رکھو کہ ہر مسلمان جو اسلام سے پھر گیا، اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا علاوہ عورت کے۔

یعنی عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

قادیانیوں کے یہاں ملازمت کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس سلسلہ میں کہ ہمارے ملک میں قادیانیوں کے کافی بڑے بڑے مل اور کارخانے موجود ہیں جو کہ روزمرہ ضروریات زندگی کی مصنوعات تیار کرتے ہیں اور ان کے کارخانوں میں ہزاروں غریب مسلمان بحیثیت مزدور کام کرتے ہیں۔ کیا قادیانیوں سے مسلمانوں کو کاروبار یعنی خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ درخواست ہے کہ مسئلہ مسئولہ کی ذرا تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

طالب دعاء: نواب عبدالغنی، فشر روڈ، سکھر

الجواب:-

قادیانی غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ لیکن کافر سے بیع و شراء کرنا جائز ہے۔ اور ان کے کارخانوں کی ملازمت بھی جائز ہے۔ البتہ مسلمان کافر کی ایسی ملازمت نہیں کرسکتا جس میں اس کی توہین ہو مثلاً کافر کی خدمت گاری کرنا، بدن دبانا وغیرہ۔ اسی طرح گھریلو کاموں کی ملازمت جن کا مقصد خدمت گاری کرنا ہو۔

قادیانیوں کے کفر کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر گھارو اور ضلع ٹھٹھ کے گرد و نواح میں قادیانی رہتے ہیں۔ ان میں کا ایک قادیانی عبدالمجید جو ان کا سیکریٹری ہے اور واٹربورڈ فلٹر پلانٹ میں ہیڈ کلرک ہے۔ عبدالمجید قادیانی نے اپنے اور اپنے بیٹوں اور دیگر مختلف ناموں سے تمام مشروبات کی ایجنسیاں عرصہ 20 سال سے لے رکھی ہیں۔ اسی طرح تمام اخبارات و رسائل کی ایجنسیاں بھی لی ہوئی ہیں۔ اخبار "جنگ" کی نمائندگی بھی ان ہی کے پاس ہے جو تمام علاقوں میں سپلائی ہوتا ہے۔ مشروبات کی کمپنیز میں سے "پاکولا" والوں سے اس سلسلہ میں جب رجوع کیا گیا۔ تو کمپنی کے وکیل نے کہا کہ قادیانی اقلیت میں ہیں ان سے لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے اور شرعی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

قادیانیوں کے دیگر معاملات میں مسلمان یا مسلمانوں کے معاملات میں قادیانی کی شمولیت یعنی قادیانیوں کو شادی غمی، کھانا پینا، میل جول، دفتری معاملات، قادیانیوں سے دنیاوی مشاورت، قادیانیوں کو اپنے برتنوں میں کھلانا پلانا، عید کی مبارک باد دینا، تعزیت کرنا اور دیگر جو مسلمانوں کے احکام ہیں، ان میں شرکت کرنا یا ان کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ عنایت فرمائیں۔ بینوا و توجروا

سائل: حافظ عبدالخالق، رکن انجمن عاشقان رسول، گھارو

الجواب:-

قادیانی دعوائے نبوت کرنے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر بہتان و افتراء باندھ کر اور قرآن کریم کی تکذیب کر کے ایسا کافر ہے کہ اس کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور پاکستان میں اسے غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے۔ اس کے باوجود بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس لیے اس کے احکام کافر حربی مجاہر کے نہیں ہیں بلکہ مرتد کے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں جب بچہ بولنا شروع کرتا ہے تو ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کو کلمہ سکھاتا ہے اس کے بعد جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ

اپنے عقائد آہستہ آہستہ سیکھتا ہے اور بچہ جب سمجھ دار ہو جائے تو اس کا اسلام معتبر ہو جاتا ہے اس کے بعد اگر عقائد کفریہ سیکھتا ہے اور ان پر اعتقاد رکھتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے لہٰذا یہ مرتد ہوا۔

حکومت اسلامی میں کافر اور مرتد کے احکام میں فرق ہے۔ کافر سے معاملات جائز ہیں جبکہ مرتد سے معاملات بھی جائز نہیں ہیں اور مرتد کسی مال کا مالک ہی نہیں رہتا۔ اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس کو قید کیا جائے گا اگر تین دن میں توبہ کرے گا تو توبہ قبول کر لی جائے گی ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور اس کے زمانہ ارتداد کے کمائے ہوئے مال کو غرباء پر صدقہ کردیا جائے گا۔ ہدایہ اور عالم گیری وغیرہ میں ہے:

وان مات او قتل علی ردتہ انتقل ما اکتسبہ فی اسلامہ الی ورثتہ المسلمین وکان ما اکتسبہ فی حال ردتہ فیئا

(ہدایہ اولین، صفحہ: ۶۰۱، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

اور اگر مرتد مرگیا یا حالت ارتداد میں قتل کردیا گیا تو اس نے جو کچھ حالت اسلام (ایمان) میں کمایا وہ اس کے مسلمان ورثاء میں منتقل ہو جائے گا اور وہ مال جو اس نے حالت ارتداد میں کمایا تو وہ مسلمان غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

جب وہ اپنے مال کے مالک ہی نہیں رہے ہیں تو ان سے خرید و فروخت کرنا مسلمانوں کو ناجائز ہے۔ لہٰذا حکومت اسلامی میں قادیانی پر یہ احکام جاری کیے جائیں گے۔ اور ملنا جلنا، سلام کلام اور دوسرے محبت کے تعلقات قائم نہیں کیے جائیں گے۔ سوال میں قادیانیوں کے متعلق جن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ یہ تمام ایجنسیاں قادیانیوں سے واپس لے لی جائیں۔

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

ازراہ کرم مندرجہ ذیل مسائل پر فتویٰ عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے۔

مسلمان ان افراد کو سید کہتے ہیں جو آل رسول ہیں۔ اب یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ جن افراد کا تعلق خاندان مرزا قادیانی سے ہے وہ بھی اپنے آپ کو سید کہلواتے اور تحریر کرتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ مسلمان اہل سادات کو جو عزت و تکریم دیتے ہیں وہ انہیں بھی مل سکے۔ اندرون سندھ کے بھولے بھالے عوام کو یہ احمدی دھوکا دے رہے ہیں۔ ازروئے مذہب اسلام قادیانیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: ابن حسن، عزیز آباد، کراچی

الجواب:-

قادیانی ایسا مرتد و کافر ہے کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ حکومت

پاکستان نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے ، اور ان کو اپنے آپ کو مسلمان کہنا جرم قرار دے دیا ہے۔ لہذا ایسے لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کر کے انہیں سزا دلائی جائے۔ اور ان کا از خود سید بننا مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے۔ سید صرف وہ مسلمان ہوتے ہیں جو حضرات حسنین کی اولاد میں سے ہوں۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

قادیانی خواہ لاہوری گروپ سے ہو یا احمدی گروپ سے اس کے ساتھ کھانا کھانے کا کیا حکم ہے ؟

سائل: سلطان محمود ، تحصیل مری

الجواب:-

قادیانیوں کے دونوں گروپ کافر و مرتد ہیں۔ اور مرتد کے احکام اہل کتاب اور مشرکین سے جدا ہیں۔ شریعت کے مطابق مسلمان ، مرتد سے معاملات بھی نہیں کرسکتا ، اس سے ملنا جلنا ، کھانا پینا سب ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

ومن یتولهم منکم فانه منهم

(سورة (٥) المائدة ، آیت : ٥١)

اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین ○

(سورة (٦) الانعام ، آیت : ٦٨)

نصیحت آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

لہذا ان سے تجارت رکھنا ، اٹھنا بیٹھنا ، کھانا پینا سب حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کفر پر راضی ہونے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفر پر خوش ہونا کفر ہے یا گناہ ہے ؟ اگر خوشی بے اختیار ہو تو کیا حکم ہے ؟ اور اگر قصداً خوش ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

کیونکہ زید یہ کہتا ہے کہ خوش ہونا ایک کیفیت قلبی ہے اس سے ہرگز کفر لازم نہیں آتا اگرچہ قصداً ہو۔

جبکہ بکر یہ کہتا ہے کہ اگر کفر پر کوئی قصداً خوش ہو تو یہ کفر ہے اور اگر کوئی بے اختیار خوشی محسوس کرے تو کفر نہیں۔

لیکن عمر کہتا ہے کفر پر اگر کسی کو قصداً یا بے اختیار خوشی محسوس ہو تو دونوں صورتوں میں کفر ہے کیونکہ خوشی اس وقت محسوس ہوتی ہے جب آدمی کسی چیز کو پسند کرے یا کسی چیز پر راضی ہو۔ پس کفر کی پسند کفر ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

جواب شافی کافی عطا فرمادیں کہ اس بارے میں حق واضح ہو جائے۔

سائلین: زاہد علی زیدی، خالد رفیق، ملیر سٹی، کراچی

الجواب:-

یہ بات تو شریعت میں طے شدہ ہے کہ کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے:

الرضا بالکفر کفر

(النبراس علی شرح العقائد، صفحہ: ۵۷۰، شاہ عبدالحق محدث اکیڈمی، سرگودھا)

یعنی کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

خوش ہونا دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک ہنسنا اور دوسرا دل میں ایک کیفیت خاص کا پیدا ہونا۔ دل میں اس کیفیت کے پیدا ہونے کو رضا بھی کہتے ہیں۔ لہذا کفر پر دل میں یہ کیفیت پیدا ہوئی تو کافر ہو جائے گا۔ اور ہنسنا دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہی اظہار مسرت جو اس کیفیت قلبی کی وجہ سے ہوتا ہے یہ بھی کفر ہے۔ اور ایک ہنسنا استہزا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی کی حماقتوں اور بے وقوفی کے کاموں کو دیکھ کر ہنسی آجاتی ہے۔ اس طرح کی ہنسی رضا پر دلالت نہیں کرتی۔ تو کسی کافر کی جاہلانہ باتیں دیکھ کر اگر بطور استہزا اس کی حماقت پر ہنسا تو کفر نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قرآن اور ایمان کو گالی دینے والے کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

عرض خدمت یہ ہے کہ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے جس کو تحریر کر رہا ہوں۔ میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں بہت پریشان تھا اسی دوران ایک بیوپاری سے میری جھڑپ ہو گئی اور بات بہت زیادہ بڑھ گئی، وہ بیوپاری بولا ایمان اور قرآن سے کہو میں غصہ میں قابو میں نہیں رہا اور میں نے کہا ایمان اور قرآن اس کے اس میں جائے (

نعوذ باللہ) جس کے لیے میں اس وقت سے بہت شرمندہ ہوں ۔ برائے مہربانی بتائیں اس کا تدارک کس طرح ہوگا اور میں کس طرح اس کا کفارہ ادا کروں ؟ آپ کی عنایت ہوگی ۔

الجواب:-

قرآن اور ایمان کے متعلق اس قسم کا لفظ استعمال کرنا صریح کفر ہے ۔ لہذا قائل فوراً اپنے اس کفر سے توبہ اور تجدید ایمان کرے اور اگر شادی شدہ ہے تو توبہ کے بعد نکاح بھی دوبارہ کرے ۔ نکاح کی صورت یہ ہے کہ دو عاقل بالغ مردوں کی موجودگی میں شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھ سے اتنے مہر پر نکاح کیا عورت جواب میں کہے میں نے قبول کیا۔ کم سے کم مہر کی مقدار لگ بھگ 3 تولے چاندی کی قیمت ہے. جو بازار سے معلوم کرلی جائے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اوراد و وظائف کی کتاب کی بے حرمتی کرنے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ پنج سورہ و وظائف کی کتاب جس میں چالیس پچاس سورتیں ، کلمہ ، مختلف درود مثلاً درود تاج ، درود لکھی ، درود مقدس ، درود اکبر ، اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ، نماز اور دیگر وظائف ہیں ۔ زید نے اس کتاب کو کچھ دیر پڑھا اور یہ کہہ کر کہ اس میں خرافات ہیں اپنے پاؤں پر بے حرمتی کرنے کی غرض سے مارنا شروع کردیا ۔ منع کرنے پر بھی کہ اس میں قرآن پاک کی سورتیں ہیں وہ نہ مانا برابر اپنے پیروں پر مارتا رہا ، سمجھانے پر بھی اس نے توبہ نہ کی ۔ ان حالات میں فتویٰ چاہیے ۔

(۱) کیا ایسے شخص کا ایمان ثابت رہا اور اگر نہیں تو کیا وہ کافر ہوگیا ؟

(۲) کیا اس کا نکاح برقرار رہا یا فسخ ہوگیا ؟

(۳) کیا اس کو توبہ کی گنجائش ہے ؟

سائل : خادم ممتاز خاں

الجواب:-

قرآن کریم کی توہین کفر ہے ۔ لہذا پنج سورہ کو پاؤں پر مارنے والا جیسا کہ سوال میں لکھا ہے کافر ہے ۔ اسے نئے سرے سے ایمان لانا فرض ہے اور شادی شدہ ہے تو اسے دوبارہ نکاح کرنا بھی ضروری ہے ۔

"لاالہ الاانت یا جبرائیل" کفریہ کلمہ ہے

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ "لاالہ انت" یا جبرائیل جبر کر "سبحانک" یا میکائیل مار کر "انی کنت" یا اسرافیل اتر کر "من الظلمین" یا عزرائیل حاضر کر" اس آیت کریمہ میں اردو کے الفاظ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور یہ مترِ توہین ہے یا نہیں؟

سائل: صوفی بدرالدین، بزرٹ لائن، کراچی

الجواب:-

"لاالہ الاانت" یا جبرائیل کا ایک معنی یہ ہوگا کہ اے جبرائیل تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی طرح بقیہ تین جملوں کا بھی ایسا ہی مطلب ہوگا۔ یہ کھلا کفر ہے۔ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی اور مطلب بھی لیتا ہے جب بھی یہ کلمات بولنا جائز نہیں۔

محرمات قطعیہ کو حلال جاننے والے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفسرین و محدثین و مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص "منہیات" کو اعلانیہ رواج دیتا ہے۔ مثال کے طور پر سود، زنا، لواطت حتیٰ کہ سگے بہن بھائیوں کا نکاح آپس میں جائز قرار دیتا ہے۔ مذکورہ شخص کافر ہے یا نہیں؟ اپنے موقف میں برائے کرم نص قرآن و حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اقوال فقہا سے بھی روشنی ڈالیں۔

المستفتی: چوہدری شاہد انجم ایڈوکیٹ، ایم اے، ٹنڈو آدم، سندھ

الجواب:-

محرمات قطعیہ یعنی جن کی حرمت قرآن کریم کی نصوص سے یا احادیث متواترہ مشہورہ سے ثابت ہے ان کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ اس لیے کہ وہ ان آیات کا منکر ہے جن سے حرمت ثابت ہے۔ سوال میں جن باتوں کا تذکرہ ہے ان کی حرمت قرآن کریم میں منصوص ہے۔

سود کی ممانعت سورۃ بقرہ میں وارد ہے :

واحل اللہ البیع و حرم الربٰوا

(سورۃ (۲) البقرۃ ، آیت : ۲۷۵)

اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

سورۃ الاعراف میں جملہ فواحش کو حرام قرار دیا گیا :

قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما بطن

(سورۃ (۷) الاعراف ، آیت : ۳۳)

اور تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں ، جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی۔

سگے بہن بھائیوں کے رشتہ ازواج کی حرمت سورۃ نساء میں اس طرح مذکور ہے :

حرمت علیکم امہٰتکم و بنٰتکم و اخوٰتکم

(سورۃ (۴) النساء ، آیت : ۲۳)

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں۔

لہذا جو ان کو جائز کہے گا وہ کافر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کسی شبیہ کی طرف اشارہ کر کے کہنا کہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں

الاستفتاء :-

ایک محفل سماع میں ایک قوال نے کلام پڑھا ۔ اس محفل میں ایک سلسلہ کے لوگ بیٹھے تھے اور خلیفہ بھی بیٹھے تھے اور خلیفہ کی بیٹھ پر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے روضے کی ایک بہت بڑی شبیہ تھی ۔ اس کی طرف اشارہ کر کے قوال نے یہ شعر پڑھا ۔

؎ میری نماز تو یہی ہے پوجتا ہوں تمہیں
مجھے نہیں خبر آداب بندگی کیا ہیں

اس طرح اشارہ کر کے ایسا شعر پڑھنا کلمہ کفر ہے یا نہیں ؟ اور اس پر داد دینے والوں کے لیے کیا حکم ہے ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

سائل : محمد نواز سومرو

الجواب:-

جاہل قوال اس قسم کی حرکت کرتے ہیں۔ اگر واقعی قوال نے شیعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے، تجدید ایمان کرے اور شادی شدہ ہے تو نکاح بھی دوبارہ کرے۔

ایسے کفریہ الفاظ جن کی تاویل نہ ہو سکے لکھنا یا بولنا

الاستفتاء:-

اگر کوئی شخص نعتیہ کلام پڑھ رہا ہو جس میں شاعر نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں جو اہل علم کے نزدیک تو کفر ہوں، مگر نہ شاعر نے اس نیت کے ساتھ لکھے ہوں اور نہ پڑھنے والا ان اشعار کو اس غرض سے پڑھے، تو ایسے اشعار پڑھنے والے پر کفر کا فتوی لگانا کیسا ہے؟ جبکہ وہ اسے صرف محبت میں پڑھ رہا ہے۔

سائل: محمد اسلم، کھارادر، کراچی

الجواب:-

ایسے الفاظ شعر یا نثر میں بولنا یا لکھنا جن کے معنی کفر پر دلالت کرتے ہوں اور ان میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہ ہو تو بولنے والا اور لکھنے والا کافر ہو جائے گا، اس میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

کافر کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ عیسائی تھا اور صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتا تھا۔ فوت ہو چکا ہے۔ اس کی بیٹی مسلمان ہے وہ چاہتی ہے کہ اپنے باپ کی روح کو قرآن مجید پڑھوا کر ایصال ثواب کروائے۔ اس آنجہانی عیسائی کی مسلمان بیٹی اپنے والد کے ایصال ثواب کے لیے قرآن شریف کا ختم پڑھوا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد امم سابقہ کا کوئی اہل کتاب یہودی و نصرانی وغیرہ جب تک نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے گا، کافر رہے گا۔ اگرچہ اپنے مذہب پر قائم ہو اور کفر و شرک نہ کرتا ہو۔ لہذا صورت مسئولہ میں اگر وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ تحریر کیا گیا کہ تثلیث کا قائل نہ تھا جب بھی وہ کافر ہی تھا۔ کافر قابل مغفرت نہیں ہے۔ اس لیے اس کے لیے ایصال ثواب حرام اور دعائے مغفرت کرنا کفر ہے۔

سنت کا مذاق اڑانا اور توہین کرنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء حق اس مسلمان کے بارے میں جو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور سنتوں کا مذاق اڑائے؟ امید ہے کہ مدلل جواب عنایت کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

سائل: محمد حنیف، نیا آباد، کراچی

الجواب:-

سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا یا اسکی توہین کرنا کفر ہے۔

عالمگیری میں ہے:

رجل قال لغیرہ کلما کان یاکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلحس اصابعہ الثلاث، قال: ذالک الرجل این بے ادبی است، فہذا کفر اذا قال چہ نغز رسمی است دھقان را کہ طعام خورند و دست نشویند، قال: ان کان تہاونا بالسنۃ یکفر، ولو قال: این چہ رسم است سبلت پست کردن و دستار بزیر گلو آوردن، فان قال ذالک علی سبیل الطعن فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد کفر۔ کذا فی المحیط۔

(عالم گیری، جلد دوم، صفحہ: ۲۶۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرماتے تھے تو اپنی تین انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے، تو اس شخص نے کہا کہ یہ بے ادبی ہے تو یہ کہنا کفر ہے، جب کسی شخص نے یہ کہا کہ دیہاتیوں کی یہ عادت کتنی اچھی ہے کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے، یہ بات اگر اس نے سنت کی توہین کے طور پر کہی تو کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے کہا کہ یہ کونسا طریقہ ہے کہ مونچھوں کو پست کرنا اور دستار کو گردن سے نیچے لٹکانا، یہ بات اس نے اگر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طعن کے طور پر کہی تو وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح محیط میں ہے۔

صحابہ میں سے شیخین کو گالی دینا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ گستاخِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمان ہے یا کافر؟

زید کہتا ہے کہ صحابہ کی بے ادبی کرنا گناہ ہے، کفر نہیں ہے۔ جبکہ عمر کہتا ہے کہ صحابہ کا بے ادب خارج از اسلام ہے۔ اس بارے میں مطلع فرمائیں کہ گستاخِ صحابہ مسلمان ہے یا کافر؟

سائل: سید عبدالحلیم شاہ، سیریاب روڈ، کوئٹہ

الجواب:-

کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ حدیث میں فرمایا:

سباب المسلم فسوق

(بخاری، جلد دوم، کتاب الادب، باب ما ینھیٰ عن السباب واللعن)

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

اور صحابہ کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنھما کو گالی دینا کفر ہے اور دوسرے صحابہ کرام کو گالی دینا حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

او الکافر بسب الشیخین او بسب احدھما، فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید، من سب الشیخین او طعن فیھما کفر ولا تقبل توبتہ

(صفحہ: ۳۲۰، جلد سوم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور اس کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنھما) کو یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دے۔ بحرالرائق میں جوہرہ نیرہ کے حوالے سے الحاکم الشہید سے منقول ہے: جس نے شیخین کو گالی دی یا برا بھلا کہا دونوں صورتوں میں کفر ہے۔

مشرک کے لیے بخشش کی دعا

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دفتر میں ایک غیر مسلم کی وفات پر اس کی بیوہ کو پیغام دیا گیا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کی روح کو سکون بخشے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک غیر مسلم کی روح کو سکون بخشنے کی ایک مسلمان کی طرف سے دعا کی جاسکتی ہے؟ اور اس میں کسی گناہ کا پہلو تو نہیں نکلتا، غیر مسلم کے مرنے پر اس کے لیے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

سائل: احترام الدین صوفی، سول ایوی ایشن اتھارٹی، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے :

ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربٰی

(سورۃ (۹) التوبۃ ، آیت : ۱۱۳)

یعنی نبی اور ایمان والوں کے لیے لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں۔

دوسرے مقام پر فرمایا :

فلا یخفف عنہم العذاب

(سورۃ (۲) البقرۃ ، آیت : ۸۶)

پس ان پر سے عذاب ہلکا نہ ہوگا۔

ایک اور جگہ فرمایا :

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذٰلک لمن یشآء

(سورۃ (۴) النساء ، آیت : ۱۱۶)

اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں کافر و مشرک کے لیے مغفرت و سکون و راحت کی دعا کرنا کفر ہے۔

فتاویٰ شامی میں علامہ ابن عابدین نے امام قرافی کا قول نقل کیا ہے :

ان الدعاء بالمغفرۃ للکافر لطلب تکذیب اللہ تعالٰی فیما اخبربہ۔

(شامی ، جلد اول ، صفحہ : ۳۸۶ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

بے شک مغفرت کی دعا کرنا کافر کے لیے (کفر ہے) کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کے قول کی تکذیب چاہتی ہے اس چیز میں جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔

خود ساختہ اصول کے تحت کسی کو کافر قرار دینے کا حکم

الاستفتاء:-

مکرمی و معظمی جناب مفتی محمد وقارالدین صاحب !
السلام علیکم
مزاج گرامی ! بعد سلام سنت خیرالانام عرض ہے کہ :

ایک شخص اپنے ہاتھ میں "عصا" نہیں رکھتا لیکن کہتا ہے کہ یہ سنت ہے۔ اس کا احترام کرنا چاہیے ،

اس سے انکاری نہیں ۔ ایک دوسرا شخص استعمال نہیں کرتا اور کوئی شخص اسے اس کی ترغیب دیتا ہے تو اسے بھی نہیں مانتا بلکہ قطعاً انکار کر دیتا ہے کہ یہ عمل باعث شرم ہے ۔ مجھے اس کے استعمال سے شرم محسوس ہوتی ہے ۔ تو ان دونوں کے لیے شرعاً کیا حکم ہے ؟ کچھ ساتھیوں کا خیال ہے کہ سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً انکاری شخص کافر و زندیق ہو گیا ، یہ اب پہلے توبہ کرے ، پھر کسی عالم دین کے دست حق پرست پر اپنے ایمان کی تجدید اور اعادہ کرے ، تب مسلمان ہوگا ورنہ نہیں ؟ جبکہ پہلا شخص صرف گناہ گار ہے ۔ کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل تحریر فرمائیں ۔

سائل : السید انور علی

الجواب :-

عصا ہر وقت ہاتھ میں لینا سنت نہیں ہے ۔ لہٰذا اس کو سنت بتانے والا غلطی پر ہے جس نے انکار کیا اس پر توہین سنت کا الزام لگا کر حکم کفر لگانا شریعت پر افتراء ہے ۔ حدیث میں فرمایا گیا جو کسی مسلمان کو کافر کہے اگر وہ واقعی کافر تھا تو ٹھیک ہے ورنہ یہ کفر کا حکم اس کہنے والے پر لوٹے گا ۔ لہٰذا جس نے یہ کفر کا حکم لگایا ہے ، اس پر تجدید ایمان اور شادی شدہ ہے تو تجدید نکاح بھی لازم ہے ۔

دیوبندیوں کو کافر قرار دینے کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں بریلوی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان کا بہت عقیدت مند ہوں ۔ لیکن میں دیوبندیوں کو کافر نہیں کہتا اور کبھی کبھی مجبوری سے ان کی مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں ۔ میں جہاں کام کرتا ہوں وہاں دیوبندیوں کی مسجد ہے ۔ دیوبندیوں کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں ، کیا تمام دیوبندی کافر ہیں ، کیا میری نماز دیوبندی امام کے پیچھے ہو جائے گی ؟

سائل : امتیاز الدین خان

الجواب :-

وہ دیوبندی جنہوں نے توہین نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے جن کے متعلق علمائے حرمین ، مصر ، اور شام نے فتویٰ دیا کہ یہ کافر ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے ۔ یہ فتاویٰ " حسام الحرمین " کے نام سے زمانہ دراز سے چھپتا آیا ہے ۔ توہین نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کفر ہونے پر امت کا اتفاق ہے ۔ جو شخص دیوبندی علماء کی ان عبارات کو جان کر بھی ان کو کافر نہ کہے یا کفر میں توقف کرے ، وہ کافر ہو جائے گا ۔ لہٰذا ایسے

لوگوں پر کفر کا حکم دیا جاتا ہے۔ عام دیوبندی جو صرف میلاد، قیام، فاتحہ وغیرہ میں اہل سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور ان عبارات کفریہ کا انہیں علم نہیں ان کو کافر نہیں کہیں گے وہ گمراہ ہیں۔ تمام دیوبندی علماء عام طور پر ان عبارات کو جانتے ہیں۔ لہذا ان کے پیچھے نماز باطل ہے اور اگر ان عبارات کو نہیں جانتے ہوں جب بھی ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی جائیں گی وہ واجب الاعادہ ہوں گی۔ در مختار میں ہے:

و یکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ لایکفربھا وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃ کفربھا فلایصح الاقتداء بہ اصلاً، فلیحفظ

(جلد اول، باب الامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد و مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام)

یعنی بدعتی کی امامت مکروہ ہے، بدعتی سے مراد وہ ہے جو اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے کافر نہ ہوا ہو۔ اور اگر وہ ضروریات دین میں سے انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا ہو تو اس کی اقتداء بالکل صحیح نہیں ہے، یہ بات یاد رکھنا چاہیے!

فرقے

اہل سنت و جماعت اور دیگر فرقوں کے درمیان اختلاف اصولی ہے یا فروعی

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام فقہاء عظام مسائل ذیل کے بارے میں :

(۱) اہل سنت و جماعت ، دیوبندی اور جماعت اسلامی کے درمیان اختلاف اصولی ہے یا فروعی ؟

(۲) دیوبندی ، جماعت اسلامی ، شیعہ اور اہل حدیث کافر ہیں یا مسلمان ؟

(۳) ایک بھائی جماعت اسلامی اور دوسرا اہل سنت کا کیا ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :-

(۱) دیوبندیوں سے ہمارے اختلافات اصولی ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں جیسے قادیانی یا شیعہ وغیرہ سے ہیں۔ تفصیل کے لیے علمائے حرمین کا فتویٰ "حسام الحرمین" دیکھیے۔

(۲) جن لوگوں نے توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی، ختم نبوت کا انکار کیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی۔ وہ کافر ہیں۔

(۳) حدیث شریف میں " قدریہ " کے بارے میں ارشاد فرمایا :

لاتجالسوا اہل القدر ولا تفاتحوھم

(ابو داؤد، حصہ دوم، ابواب شرح السنۃ، باب فی القدر)

یعنی قدریہ کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے سلام و کلام کرو ۔

لہذا جن کے عقیدوں میں خرابی ہے ان سے رشتہ داری جائز نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کیا صرف اہلسنت ہی جنت میں جائیں گے ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ کوئی پیر طریقت یا بزرگ بریلویوں کے اس عقیدے پر کہ (اہل سنت ہی جنت میں جائیں گے باقی تمام فرقے باطل ہیں) کچھ لب کشائی کرتے ہیں کہ وہ یہ کہیں کہ " اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو چاہے جنت میں بھیجے بریلویوں نے کوئی ٹھیکہ تو نہیں لیا کہ باقی لوگوں کو جہنمی کہیں " اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ " تمام لوگوں میں میل جول رکھنا چاہیے ، چاہے کوئی کسی بھی مکتبہ فکر کا ہو " ایسے پیر یا بزرگ کی تعظیم کرنا اور اس کی بیعت کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :-

ایسا شخص لائق تعظیم اور لائق بیعت نہیں ہے اس پیر کے جو اقوال اوپر نقل کیے گئے ہیں وہ بہت برے ہیں قرآن کریم میں فرمایا :

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء

(سورۃ (۴) النساء ، آیت : ۴۸)

اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھیرایا جائے ، اور اس سے نیچے جو کچھ ہے ، جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے ۔

بریلویوں کے علاوہ جتنے فرقے ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ، رسولان عظام ، صحابہ کرام ، ازواج مطہرات اور آئمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کو سب و شتم اور برا کہتے ہیں ۔ یہ تمام اہلسنت سے علیحدہ ہوئے ہیں ان میں کوئی کفر تک پہنچا وہ تو قابل مغفرت ہی نہیں اور اگر کفر تک نہ پہنچا تو گمراہ ہے اور گمراہوں اور مرتدین سے ملنا جلنا ، سلام و کلام کرنا قرآن و حدیث سے ممنوع ہے ، قرآن کریم میں فرمایا :

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین

(سورۃ (٦) انعام ، آیت : ٦٨)

تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ ۔

اور فرمایا:

ومن یتولھم منکم فانہ منھم

(سورۃ (۵) المائدہ، آیت: ۵۱)

اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہ ان میں سے ہو جائے گا۔

حدیث شریف میں فرمایا:

ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم

(ابن ماجہ، الحدیث الآخر من "باب فی القدر")

اگر یہ (بد عقیدہ لوگ) بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمار داری بھی نہ کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں بھی نہ جاؤ اور اگر تم سے ملیں تو ان کو سلام بھی نہ کرو۔

قرآن و حدیث کی ان واضح ممانعتوں کے بعد جو پیر اس قسم کی لغو باتیں کہتا ہے وہ یا تو جاہل ہے یا معاند، جان بوجھ کر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پیر سے ترک تعلقات کریں اور اس کے پاس بھی نہ جائیں۔

بدمذہب کو کافر کہنے کا حکم

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمادیں۔

(۱) بدمذہبوں کو کافر کہنا کیسا ہے؟

(۲) بوہری اور شیعہ فرقوں میں کیا فرق ہے؟

سائل: عبدالرؤف قادری

الجواب:-

(۱) ہر بدمذہب کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس کو کافر کہا جائے گا جس کی بدمذہبی اور اعتقادات کفریات تک پہنچ جائیں۔

(۲) شیعوں کے بہت سے فرقے ہیں، بوہری بھی انہیں کا ایک فرقہ ہے۔ ان کے اختلافات اپنے اماموں میں ہیں۔ کوئی کسی کو امام مانتا ہے کوئی کسی کو۔ اسی طرح امام غائب میں اختلاف ہے، جن کے یہ منتظر ہیں۔

خارجی کون لوگ ہیں ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ بعض لوگ ایسی گفتگو کرتے ہیں جو ہمیں شرع کے منافی اور بے حرمتی معلوم ہوتی ہے اور جسے سن کر ہم لوگ پریشان ہو جاتے ہیں ۔ لہذا وضاحت فرمائیں :

(١) کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار تھے مگر راستے میں چند خارجی بدمعاشوں نے انہیں شہید کر دیا اور بیعت نہ کرنے دی ۔

(٢) کیا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے کسی بچے کا نام یزید بھی رکھا ؟

(٣) جنگ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب کو قتل کیا یا کسی اور نے ؟

(٤) یزید کو امیر یزید یا امیر المومنین ، زاہد ، عابد ، متقی یا پرہیزگار کہنا کیسا ہے ؟

الجواب :-

صدر اول میں دو فرقے مسلمانوں سے الگ ہوئے ، خارجی اور شیعہ ۔ خارجی وہ فرقہ ہے جس نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مصالحت کی خاطر ثالث کی تجویز سے اختلاف کیا تھا اور اس کو بنیاد بنا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی تھی ۔ صحاح ستہ کی تقریباً تمام کتابوں میں ان کی شرانگیزیوں کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں کا ذکر آیا ہے ۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خارجیوں کی علامت کے بارے میں حدیث روایت کی ہے :

ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کے بازو پر عورت کے پستان کی طرح گوشت ابھرا ہوا ہو گا وہ تم سے جنگ کرے گا جب حضرت علی نے ان خارجیوں پر فتح حاصل کر لی تو حکم دیا کہ ان کی لاشوں میں ایسی علامت والا آدمی تلاش کرو ! بہت تلاش کے بعد لاشوں کے نیچے دبے ہوئے ایک آدمی کی لاش ملی جس کے بازو پر اسی طرح گوشت ابھرا ہوا تھا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا ۔

(بخاری ، جلد ثانی ، کتاب الادب ، باب ما جاء فی قول الرجل ویلک)

(ابو داؤد ، حصہ دوم ، ابواب شرح السنۃ ، باب فی قتل الخوارج)

وہ خارجی گروہ اب تک چلا آرہا ہے تمام فتاویٰ اور احادیث کی کتابوں میں خوارج کے احکام بیان کیے گئے ہیں ۔ اس گروہ کے لوگ یہاں بھی موجود ہیں اور وہ یزید کی طرف داری اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت اطہار کی تنقیص اور ان کے فضائل کا انکار کرتے ہیں ۔ یہ تمام اقوال جو سوال میں لکھے ہیں سب انہی خارجیوں

کے ہیں اور وہ اس کی اشاعت کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

بخاری و مسلم جیسی کتابوں میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آئندہ کل یہ جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ پر دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر)

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا دیا اور ان کے ہاتھ سے خیبر فتح ہوا۔ آج تک خیبر کے قلعہ کی بنیادیں موجود ہیں اور اس دروازے کی جگہ بھی موجود ہے جہاں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ اکھیڑا تھا اور اس سے ملا ہوا ایک چشمہ بھی ہے جس کا نام "بیر علی" ہے اور خیبر کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تلوار کا وار کیا تھا تو مرحب کا "خود" (لوہے کی وہ ٹوپی جو لڑائی کے وقت حفاظت کے لیے پہنتے ہیں) اور سر کاٹتی ہوئی تلوار گھوڑے کے دو ٹکڑے کر کے زمین پر جا کر لگی تھی وہیں سے یہ چشمہ جاری ہوا تھا جو آج تک جاری ہے۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، فرماتے ہیں: فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

(اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) تم میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہے جن سے یہود نے بغض رکھا حتی کہ ان کو ماں کی تہمت لگائی۔ اور ان سے عیسائیوں نے محبت کی حتی کہ انہیں اس درجہ میں پہنچا دیا جو ان کا نہ تھا۔ پھر فرمایا میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ محبت میں افراط (زیادتی) کرنے والے مجھے ان صفات سے بڑھائیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں اور بغض کرنے والے جن کا بغض اس پر ابھاریگا کہ مجھے بہتان لگائیں گے۔

(مشکوۃ المصابیح، باب: مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، الفصل الثالث) ہلاک ہونے والے دو گروہ شیعہ اور خارجی ہیں۔

اہل سنت و جماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کی محبت کو جزو ایمان جانتے ہیں، خلفاء اربعہ کو بالترتیب حق پر جانتے ہیں اور تمام صحابہ کرام سے محبت رکھتے ہیں، اہل سنت کو ان دونوں گمراہ فرقوں سے علیحدہ رہنا چاہیے، اسی میں ایمان کی سلامتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اہل تشیع سے تعلقات رکھنے اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں دستور ہے کہ جب کوئی شیعہ شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے سنی لوگ بھی پہنچ جاتے ہیں۔ پہلے سنی اپنے ہم

عقیدہ امام کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں، پھر شیعہ اپنے ہم خیال کے پیچھے پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل سنت کا شیعہ کی اپنے طریقہ کے مطابق نماز جنازہ پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان سنیوں پر جو حکم شرعی عائد ہوتا ہے۔ اسے مدلل و مفصل بیان کر کے ماجور ہوں۔

سائل: ابوالکرم احمد حسین، قاسم الحمیدی، آزاد کشمیر

الجواب:-

آج کل کے شیعہ عام طور پر "تبرائی" ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے منکر ہیں، ان کو غاصب و خائن کہتے ہیں، اپنا کلمہ جدا کر لیا ہے اور یہ کلمہ پڑھتے ہیں:

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی خلیفۃ اللہ بلا فصل

اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں اور علی مرتضیٰ بلا فصل خلیفہ ہیں۔

(نوٹ: یہ شیعوں کا کلمہ ہے جو تبراء سے خالی نہیں۔)

اسی طرح اذان میں بھی اضافہ کر کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بلا فصل بتاتے ہیں۔ صحابہ کرام کو گالی گلوچ کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی براءت قرآن کریم نے کی، آج تک ان پر تہمت لگاتے ہیں۔ ان شیعوں کے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو قذف عائشۃ رضی اللہ عنہا بالزنا کفر باللہ

اور جس نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی وہ اللہ کا منکر ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فہو کافر

جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔

اور اسی صفحہ پر ہے:

و کذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظہیریۃ

اور اسی طرح جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کیا وہ کافر ہے صحیح تر قول کے مطابق۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔

اور فرمایا:

وہؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام و احکامہم احکام المرتدین کذافی الظہیریۃ

(فتاویٰ عالمگیری، جلد دوم، صفحہ: ٢٦٣، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور یہ لوگ مذہب اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام مرتدوں کے احکام کی طرح ہیں ۔ اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے ۔

ان عقائد والوں کے لیے دعاء مغفرت کرنا کفر ہے ۔ نماز جنازہ بھی دراصل دعا ہے ، لہذا ان کی نماز جنازہ پڑھنا بھی کفر ہے ۔ جن لوگوں نے جان بوجھ کر ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی وہ توبہ کریں ، پھر سے ایمان لائیں اور شادی شدہ ہیں تو نکاح بھی دوبارہ کریں ۔

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شیعہ مذہب کے آدمی نے مجلس کروائی ۔ اس مجلس میں ایک شیعہ ذاکر نے حدیث بخاری کا نام لے کر کہا کہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو کہا کہ مجھے حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دفن نہ کرنا ، تو حضرت زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا : کیوں ؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے کہا اس لیے کہ میں دنیا میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہی ہوں تو بھی پاک نہ ہو سکی تو قبر میں بھی پاک نہیں ہو سکتی اور مجھے فائدہ نہیں ملے گا ۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فائدہ نہیں مل سکتا تو حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بھی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فائدہ نہیں مل سکتا ۔ (معاذ اللہ)

یہ بکواس اس شیعہ ذاکر نے کی ہے ۔ کیا مجلس کروانے والے کے ساتھ دینی یا دنیاوی تعلقات قائم کرسکتے ہیں یا نہیں ؟ یہ بکواس ہم نے خود اپنے کانوں سے سنی تھی ، پھر بھی اس کے ساتھ ہمارے دینی اور دنیاوی تعلقات قائم ہیں۔ اب شریعت کی رو سے آگاہ کر دیں کہ اس مجلس کروانے والے کے ساتھ تعلق قائم کرنا گناہ ہے یا نہیں ؟

الجواب :-

شیعوں کے متعلق ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ پر "تبرا" کرتے ہیں ۔ لہذا اس مجلس کروانے والے سے ملنا جلنا بھی مسلمانوں کے لیے حرام ہے ۔ ان سے کسی قسم کے تعلقات قائم رکھنا جائز نہیں۔

حدیث میں ایسے گمراہ فرقوں کے بارے میں جو بعد میں نکلیں گے ، فرمایا گیا ہے :

ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم

(ابن ماجہ ، الحدیث الاخر من "باب فی القدر")

اگر یہ (بد عقیدہ لوگ) بیمار ہوجائیں تو ان کی تیمار داری نہ کرو ، اگر مرجائیں تو ان کے جنازے میں نہ

جاؤ اور اگر تم سے ملیں تو ان کو سلام نہ کرو۔

اس کے علاوہ مسلم شریف میں ہے:

فایّاکم و ایّاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اپنے آپ کو ان سے جدا کر لیا اور ان کو اپنے سے جدا کر دیا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنوں میں ڈال دیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس حدیث مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے شیعوں اور دیگر گمراہ فرقوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دینے چاہئیں۔

یزید کا فسق و فجور

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ:

(۱) مندرجہ ذیل اشخاص صحابہ کرام کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟ مروان بن حکم، حکم بن عاص، مروان کا باپ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا، عبداللہ بن ابی سرح، جن کو فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا مگر بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط سے معاف کر دیے گئے تھے اور بعد ازیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مصر کا گورنر بھی بنایا تھا، محمد بن ابی بکر، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں شریک تھے۔

اگر مندرجہ بالا حضرات سب کے سب صحابہ کرام کے زمرے میں آتے ہیں یا بعض آتے ہیں تو علماء کرام ان میں سے بعض حضرات پر خصوصاً مروان بن حکم پر کیوں طعن کرتے ہیں اور ان کے بارے میں وہی رویہ کیوں نہیں اپناتے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اختیار کرتے ہیں۔

(۲) تابعی کی صحیح تعریف کیا ہے؟ نیز یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی لحاظ سے تابعی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کہہ سکتے ہیں تو کیا تابعی کو بھی فاسق و فاجر کہا جا سکتا ہے جیسا کہ یزید کے فسق و فجور میں کوئی شبہ نہیں۔

برائے مہربانی ذرا تفصیل سے جواب دیں۔ شکریہ

سائل: کیپٹن (ریٹائرڈ) زوار حسین عباسی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

الجواب:-

حکم ابن ابی العاص، عبداللہ ابن ابی سرح اور محمد بن ابی بکر صحابی ہیں جبکہ مروان صحابی نہیں ہے۔

صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں۔ ان سے غلطی ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن ہر غلطی گناہ نہیں ہوتی۔ عام مسلمانوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

وضع عن امتی الخطأ و النسیان

(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی)

یعنی میری امت سے غلطی اور بھول چوک کو اٹھا لیا گیا ہے۔

یعنی اس پر گناہ نہیں ہوتا۔ اور مجتہد کے متعلق ارشاد ہے:

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران و اذا حکم فاجتہد ثم اخطا فلہ اجر۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب الاعتصام، باب: اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطا)

یعنی اگر حاکم غور و فکر کرکے صحیح حکم مستنبط کر لیتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر کوئی اجتہادی غلطی کرتا ہے تو پھر بھی ایک اجر پالیتا ہے۔

فقہاء اور محدثین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ روایتیں تو سب کرتے ہیں مگر صحابہ کے اختلافات کو عوام کے سامنے بیان کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں کہ مسلمان ان کے متعلق اچھائی کا ظن رکھیں، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی اور فرمایا:

میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثالث)

یہ بات معلوم ہے کہ کوئی ستارہ روشنی سے خالی نہیں ہوتا تو ہر صحابی میں بھی ہدایت کا نور موجود ہے۔ صحابہ کرام پر تنقید کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا:

لا تتخذو هم غرضاً من بعدی

(مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثانی)

یعنی میرے صحابہ کو میری حیات ظاہری کے بعد تنقید کا نشانہ نہ بنالینا۔

ان تینوں صحابہ کرام میں سے کسی نے جان بوجھ کر غلطی نہیں کی۔ محمد بن ابی بکر کے معاملے میں مروان نے جو سازش کی تھی اس لیے ان کا ناراض ہونا فطری امر تھا۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل تو ضرور ہوئے تھے مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان سے فرمایا اگر تمہارے والد اس حالت میں دیکھتے تو کیا کہتے؟ یہ سن کر فوراً باہر چلے گئے، نہ وہ قتل میں شریک ہوئے اور نہ ہی کوئی ضرب لگائی۔ اس کی تصدیق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے کی جو اس وقت گھر میں موجود تھیں اور وہی قتل کی تنہا گواہ بھی تھیں۔ اس لیے ان پر کوئی تنقید نہیں کی جا سکتی ہے۔

عبداللہ ابن سرح کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کردیا اس کے بعد ان کے حال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں لکھا ہے:

" جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو دور بیٹھے رہے۔ اپنے ارتداد کے گناہ پر اتنے نادم تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہیں کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں معاف کردیا ہے لیکن وہ ندامت کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرتے۔ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الاسلام یمحو ما کان قبلہ "

(ملخصاً، مدارج النبوت (اردو)، جلد دوم، صفحہ: ۴۳۶، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اسلام پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور چہرہ مبارک پر نظر بھی کرتے تھے۔ لہٰذا ان پر بھی تنقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حکم ابن العاص کے متعلق روایات میں اتنا تو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطن کرکے طائف بھیج دیا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی کسی مستند روایت سے اسکا پتہ نہیں چلتا مگر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ کفر و ارتداد کی وجہ سے جلاوطن نہیں کیا تھا اس لیے کہ مرتد کی سزا تو قتل ہے شہربدر کرنا نہیں ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب انہیں واپس بلالیا تو معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی بناء پر انہیں شہربدر کیا تھا جب وہ مصلحت پوری ہوگئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں بلالیا۔ لہٰذا ان پر بھی تنقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مروان صحابی نہیں ہے اور محمد بن ابی بکر کے قتل کی سازش بظاہر اسی کا فعل تھا لہٰذا تابعی کا حکم وہ نہیں جو صحابہ کرام کا ہے۔ مروان کی غلط کارروائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوئی اور اس نے اپنی امارت کے دور میں جو مظالم کیے وہ مشہور ہیں۔ لہٰذا اس پر تنقید بھی کی جاسکتی ہے اور محدثین نے بھی اس کے عیوب کو بیان کیا ہے۔

یزید کا فسق و فجور اور واقعہ کربلا اس کی پیشانی پر ایسا داغ ہے جس کو دور نہیں جاسکتا۔

اصولی طور پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ صحابیت اور تابعیت کے شرف کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آئندہ وہ ہرحال میں جنتی ہو جائیں گے چاہے کچھ کرتے رہیں اس لیے کہ بعض صحابی مرتد ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں مانعین زکوٰۃ مرتد ٹھہرے۔

لہٰذا ان سب فضائل کا مقصد یہ ہے کہ وقت موت تک اگر ان سے کفر اور ارتداد صادر نہیں ہوا تو صحابیت اور تابعیت کا شرف باقی ہے ورنہ نہیں۔

بالکل اسی طرح حدیث میں فرمایا:

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ

(ترمذی ، کتاب الایمان ، باب ماجاء فی من یموت و ھو یشھد ان لا الٰہ الااللہ)

یعنی جس نے " لا الٰہ الااللہ " کہا وہ جنت میں داخل ہوا ۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس نے کلمہ پڑھا اور اس کے بعد مرتد ہوجائے جب بھی جنتی ہو جائے گا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد وقت موت تک ایمان پر قائم رہے اور ایمان پر موت آئے تو جنت میں جائے گا ۔ اسی لیے دوسری حدیث میں فرمایا :

الاعمال بالخواتیم

یعنی آخری عمل کا اعتبار ہوتا ہے ۔

وہ مسلمان تابعی کہلاتا ہے جس نے ایمان لانے کے بعد کسی صحابی کو دیکھا اور وقتِ موت تک ایمان پر قائم رہا ہو ۔

اثناء عشری اور اسماعیلیوں کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ :

(۱) ہمارے دور میں اثنا عشری (شیعہ فرقہ) اور پرنس کریم آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرنے والا اسماعیلی فرقہ ، قرآن و سنت کی روشنی میں مومن ہیں یا نہیں ؟

(۲) ان کے ساتھ سلسلہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) ان کا ذبیحہ اور نذر و نیاز کی چیزیں کھانا حلال ہے یا حرام ؟

(۴) ان کی نماز جنازہ پڑھنا ، ان کو شریکِ نماز جنازہ کرنا ، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور قومی و صوبائی اسمبلی کی رکنیت کے لیے یا بلدیاتی رکنیت کے لیے بطور کونسلر منتخب کرنا حلال ہے یا حرام ؟

سائل : عبدالرحمٰن رحیمی

الجواب :-

آج کل کے شیعہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبراء کرتے ہیں ، ان کی خلافت کا انکار کرتے ہیں ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی براءت میں قرآن نازل ہوا اب تک ان پر تہمت لگاتے ہیں ۔ ہمارے تمام فقہاء اور آئمہ اربعہ کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار اور ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانا کفر ہے ۔ اور یہ تو اپنا کلمہ بھی علیحدہ کر

کے خود ہی مسلمانوں سے جدا ہو چکے ہیں۔

آغا خانی تو خود ہی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے اور حقیقتاً نہ ہی ان کا اسلام سے کوئی تعلق ہے۔ ان دونوں گروہوں سے مسلمانوں کے جیسا کوئی تعلق اور برتاؤ جائز نہیں۔ سوال میں مذکور تمام امور حرام ہیں۔

اسماعیلی / آغا خانی

الاستفتاء:-

جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

گزارش یہ ہے کہ ایک مسئلہ در پیش ہے، خوجہ اسماعیلی فرقہ کا کوئی شخص حج کرے اور یہ کہے کہ میں حاجی اور آغاخانی ہوں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ فرقہ اسماعیلی سے تعلق رکھنے والے شخص کا حج ہوگا یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں آگاہ کریں۔

الجواب:-

خوجہ اسماعیلی فرقہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے اور نماز نہیں پڑھتے، اسی لیے آغا خانیوں نے کہیں مسجد تعمیر نہیں کی بلکہ جماعت خانے بنائے، جن میں شام کے وقت مرد و عورت تفریح کر لیتے ہیں۔ کئی سال پہلے بلتستان سے ایک متفقہ فتویٰ آغا خانیوں کے متعلق چھپ چکا ہے کہ آغا خانی غیر مسلم ہیں۔ حج اور تمام عبادات مسلمانوں کے لیے ہیں اور ان کی صحت اور قبولیت کے لیے اسلام شرط ہے۔

لہٰذا آغا خانی کا نہ حج ہے اور نہ دوسری عبادات۔

توحیدی فرقہ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کہ ڈاکٹر عثمانی (کیماڑی، کراچی) اور اس کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ تعویذ شرک ہے اور تعویذ سے جھاڑ پھونک کرنے والا مشرک ہے، اگرچہ تعویذ قرآنی آیت پر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر موصوف نے ایک مختصر سا رسالہ بھی تصنیف کیا ہے جس کا نام ہے "تعویذ گنڈا

شرک ہے" ۔ لہٰذا یہ امر دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید ، احادیث صحیحہ ، خیرالقرون اور آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے صحیح دلائل پر مبنی فتویٰ مبارک دستخط اور مہر سے آراستہ فرماکر مستفید فرمایئے گا ۔

نوٹ : ڈاکٹر عثمانی کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ چاروں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ، تعویذ صحیح کو بھی شرک ہی سمجھتے تھے ۔ اور اس پر ڈاکٹر کے پیروکار اب بھی سختی سے کاربند ہیں ۔

سائل : عبد عمر خان خٹک ، لانڈھی ، کراچی

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے :

و ننزل من القرآن ما ھو شفآء و رحمة للمؤمنین

(سورۃ (۱۷) الاسراء ، آیت : ۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے ۔

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے :

رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرقیة من العین والحمة والنملة

(مسلم ، جلد دوم ، کتاب السلام ، باب استحباب الرقیة من العین)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظربد ، بخار اور پھوڑے پھنسی میں جھاڑ پھونک اور دم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے ۔ فرماتی ہیں :

امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم او امر ان یسترقی من العین

(بخاری ، جلد دوم ، کتاب الطب ، باب رقیة العین)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا یا حکم فرمایا : نظربد میں دم کرنے کا ۔

ابوداؤد میں ہے :

و کان عبداللہ بن عمر و یعلّمھنّ من عقل من بنیه و من لم یعقل کتبه فاعلقه علیه

(ابو داؤد ، حصہ دوم ، کتاب الطب ، باب کیف الرقی)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنی بالغ اولاد کو (اعوذبکلمات اللہ التامات) سکھاتے اور چھوٹی عمر کے بچوں کے گلے میں کاغذ پر لکھ کر لٹکاتے تھے ۔

ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ تعویذ ، گنڈا یا جھاڑ پھونک کرنا مسنون ہے ، شرک نہیں ہے ۔ اور وہ تعویذات جو آیات قرآنیہ یا اسماء الٰہیہ یا ادعیہ ماثورہ سے کیے جائیں وہ جائز ہیں ۔ اور وہ تعویذات جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے ، ممنوع ہیں ۔ مسلم شریف میں ہے :

لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک

(مسلم ، جلد دوم ، کتاب السلام ، باب استحباب الرقیۃ من العین والنملۃ والحمۃ والنظرۃ)

یعنی تعویذ ، جھاڑ ، پھونک میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں ۔

لہٰذا تعویذ ، گنڈا اور جھاڑ ، پھونک کرنے والوں کو مشرک کہنے والا گمراہ ہے ۔

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین توحیدی فرقے کے متعلق کہ جس کا بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ہے ۔ جو کہ شریعت کو اپنی عقلوں پر پرکھتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں حیات ہونے کے عقیدے کو شرک کی جڑ کہتے ہیں ۔ اگر توحیدی فرقے کا کوئی فرد مر جائے تو اس کے جنازے کے متعلق علماء کیا فرماتے ہیں ؟ نیز ان لوگوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور اس عقیدے سے کرنا کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی ، کیسا ہے ؟

سائل : فقیر محمد پرویز راؤ ، فیڈرل بی ایریا ، کراچی

الجواب :-

ڈاکٹر عثمانی نے جو کتابچے چھاپے اور تقسیم کیے ان میں امام اعظم ، حضرت غوث الاعظم اور حضرت بایزید بسطامی وغیرہم مسلمہ اولیاء کرام پر کفر کے فتاویٰ دیئے ہیں اور اس کے علاوہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر کفر کا حکم لگایا ہے ۔ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا ان کے ساتھ مرتدوں کے احکام پر عمل کیا جائے گا ۔ مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھے گا ، دفن میں شریک ہو گا اور نہ ہی دعائے مغفرت کرے گا ۔

منکرِ حدیث کا حکم

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں زید تمام حدیثوں کا انکار کرتا ہے اور صرف قرآن کو مانتا ہے ۔ آیا زید مسلمان ہے یا نہیں ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں ۔ شکریہ

سائل : تعلقدار خان

الجواب :-

تمام احادیث کا انکار کرنے والا کافر ہے ۔ اس لیے کہ یہ قرآن کا بھی انکار ہے ۔ کیونکہ جو احادیث کا بالکل انکار کرے گا وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں کر سکتا ، جبکہ قرآن کریم میں اللہ تبارک

وتعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی فرض کیا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد ہوا :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

(سورہ(۴)النساء، آیت: ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اس مضمون کی تمام آیات کا انکار لازم آئے گا، جو احادیث کا انکار کرے گا۔ اور قرآن کے ایک لفظ کا انکار بھی صریحاً کفر ہے۔ جس کو بزعم خود اپنے آپ کو اہل قرآن کہنے والے تسلیم کرتے ہیں۔

دین دار انجمن

الاستفتاء:-

محترم جناب عالی مرتبت مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

ایک شخص یاسر بن وحید کورنگی ساڑھے تین میں رہتا ہے، جو کہ دین دار انجمن کا نگرانِ اعلیٰ ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام ہمارے علاقہ میں مذہب کے نام پر مختلف قسم کے اجتماعات اور اس کے علاوہ ہر جمعہ کو درسِ قرآنِ حکیم کی محافل منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں علاقہ کے لوگ کافی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ تقریب کے اختتام پر لنگر بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ سننے میں یہ آیا ہے کہ دین دار انجمن کے بانی صدیق دین دار چن بشو بشور نے لاہور جاکر غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ اس وجہ سے ہمارے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے کہ:

صدیق دین دار چن بشو بشور مسلمان تھا یا نہیں؟

کیا دین دار انجمن مسلمانوں کی کوئی شاخ ہے؟

ان کے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی جائے یا نہیں؟

محلہ داری کی حیثیت سے ان کے کھانے پینے کی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں شرکت کی جائے یا نہیں؟

کیا دین دار انجمن والے ہماری مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں؟ اور کیا وہ ہمارے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

اگر کوئی مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھتا یا پڑھاتا ہے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

دین دار انجمن والے اپنے مردے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ایک مسلمان یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ دین دار انجمن والے مرتد اور زندیق ہیں، ان کی نماز جنازہ اور دوسری تقریبات میں شرکت کرتا ہے۔ اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

ان تمام سوالات کے مدلل جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب:-

دین دار انجمن کے بانی صدیق دین دار کی کتابوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کے عقائد قبول کرنے کے بعد مزید عقائد کفریہ کا قائل تھا۔ اس کے اور اس کے متبعین کے لیے وہی احکام ہیں جو مرتد غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے لیے ہیں۔ کسی مرتد کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں کے لیے جائز ہے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کرنا۔

مستند فتاووں میں یہ تصریح موجود ہے کہ مرتد اور کافر کو اس طرح دفن بھی نہیں کیا جائے گا جس طرح مسلمانوں کی میت کو قبر کھود کر اور تختے رکھ کر مٹی ڈال کر دفن کیا جاتا ہے۔ بلکہ مرتدین کی نعشوں کو مردار جانور کی طرح گڑھا کھود کر مٹی ڈال کر دبا دیا جائے گا۔ احادیث میں ان لوگوں کے متعلق جن کے عقائد اسلام کے خلاف ہوں یہ ارشاد فرمایا:

ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا تسلموا عليهم

(ابن ماجہ، الحدیث الاخر من "باب فی القدر")

اگر یہ (بد مذہب) بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مرجائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو اور اگر کہیں ملیں تو ان کو سلام بھی نہ کرو۔

لہٰذا ان لوگوں سے ملنا جلنا اور سلام کرنا حرام ہے اور ان کی تقریر سننا اور ان کی کتب پڑھنا بھی سخت حرام ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

لا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين

(سورۃ (٦) الانعام، آیت: ٦٨)

یعنی نصیحت آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

صحاح کی ایک حدیث میں انسانی قلب کی مثال اس طرح بیان کی گئی:

مثل القلب مثل الريشة تقلبها الرياح بفلاة۔

(مقدمہ، سنن ابن ماجہ، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی انسان کے دل کی مثال اس "پَر" کی طرح ہے جو کسی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اسے ادھر سے اُدھر اڑاتی ہوں۔

یعنی انسانی دل بھی پلٹتا رہتا ہے اور کس وقت کون سی بات قبول کرلے اس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اسی

حدیث کے پیش نظر ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ سنن دارمی میں منقول ہے:

ان کی مجلس میں راہ راست سے ہٹے ہوئے دو آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنانا چاہتے ہیں فرمایا میں نہیں سنوں گا تو ان دونوں نے کہا کہ ہم کتاب اللہ کی ایک آیت سنانا چاہتے ہیں (وہ سن لیجیے) انہوں نے فرمایا میں نہیں سنوں گا تم دونوں یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ ورنہ میں چلا جاؤں گا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو مجلس میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس میں کیا حرج تھا کہ آپ کو کتاب اللہ کی آیت سنانا چاہتے تھے (آپ سن لیتے) تو ابن سیرین نے فرمایا کہ (ان کا عقیدہ خراب تھا اور) مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ یہ لوگ قرآن و حدیث سناتے وقت کمی بیشی نہ کر دیں اور میرا دل اس کو قبول کر لے (تو میرا ایمان برباد ہو جائے گا اس لیے میں نے ان سے قرآن و حدیث سننا گوارا نہ کیا۔)

(سنن دارمی، جلد اول، صفحہ: ۱۲۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مسلمان سوچیں کہ ابن سیرین تابعی ہیں اور اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور محدث ہیں، ان کو گمراہ کرنا آسان نہیں تھا مگر اس کے باوجود وہ ان لوگوں سے قرآن و حدیث سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ حالانکہ ان دونوں کے عقائد بھی کفر و ارتداد کے نہ تھے اور وہ قرآن و حدیث کا مطلب بھی بیان نہیں کر رہے تھے صرف سنانا چاہتے تھے۔ آج کل عام مسلمان جو عربی زبان سے ناواقف ہیں اور اپنے عقائد سے بھی کماحقہ آگاہ نہیں۔ ہر بد مذہب کی کتابیں پڑھنے لگ جاتے ہیں اور ان کی تقریروں میں شرکت کرتے ہیں اور اپنا ایمان برباد کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو ہر بد مذہب اور مرتد کی تقریر سننے اور اس کی کتابیں پڑھنے، اس سے میل جول اور تعلقات قائم رکھنے سے بچنا فرض ہے۔ اسی میں مسلمانوں کے ایمان کی سلامتی ہے۔

دین دار انجمن کے لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم اہل سنت کی مساجد میں نماز پڑھتے ہیں اور مسجد کے امام کی اقتداء کرتے ہیں، دھوکہ بازی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتابوں میں لکھا کہ میں حنفی ہوں اور فقہ حنفی کو جانتا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے لکھا جو نبوت کا مدعی ہوگا وہ امام اعظم کی تقلید کیوں کرے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین مسجد نبوی شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے۔ مگر قرآن کریم میں جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں منافقین کا ٹھکانا بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمان ان سے بچیں۔

جو لوگ بانی دین دار جماعت اور اس کے پیرو کاروں کے عقائد پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو مسلمان سمجھیں گے، ان پر بھی ایسا ہی حکم کفر ہوگا، جیسا کہ اس جماعت اور اس کے بانی پر۔ اور جن لوگوں نے ان کے کفریہ عقائد پر مطلع ہونے کے باوجود نماز جنازہ پڑھی ہے وہ تجدید ایمان کریں اور بالاعلان توبہ کریں اور شادی شدہ ہیں تو تجدید نکاح بھی کریں۔

الاستفتاء:-

جناب قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

گزارش یہ ہے کہ اس پُر فتن دور میں کئی فرقے ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ اور ان کی روک تھام کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اسی ضمن میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ دین دار انجمن کیسی تحریک ہے، اس کا بانی کون ہے، اور ان کے عقائد کیا ہیں؟ دین دار انجمن سے منسلک تمام لوگ مسلمان ہیں یا نہیں؟ سنی لڑکے کی دین دار انجمن سے تعلق رکھنے والی لڑکی سے منگنی ہو گئی ہے، کیا ان لوگوں سے شادی کی جاسکتی ہے (لڑکے یا لڑکی سے) یا منگنی توڑ دی جائے؟

جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

سائل: امتیاز الدین خان قادری

الجواب:-

دین دار انجمن کے بانی صدیق دین دار کی کتابوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کی صحبت میں رہا اور اس کے عقائد قبول کرنے کے بعد مزید عقائد کفریہ کا قائل تھا۔ ہمارے پاس اس کے خاص مبلغ کی لکھی ہوئی کتاب "حقیقت بعثت ثانیہ" اور "میزان" ہے، جسکا لکھنے والا حفظ الرحمٰن ہے۔ اس میں اس کے عقائد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نبی بتاتا تھا اور آیات و احادیث سے اپنی بعثت کو ثابت کرتا تھا۔ لہٰذا صدیق دین دار بھی غلام احمد قادیانی کی طرح مرتد ہے اور اس کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مرتدین کے ہیں۔ کسی مرتد سے تعلقات رکھنا، مسلمانوں کو جائز نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں تو حدیث میں فرمایا:

لاتجالسوا اہل القدر ولاتفاتحوہم

(ابو داؤد، حصہ دوم، ابواب شرح السنۃ، باب فی القدر)

یعنی قدریہ کے ساتھ نہ بیٹھو اٹھو اور نہ ان سے سلام و کلام کرو۔

لہٰذا اس جماعت کے لوگوں کے ساتھ رشتہ داری یا اور کسی قسم کے تعلقات قائم کرنا، جائز نہیں ہیں اور مسلمان لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کے ساتھ باطل ہے۔

انجمن سرفروشانِ اسلام

الاستفتاء:

حضرات علماء اہل سنت کی خدمت میں السلام علیکم

ازراہ کرم شریعت کے مطابق فتوی دے کر اہل سنت کو ایک بڑے فتنہ سے بچائیے۔ ریاض احمد گوہر شاہی نامی ایک شخص نے "انجمن سرفروشان اسلام" نامی ایک انجمن بنائی ہے۔ اسی انجمن کے تحت اس نے اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے واقعات کو کتابی صورت میں بنام "روحانی سفر" شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غالباً کوئی نیا فرقہ جنم لے رہا ہے۔ اس کتاب میں "ریاض احمد گوہر شاہی" نے اپنے کارناموں کا اظہار کیا ہے۔

مثلاً کاروبار میں بے ایمانی، فراڈ اور جھوٹ شعار بن گیا۔ یہی سمجھے کہ نفس امارہ کی قید میں زندگی کٹنے لگی۔ سوسائٹیوں کی وجہ سے مرزائیت اور کچھ وہابیت کا اثر ہو گیا۔

پوری کتاب میں مرزائیت اور وہابیت سے کہیں بھی صراحتاً توبہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص بقول خود کچھ قادیانی اور کچھ کچھ وہابی ہے۔ اسکے علاوہ یہ شخص نشے کو عبادت ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ:

ایسے میں اس نے سگریٹ سلگایا اور چرس کی بو اطراف میں پھیل گئی اور مجھے اس سے نفرت ہو گئی رات کو الہامی صورت پیدا ہوئی یہ شخص (یعنی چرسی) ہزاروں عابدوں، زاہدوں اور عالموں سے بہتر ہے جو ہر نشے سے پرہیز کر کے عبادت میں ہوشیار ہیں، لیکن بخل، حسد اور تکبر ان کا شعار ہے۔ یہ شخص جس سے تو نے نفرت کری اللہ کے دوستوں سے ہے عشق اس کا شعار ہے اور یہ نشہ (چرس) اس کی عبادت ہے۔

معاذ اللہ بالکل واضح طور پر نشہ کو حلال ہی نہیں بلکہ عبادت ٹھرایا جا رہا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

"میرے دل میں خیال آیا یہ جو آیت آسمان پر دکھائی گئی اللہ کے حکم سے ہوگی یعنی اللہ کی رضا ہے تو پھر ڈرکس کا ہمت کرلی اور چلہ گاہ میں پہنچ گیا۔"

علماء اہل سنت کی خدمت میں درخواست ہے کہ شریعت کا حکم واضح کریں کہ یہ شخص ریاض احمد گوہر شاہی جو چرسیوں موالیوں بلکہ موالن مستانی کی صحبت سے فیضیاب ہوا ہے۔ اولیائے کرام جیسی مقدس ہستیوں پر بدعت کے فتوے لگاتا ہے۔ بلکہ نعوذ باللہ حضرت خضر علیہ السلام جو اللہ کے نبی ہیں ان کو بھی بدعتی کہتے ہوئے بچہ کا قاتل ٹھراتا ہے۔ گناہوں کا علی الاعلان فخریہ اظہار کرتا ہے۔ مرزائیت اور وہابیت کا اثر اپنے اوپر ہو جانے کا اقرار کرتا ہے۔ اور نشہ کو عبادت ٹھراتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمائیں یہ شخص اہل سنت ہے یا کہ نہیں؟ اس کی صحبت اختیار کرنا اور اس کی انجمن سرفروشانِ اسلام میں ممبر بننا کیسا ہے؟

سائل: محمد اسلم قادری، خداداد کالونی، کراچی

الجواب:-

انجمن سرفروشانِ اسلام کے بانی ریاض احمد گوہر شاہی کے جو اقوال اور اعمال سائل نے سوال میں تحریر کیے ان کو اصل کتاب "روحانی سفر" سے ملا کر دیکھا تو یہ ثابت ہوا کہ یہ سب باتیں اس نے اپنی کتاب میں تحریر کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس پر قادیانیت اور وہابیت کا اثر ہے اور اس اثر کے زائل ہونے کا اس نے کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اور عملی اعتبار سے وہ چرسی، بے نمازی، بدکردار اور عورتوں سے تعلق رکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔ اس فسق و فجور سے توبہ کا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا بلکہ ان کو بیان کر کے مزید گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور مستند بزرگانِ دین اور حضرت خضر علیہ السلام جن کی نبوت کا قول راجح ہے۔ ان کی شان میں گستاخی اور قتل کا الزام لگا کر اپنے خبثِ باطنی کا مزید اظہار کیا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب

(بخاری، جلد ثانی، کتاب الرقاق، باب التواضع)

یعنی جس کسی نے میرے ولی سے دشمنی کی بے شک میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

لہٰذا یہ شخص اولیاء کرام کی شان میں گستاخی کر کے اللہ تعالیٰ سے لڑائی کر رہا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا:

وما فعلتہ عن امری

(سورۃ (۱۸) الکہف، آیت: ۸۲)

اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا۔

پھر بھی ان کو قاتل قرار دینا، انتہائی گمراہی اور جہالت ہے۔ اس کی کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا مصنف ریاض احمد گوہر شاہی جاہل اور سخت گمراہ ہے اور ایک نیا فرقہ بنا کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے دور رہنا چاہیے اور اس کی صحبت میں بیٹھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ہے:

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین ۝

(سورۃ (۶) الانعام، آیت: ۶۸)

یعنی مت بیٹھ نصیحت آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ۔

مسلم شریف کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اپنے آپ کو ان سے جدا کر لیا اور ان کو اپنے سے جدا کر دیا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں

اور تمہیں فتنوں میں نہ ڈال دیں۔

الاستفتاء:-

قبلہ محترم فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد وقارالدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ انجمن سرفروشانِ اسلام کے بانی "ریاض احمد گوہر شاہی" کی دو کتابوں "روحانی سفر" اور "روشناس" کی بعض عبارتوں کے بارے میں آپ کا فتوی شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں میرا ایک مضمون بھی "ماہنامہ ماہ طیبہ" سیالکوٹ اور "ماہنامہ القول السدید" لاہور میں شائع ہوا ہے۔ کل ہمارے ایک عالم مولانا سعید احمد اسعد صاحب نے ریاض احمد گوہر شاہی کی تحریر کا عکس (فوٹو) دیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ گوہر شاہی پکے سچے سنی بریلوی ہیں اور انہوں نے اپنی ان تحریروں سے رجوع کرلیا ہے۔ جن پر علماء کرام نے گرفت فرمائی تھی۔ ریاض احمد گوہر شاہی کی تحریر کے عکس کی کاپی ارسال خدمت ہے۔ مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں کہ کیا ان کی یہ تحریر ان کی توبہ اور رجوع کے لیے کافی ہے؟ جواب سے جلد مطلع فرمائیں، کرم ہوگا۔

فقط والسلام: محمد افضل کوٹلوی، جامعہ قادریہ رضویہ (ٹرسٹ)، فیصل آباد

الجواب:-

انجمن سرفروشانِ اسلام کے بانی نے جو تحریر لکھی ہے وہ قابلِ قبول نہیں ہے اور اس کی جانب سے رجوع و توبہ بھی نہیں ہے اور اس تحریر میں جو لکھا ہے وہ جھوٹ بھی ہے۔ روحانی سفر نامی کتاب میں پہلے کچھ خواب کی باتیں لکھیں اس کے بعد لکھا کہ میں بیدار ہوگیا تو پھر یہ سب ہوا، جس پر ہم نے فتوی دیا اور اب بھی یہ کتاب چھپ رہی ہے اور ان عبارتوں کو حذف بھی نہیں کیا گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص گناہ بھی کرتا رہے اور یہ بھی کہتا رہے کہ میں توبہ کرتا ہوں، اس کے علاوہ حدیث میں فرمایا:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ

(الجامع الصغیر للسیوطی، المجلد الاول، صفحہ: ۱۱۷، دارالفکر، بیروت)

یعنی جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ اور کھلے کی اعلانیہ۔

لہٰذا وہ اگر واقعی توبہ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کتاب کی اشاعت بند کرے اور ان گستاخانہ عبارات کو لکھ کر ان سے بیزاری کا اعلان اسی طرح کرے، جس طرح اس کتاب کی اشاعت لاکھوں کی تعداد میں کی گئی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ:

یہاں چند مفاد پرست اور دین فروش مولویوں نے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ کمیونزم کے معنی مساوات مصطفوی کے ہیں۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ ازروئے شرع کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونا کیسا ہے؟ جو عالم خود کمیونسٹ پارٹی میں ہو اور دوسروں کو دعوت بھی دیتا ہو، کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

سائل: حافظ ابو طاہر، چاٹگام، بنگلہ دیش

الجواب:-

اصل میں کمیونزم اس نظریے کو کہتے ہیں جس کی بنیاد اللہ تبارک و تعالیٰ اور مذہب کے انکار پر ہے۔ یعنی ان کا نظریہ یہ ہے کہ عالم کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور مذہب، دنیاوی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ نظریہ صورت کفریہ ہے اور مسلمانوں میں اس نظریہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے مسلمان ممالک نے کمیونزم سے کمیونسٹوں کا نظام معیشت مراد لیا ہے، جس کے متعلق کمیونسٹ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم برابری کے قائل ہیں۔ حالانکہ کمیونسٹ ممالک میں بھی برابری نہیں ہے، غریب و امیر کا فرق وہاں بھی ہے۔ منسٹروں اور ان کے چپڑاسیوں کی تنخواہیں ایک جیسی نہیں ہیں۔ مسلمان کہلانے والوں نے کمیونسٹ پارٹی بنائی اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس کا نام مساوات محمدی رکھا۔ اگر مساوات محمدی مراد ہے تو پھر کمیونسٹ نام کی پارٹی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام قائم فرمایا تھا اس کو قائم کرو اور اسلام کی برکتیں دیکھو۔ اس معنی کے اعتبار سے کہ وہ صرف نظام معیشت مراد لیتے ہیں۔ کمیونزم اس صورت میں کفر تو نہیں ہے مگر سخت حرام ہے۔ قرآن میں ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون

(سورة (۵) المائدة، آیت: ۴۷)

اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

لہٰذا جو مولوی حضرات اس نظام کا پرچار کرتے ہیں وہ بھی بحکم قرآن فاسق و ظالم ہیں۔ ایسوں کی امامت ناجائز ہے اور ان کو امام بنانا سخت گناہ ہے۔

وہابی کی نشانی

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ کیا سر منڈوانا سنت ہے یا بدعت ؟ اگر کوئی شخص عوام الناس کو بار بار سرمنڈوانے پر زور دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں ۔ بینوا و توجروا

سائل : فرید احمد ، ماڑی پور روڈ ، کراچی

الجواب:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج اور عمرہ کے علاوہ کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں ہے ۔ لہذا جو سر منڈوانے کو سنت بتائے وہ غلطی پر ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سر منڈوانا ثابت ہے مگر انہوں نے اس کی وجہ اور بیان فرمائی ہے ان کے سر کے بال بہت گھنے اور گھنگریالے تھے ، وہ فرماتے تھے کہ مجھے غسل جنابت میں اطمینان نہیں ہوتا اس لیے سر منڈوا دیتا ہوں ۔ تو سر منڈوانا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بھی سنت نہ ہوئی ۔ ہمارے نزدیک سر نہیں منڈوانا چاہیے ۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں " سر منڈوانا " ایک گمراہ فرقے کی علامت قرار دیا گیا ہے ۔ (ملاحظہ فرمایئے ! ابو داؤد ، حصہ دوم ، ابواب شرح السنۃ ، باب فی قتل الخوارج)

وہ گمراہ فرقہ " وہابی فرقہ " ہے اور اب بھی وہ سر منڈواتا ہے بلکہ سر منڈوانے پر اصرار کرتا ہے ، اس لیے سر منڈوانا اس کی علامت بن گیا ہے اور حدیث شریف میں ہے :

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد ، حصہ دوم ، کتاب اللباس ، باب ما جاء فی الاقبیۃ)

جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جائے گا ۔

لہذا اس گمراہ فرقے کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لیے سر نہیں منڈوانا چاہیے ۔

وہابی کے لیے حسن ظن

الاستفتاء:-

حضرت مفتی صاحب !

السلام علیکم

ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے کہ اگر کوئی عالم ، کسی دیوبندی مولوی کو جو کہ مدرسہ دیوبند سے فارغ ہو ، سلام کرے اور پوچھنے پر یہ جواب دے کہ میں یہ حسن ظن رکھتا ہوں کہ یہ ، دیوبندی علماء کی کفریہ عبارات سے آگاہ نہیں

ہو گا اور اسی بناء پر سلام کرتا ہوں۔ کیا متذکرہ عالم کا یہ کہنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا پھر کسی بھی دیوبندی عالم کے پیچھے حسن ظن رکھ کر نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں! آپ کی نوازش ہوگی۔

سائل: محمد عدنان، کراچی

الجواب:-

جو دیوبندی مدارس سے فارغ ہو اس کے متعلق حسن ظن رکھنا، غلط ہے۔ کفر کا حکم لگانے میں احتیاط کی جائے گی۔ مگر ابتداء سلام فاسق کو بھی ناجائز ہے۔

حفظ قرآن کو صحیح العقیدہ ہونے کی دلیل بنانا

الاستفتاء:-

سائل کے بارے میں کہ رمضان المبارک کے بابرکت و مبارک ماہ میں تراویح کا دور دورہ ہے، چند ساتھیوں کے درمیان عقائد کے حوالے سے مندرجہ ذیل مسائل زیر بحث ہیں۔ آپ ان کا حل بتا دیجئے، جناب کی نوازش ہوگی۔

(۱) دیوبندی، وہابی حضرات کا کہنا ہے کہ بدعقیدہ لوگوں کو کبھی پورا قرآن حفظ نہیں ہو سکتا اور ہم میں حافظِ قرآن کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم صحیح العقیدہ ہیں۔

(۲) عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا، حکم قرآنی یعنی سورہ اخلاص کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود ہم اہل کتاب کو کفر پر سمجھتے ہوئے ان سے نکاح کر سکتے ہیں، آخر کیوں؟ کیا عیسائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا پینا شرعی طور پر جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

سائل: عبدالعزیز خاں، لطیف آباد، حیدر آباد

الجواب:-

(۱) قرآن و حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ حافظ قرآن کون ہو سکے گا اور کون نہیں۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہوتا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ خود قرآن کو ناقص اور بیاضِ عثمانی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں قرآن حفظ نہیں ہوتا۔ دیوبندیوں کے متعلق تو حدیث کی کتب میں جو علامتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ گروہ جو نجد سے نکلے گا:

قرآن کثرت سے پڑھے گا لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ ایمان سے بالکل دور ہوں گے اور ایمان کا نشان بھی ان کے دلوں میں نہیں ہوگا۔

(ابو داؤد، حصہ دوم، ابواب شرح السنۃ، باب فی قتل الخوارج)

لہٰذا دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ ہم میں حفاظ کا پایا جانا ہمارے صحیح العقیدہ ہونے کی دلیل ہے ، بالکل غلط ہے ۔

(۲) قرآن و حدیث میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کو ماننا اور عمل کرنا مسلمان کی ذمہ داری ہے ۔

قرآن کریم میں عیسائیوں اور یہودیوں کو کافر کہا گیا ہے اور ان کے کفریات کو بیان کیا گیا ہے اس کے باوجود ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا ہے اور ان کے کھانے کے متعلق فرمایا گیا :

و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم

(سورۃ (۵) المائدۃ ، آیت : ۵)

اور کتابیوں (اہل کتاب) کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے ۔

یہ احکام ان اہل کتاب کے لیے ہیں جو دین سماوی کے قائل ہوں ۔ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بھی کہتے ہیں ۔ اور کھانے میں یہ شرط ہے کہ اسلام میں جو چیزیں حرام اور ناپاک ہیں وہ کھانے میں شامل نہ ہوں اور برتن ان ناپاک اشیاء سے گندے نہ ہوں مثلاً سور ، شراب ، مردار جانور وغیرہ اور یہ کھانا پینا دوستی اور محبت کے تعلقات کی بناء پر نہ ہو ۔

کیا وہابی مسلمان ہیں ؟

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فتاویٰ مصطفویہ صفحہ 73 پر لکھا ہے کہ وہابی مسلمان نہیں ۔ اس جملے سے کیا مراد ہے ؟ کیا تمام وہابی دیوبندی یا ان کے بڑے عالم جو گزرے ہیں وہ مراد ہیں ؟ تفصیل سے جواب دیجیے ! نیز کیا ان وہابی علماء پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور بعد کے بریلوی علماء نے کفر کا فتویٰ جاری کیا ؟

الجواب :-

جن لوگوں کے عقائد لکھ کر علماء حرمین ، شام ، عراق اور مصر وغیرہ کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور انہوں نے ان عبارات کے لکھنے والوں پر کفر کا حکم لگایا تھا ۔ وہ فتویٰ "حسام الحرمین" کے نام سے زمانہ دراز سے چھپ رہا ہے اس میں جن لوگوں پر حکم کفر دیا گیا ہے انہیں لوگوں کے متعلق فتاویٰ مصطفویہ میں یہ عبارت لکھی ہے ۔ تفصیل " حسام الحرمین " میں دیکھ لیں ۔

وہابیوں کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنا

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ دور میں گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (نجدی ، وہابی ، دیوبندی) کے مدارس میں علم قرآن و حدیث اور تفسیر و فقہ حاصل کرنا کیسا ہے ؟ اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ؟ اور کیا ان مدارس کی زکوۃ ، خیرات یا دیگر عطیات سے امداد کرنا درست ہے ؟ بالتفصیل مدلل و باحوالہ اور اقوال بزرگان اور سلف صالحین سے جواب عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد اللہ یار اشرفی ، جامعہ رضائے مصطفیٰ ٹرسٹ ، بہاولنگر

الجواب :-

اس زمانے میں فرقہ بندی موجود ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں مسلمان ایک تھے ان کے عقائد یکساں تھے ۔ بگڑے سے عقیدے نکال کر علیحدہ علیحدہ فرقے پیدا ہوتے رہے ۔ انہی فرقوں میں دیوبندی بھی ایک فرقہ ہے جس کی بنیاد شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی پر ہے ۔ ان کی کتابیں اب بھی چھپتی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں لکھی ہوئی ہیں ۔ ہر فرقہ قرآن و حدیث پڑھانے کے نام پر اپنا مذہب پڑھاتا ہے اور طلبہ کو اپنا عقیدہ سکھا کر اپنے جیسا بنالیتا ہے ۔ آیات و احادیث میں تاویلات کر کے اپنا مذہب سکھاتا ہے ۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے تعلیم حاصل کرنا ناجائز ہے جن کے عقیدے میں خرابی ہو ۔ حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، فرماتے ہیں :

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم

(مسلم شریف ، جلد : ۱ ، مقدمہ ، صفحہ : ۱۱ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی یہ علم ، دین ہے تو دیکھ لو کہ اس کو کس سے حاصل کر رہے ہو ۔

جس شخص کے عقیدے میں خرابی ہو اس کی زبان سے قرآن و حدیث سننا بھی جائز نہیں ہے اور نہ اس کا وعظ سننا جائز ہے ۔ سنن دارمی میں ہے :

دخل رجلان من اصحاب الاهواء على ابن سيرين فقالا يا ابابكر نحدثك بحديث ؟ قال : لا ۔ قالا : فنقرأ عليك آية من كتاب الله ؟ قال : لا ، لتقومان عنى او لاقومن قال فخرجا ، فقال بعض القوم يا ابابكر ، ماكان عليك ان يقرأ عليك آية من كتاب الله تعالى ؟ قال : انى خشيت ان يقرا على آية فيحرفانها فيقر ذالك فى قلبى

(سنن دارمی ، جلد اول ، صفحہ : ۱۲۰ ، باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومة)

یعنی ابن سیرین کے پاس دو آدمی آئے جن کے عقیدے خراب تھے انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر (ابن سیرین کی کنیت ہے) ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نہیں سنوں گا ، دونوں نے کہا کہ ہم

آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے ہیں انھوں نے فرمایا: میں نہیں سنوں گا تم دونوں میرے پاس سے چلے جاؤ یا میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ وہ چلے گئے تو بعض لوگوں نے کہا: اے ابوبکر آپ کا کیا نقصان تھا اس بات میں کہ وہ دونوں آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے اندیشہ تھا کہ یہ دونوں آیت پڑھتے اور اس میں تحریف کر دیتے اور وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی۔

ابن سیرین اور حسن سے سنن دارمی میں روایت ہے:

انهما قالا: لا تجالسوا اصحاب الاهواء، ولا تجادلوهم، ولا تسمعوا منهم

(سنن دارمی، جلد اول، باب اجتناب اهل الأهواء والبدع والخصومة)

یعنی ان دونوں نے فرمایا کہ عقیدے میں خرابی والوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے جدال کرو اور نہ ان کی بات سنو۔

اور ایسے لوگوں کے ساتھ جن کے عقیدے میں خرابی ہے ملنا جلنا اور بیٹھنا بھی جائز نہیں ہے۔ مسلم شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ جن کے عقیدے خراب ہیں:

فایاکم وایاهم لایضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ١٠، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تم اپنے آپ کو ان سے جدا رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو ایسا نہ ہو وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور فتنوں میں ڈال دیں۔

ایسے لوگوں کے مدارس کی امداد کرنا، ان کے غلط عقیدوں کی اشاعت میں مدد کرنا ہے۔ اس لیے کسی طرح ان کے مدارس کی امداد جائز نہیں اور ان کے مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

ولا یجوز صرفها لاهل البدع

(درمختار، جلد دوم، صفحہ: ٤٥، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جن لوگوں کے عقیدے میں خرابی ہو ان پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

وہابی استاد رکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کیا اہل سنت وجماعت کے کسی مدرسہ تعلیم القرآن میں وہابی دیوبندی مسلک کے استاد کو مکمل اختیارات دے کر صدر مدرس رکھنا جائز ہے؟ جب کہ اپنے مسلک کا مدرس مل

سکتا ہے۔ پھر اپنے بچوں کو وہابی یا دیوبندی استاد سے تعلیم دلوانا کہاں تک جائز ہے ؟
مفصل جواب تحریر فرمائیں۔ جناب عالی کی نوازش ہوگی۔

سائل : جمال خاں ، خاموش کالونی ، کراچی

الجواب :-

جس کے عقیدے میں کچھ خرابی ہے اس سے بچوں کو تعلیم دلانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ استاد کی صحبت کا بچوں پر اثر پڑتا ہے اور وہ خالی الذہن بچوں کو اپنے عقائد بتا کر گمراہ کرے گا۔ حدیث میں ایسے لوگوں کے پاس جن کے عقائد خراب ہوں بیٹھنے کو بھی منع کیا گیا ہے :

فایّاکم وایّاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف ، جلد اول ، صفحہ : ١٠ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

تم اپنے آپ کو ان سے جدا رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردیں اور فتنوں میں ڈال دیں۔

لہٰذا ایسے مدرس کو ہٹا کر صحیح العقیدہ سنّی مدرس کا انتظام کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دیوبندیوں کو سلام کرنا اور ان سے تعلقات رکھنا

الاستفتاء :-

(١) اگر کوئی دیوبندی سلام کرے تو اس کا جواب دینا چاہیے یا نہیں ؟ اگر دیا جائے تو کس طرح دیا جائے ؟
(٢) دیوبندیوں کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں ؟
(٣) دیوبندیوں سے تعلقات رکھنے چاہئیں یا نہیں ؟

سائل : محمد فاروق ، کاغذی بازار ، کراچی

الجواب :-

دیوبندی ، قادیانی ، شیعہ اور غیر مقلد وغیرہ جتنے گمراہ فرقے ہیں ان سب سے تعلقات رکھنا اور سلام کرنا منع ہے۔ حدیث شریف میں ان بدمذہب فرقوں کے متعلق فرمایا گیا :

ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم

(ابن ماجہ ، الحدیث الاخر من "باب فی القدر")

اگر یہ (گمراہ لوگ) بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمار داری بھی نہ کرو ، اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں

بھی نہ جاؤ اور اگر تم سے ملیں تو ان کو سلام بھی نہ کرو۔

نیز ابوداؤد شریف میں ہے:

لا تجالسوا اہل القدر ولا تفاتحوہم

(ابو داؤد، حصہ دوم، ابواب شرح السنۃ، باب فی القدر)

یعنی قدریہ کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے سلام و کلام کرو۔

لہذا ان فرقوں کے ساتھ یہ تمام معاملات ممنوع ہیں جن کا حدیث شریف میں تذکرہ ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے آکر یہ کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے آپ نے فرمایا:

بلغنی انہ قد احدث، فان کان احدث فلا تقرأ علیہ السلام

(سنن دارمی، جلد اول، صفحہ: ۱۲۰، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی میں نے سنا ہے اس نے نیا عقیدہ اختیار کر لیا ہے اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس سے میرا سلام نہ کہنا۔

ایسے لوگوں کے بارے میں ایک اور حدیث شریف میں ہے:

فایاکم وایاہم لایضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تم اپنے آپ کو ان سے جدا رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردیں اور فتنوں میں ڈال دیں۔

ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے اور ان کو دور کرنے کی وجہ اسی حدیث شریف میں بیان فرما دی:

یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اباؤکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی آخر زمانہ میں دھوکہ باز اور جھوٹے لوگ ہوں گے اور ایسی باتیں سنائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔

اور ہر منصف مزاج یہ دیکھ سکتا ہے کہ نجدیوں اور دیوبندیوں نے اپنی کتابوں میں جو باتیں لکھی ہیں وہ ان سے پہلے کسی نے نہیں لکھی تھیں۔ اور نہ مسلمانوں اور نہ ان کے آباء و اجداد نے وہ باتیں سنی تھیں۔ آج بھی کتاب التوحید، صراط مستقیم، تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرھا کتابوں میں وہ گستاخانہ عبارات موجود ہیں جو اب بھی چھپ رہی ہیں ان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ لہذا جو دیوبندی ان عبارات کو جانتے ہیں پھر بھی ان کے لکھنے والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں وہ علمائے اہلسنت اور علماء حرمین کے فتویٰ "حسام الحرمین" کے مطابق انہی جیسے ہیں جیسے لکھنے والے۔ تو جو مسلمان ہی نہیں، اسے سلام کرنے کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ عام دیوبندی جنھیں ان عبارات کا علم نہیں اور صرف اتنا جانتے ہیں کہ اہل سنت اور دیوبندیوں میں میلاد و فاتحہ وغیرہ کا اختلاف ہے۔ ان لوگوں پر وہ حکم نہیں ہے جو ایسی عبارات لکھنے والوں پر ہے، یہ گمراہ ہیں، انھیں سلام کرنا مکروہ ہے۔

کافرہ عورت کو عزت دینا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب میں انڈیا کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو مدعو کیا گیا، مختلف قسم کے القابات سے نوازا گیا اور مسند عزت پر بٹھایا۔ ایک ہندو عورت کا کسی خالص دینی اجلاس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے بلایا جانا اور پھر عزت مآب جیسے الفاظ ایک مشرکہ عورت کے لیے ادا کرنا اور خاص علماء اور عوام اسلام کے درمیان ایک مشرکہ اجنبی عورت کو جانِ محفل بنانا اور علماء کا نامحرم مشرکہ کا بے پردہ نظارہ کرنا، از روئے شرع شریف جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا و توجروا۔

فقط والسلام: محمد صدیق، بکرا منڈی، حیدر آباد سندھ

الجواب:-

قرآن کریم میں مشرک کو نجس فرمایا اور مشرکین و یہود کو مسلمانوں کا سخت دشمن بیان فرمایا اور بیان فرمایا کہ تمہاری دشمنی مشرکین کے منہ سے ظاہر ہوگی اور ان کے سینوں میں جو دشمنی چھپی ہوئی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو سختی سے قرآن کریم میں مشرکین کو دوست بنانے اور راز داں بنانے سے منع فرمایا گیا اور یہ فرمایا:

ومن یتولھم منکم فانہ منھم

(سورۃ(۵) المائدۃ، آیت: ۵۱)

اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے۔
یہ احکام قرآن کریم میں ہیں۔ مگر
دیوبندی تو ہمیشہ ہندوؤں کو دوست بناتے رہے اور گاندھی کی لنگوٹی سے چپٹے رہے۔
جواہر لعل نہرو کے باپ موتی لعل نہرو کو دھلی کی جامع مسجد کے ممبر پر بٹھایا۔
ہندوؤں کی دوستی میں گائے کی قربانی چھوڑ دینے کا فتویٰ دیا۔
پاکستان کی مخالفت میں مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس کا ساتھ دیا۔

وطن پر قومیت کا دار و مدار رکھ کر ہندو مسلم کو ایک قوم قرار دے کر پاکستان کی تھیوری اور دو قومی نظریہ کو رد کیا۔

اسی لیے صدر دیوبند حسین احمد مدنی پوری کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ۔ ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست
بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ اونہ رسیدی تمام بو لہبی ست

(ارمغانِ حجاز، صفحہ: ۴۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز)

انہی علماء دیوبند نے نہرو کے مرنے پر اس کے لیے قرآن خوانی کی۔ اس وقت کے ہندوستانی اخبارات نے اس کو شائع کیا۔ جب دیوبندیوں کا مشرکین کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پہلے سے ہی اس درجہ گہرا ہے تو انہوں نے اندرا گاندھی کو بلایا تو تعجب کی کیا بات ہے؟ اس کے بلانے سے کتنے محرمات کا ارتکاب کیا اس میں سے چند یہ ہیں۔

مشرک سے دوستی۔
مشرک کو اعزاز دینا۔
اجنبی عورت کی طرف نظر کرنا۔
اس کی آواز سننا۔
دینی ادارے میں علماء کے مقابلے میں مشرکہ کو فوقیت دے کر دینِ اسلام کی سخت توہین کرنا۔

حدیث میں فرمایا:

من تواضع لغنی لاجل غناہ ذھب ثلثا دینہ

(البیہقی فی شعب الایمان بحوالہ علامہ سخاوی، المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر: ۱۱۰۲
العلمیہ، بیروت)

جس نے کسی مالدار کی تعظیم مالداری کی وجہ سے کی تو اس کا دو تہائی دین چلا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ "نجد" سے ایک شیطانی گروہ نکلے گا اور اس کی علامتیں بیان فرمائیں۔ ان علامتوں میں ایک یہ بھی بیان فرمائی گئی۔

یقتلون اھل الاسلام و یدعون اھل الاوثان

(ابو داؤد، حصہ دوم، ابواب شرح السنۃ، باب فی قتل الخوارج)

یہ لوگ اھل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

نجد سے چلنے والے اس گروہ کے بانی محمد ابن عبدالوہاب کے متبعین کو "وہابی" کہا جاتا ہے۔ یہ بات خود علماء دیوبند کے مایہ ناز عالم رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاوی رشیدیہ میں لکھی ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ:

وھابیوں کے اور ہمارے عقیدے ایک ہیں اور وہ اچھے لوگ ہیں۔

(فتاوٰی رشیدیہ، صفحہ: ٢٦٦، علمی کتاب گھر، کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ یہ علامت دیوبندیوں میں پائی جاتی ہے کہ ان کے کفر و شرک کے سارے فتوے اہل سنت پر جاری ہوتے رہے اور کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوستی کرتے رہے۔ اسی طرح پاکستان کی مخالفت میں گاندھی اور نہرو کا ساتھ دیا اور مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ اور وہ اپنے اسی رویہ پر اب بھی قائم ہیں تو اگر اب اندرا گاندھی کو بلاتے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

ہاں مسلمانوں کے لیے ان واقعات میں بہت کچھ عبرت ہے کہ وہ دوست اور دشمن کو پہچانیں اور حق اور باطل میں امتیاز کریں۔ دیوبندیوں نے نجدیوں / وہابیوں کے عقائد کو عمدہ بتایا جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے اور ان کے اعتقادات بھی وہی ہیں جو نجدیوں کے ہیں۔ اور علامہ شامی نے اپنے فتاوی میں نجدیوں کے متعلق یہ لکھا:

كما وقع في زماننا في اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين وكانو ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة و قتل علمائهم

(شامی، جلد سوم، صفحہ: ٣٣٩، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبد الوہاب کے ان متبعین کی عادت ہے جو نجد سے نکلے اور حرمین پر زبردستی غالب آگئے اور حیلے بازی کے لیے مذہب حنبلی کی بات کہتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کرے وہ مشرک ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے عوام اہل سنت اور علماء اہل سنت کے قتل کو جائز قرار دیا ہے۔

تبلیغی جماعت کا اصل روپ

الاستفتاء:-

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

محترم قبلہ مفتی صاحب!

السلام علیکم

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو تبلیغی جماعت کا ممبر بتایا۔ بات چیت اور بظاہر اعمال سے تو ٹھیک ٹھاک لگ رہے تھے۔ مگر میرے دل میں کچھ شک

گزرا ، کیونکہ آج کل معاشرہ خراب ہے اور کسی پر بھروسہ کرنا مشکل ہے ۔ برائے مہربانی قرآن مجید فرقان حمید کی روشنی میں اس تبلیغی جماعت کے بارے میں حقائق سے نوازیں ۔ کیونکہ صرف ایک مرتبہ کی ملاقات سے انہوں نے مجھے اپنے سالانہ اجتماع (جو لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ہوتا ہے) کے لیے تیار کر لیا ، جو ٦ نومبر١٩٨٦ء سے شروع ہو رہا ہے ۔ ان کے بارے میں تفصیل سے جواب عنایت کیجئے ، عین نوازش ہوگی ۔

والسلام : طالب دعا و جواب : اعجاز احمد

الجواب:-

تبلیغی جماعت دراصل وہابی جماعت ہے ۔ جب دیوبندی لوگ وہابیت کی وجہ سے بدنام ہو گئے تو انہوں نے تبلیغی جماعت کے نام سے وہابیت پھیلانے کے لیے یہ جماعت بنائی۔ اس جماعت کے بانی الیاس کاندھلوی ہیں۔ انہوں نے خود اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ :

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے ۔ بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو ۔

(ملفوظات شاہ محمد الیاس ، صفحہ : ٥٠ ، مطبوعہ ، دارالاشاعت ، کراچی)

اور یہ بھی لکھا کہ ابوالحسین ندوی یعنی موجودہ امیر تبلیغی جماعت نے ایک خط الیاس صاحب کو لکھا تھا اس میں لکھا تھا کہ اس وقت صرف دو گروہ مسلمان ہیں تیسرے گروہ میں کوئی مسلمان نہیں ہے ۔ یعنی تبلیغی جماعت اور اس کے مددگار ۔ یہ خط جب الیاس صاحب کو سنایا گیا تو انہوں نے کہا ابوالحسین نے جو سمجھا ہے ٹھیک ہی سمجھا ہے ۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ الیاس صاحب بانی تبلیغی جماعت اور موجودہ امیر ابوالحسین کے نزدیک تبلیغی جماعت اور اس کے مددگاروں کے سوا دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے اصولوں میں کلمہ پڑھانا لکھا ہے تاکہ کافروں کو مسلمان بنایا جائے ۔ لہٰذا اس کا مقصد یہی ہے کہ پہلے سنّی مسلمانوں کو کلمہ پڑھایا جائے اس کے بعد انہیں وہابی بنا دیا جائے ۔ ان کی مجالس میں دیوبندی علماء کی جھوٹی تعریفات کر کے سیدھے سادھے مسلمانوں کو ان کا عقیدت مند بنایا جائے ۔ پھر وہ دیوبندیوں کی کتابیں پڑھا کر کٹر وہابی بنا دیئے جاتے ہیں ۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا اور ان کا وعظ سننا حرام ہے ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین

(سورۃ (٦) الانعام ، آیت : ٦٨)

یعنی نصیحت آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو ۔

اس آیت کے تحت تفسیرات احمدیہ میں عالمگیر کے استاد ملا احمد جیون تحریر فرماتے ہیں :

ان القوم الظالمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع

بے شک قوم ظالم میں بدعتی، فاسق اور کافر وغیرہ شامل ہیں، ان سب کے ساتھ بیٹھنا ممنوع ہے۔

سنن دارمی میں علامہ ابن سیرین کا واقعہ منقول ہے:

دخل رجلان من اصحاب الاھواء علی ابن سیرین فقالا یا ابابکر نحدثک بحدیث؟ قال: لا۔ قالا: فنقرأ علیک آیۃ من کتاب اللہ؟ قال: لا، لتقومان عنی او لاقومن قال فخرجا، فقال بعض القوم یا ابابکر، ماکان علیک ان یقرآ علیک آیۃ من کتاب اللہ تعالٰی؟ قال: انی خشیت ان یقرا علی آیۃ فیحرفانہا فیقر ذالک فی قلبی

(سنن دارمی، جلد اول، صفحہ: ۱۲۰، باب اجتناب اہل الاھواء والبدع والخصومۃ)

یعنی ابن سیرین کے پاس دو آدمی آئے جن کے عقیدے خراب تھے انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر (ابن سیرین کی کنیت ہے) ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نہیں سنوں گا، دونوں نے کہا کہ ہم آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے ہیں انہوں نے فرمایا: میں نہیں سنوں گا تم دونوں میرے پاس سے چلے جاؤ یا میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ وہ چلے گئے تو بعض لوگوں نے کہا: اے ابوبکر آپ کا کیا نقصان تھا اس بات میں کہ وہ دونوں آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے اندیشہ تھا کہ یہ دونوں آیت پڑھتے اور اس میں تحریف کر دیتے اور وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی۔

مقصد یہ ہوا کہ جس کے عقیدے میں خرابی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی طرف سے اس میں کوئی ایسی بات شامل کر دے جو غلط ہو اور وہ سننے والے کے دل میں بیٹھ جائے، جس سے اس کا ایمان ختم ہو جائے۔ ابن سیرین اجلہ تابعین میں سے ہیں اور وہ خود بہت بڑے عالم تھے، ان کو بہکانا اور گمراہ کرنا آسان نہ تھا اور آنے والے ان کو آیت اور حدیث سنانا چاہتے تھے، مطلب سمجھانا نہیں چاہتے تھے، پھر بھی انہوں نے سننا گوارا نہ کیا۔ آج کل عوام جو عربی سے بھی ناواقف ہیں اور صحیح مذہبی معلومات سے بھی کماحقہ واقف نہیں ہیں۔ بدمذہب انہیں لچھے دار تقریریں سناتے ہیں، جن میں وہ اپنے باطل اعتقادات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ملا دیتے ہیں کہ عوام انہیں بے سوچے سمجھے قبول کر لیتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ آج کل جتنے فرقے اہل سنت کے خلاف ہیں وہ اپنے باطل اعتقادات کو پھیلا رہے ہیں، ان سب کا طریقہ کار یہی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا یا کسی قسم کا میل ملاپ رکھنا جائز نہیں۔ مسلم شریف میں حدیث ہے:

فایاکم و ایاہم لا یضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی اپنے آپ کو ان سے جدا کر لیا اور ان کو اپنے سے دور رکھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہیں فتنوں میں ڈال دیں۔

تبلیغی جماعت کی چلہ کشی

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اسلام میں تبلیغ کس کو کہتے ہیں؟ مجھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھائی تین دن یا چالیس دن کا چلہ کاٹو یا سال بھر تبلیغ کرو، آپ کو روزی ملتی رہے گی۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں تو حلال روزی کمانے کا حکم ہے اب اگر ہم لوگ تبلیغ میں جائیں اور پھر سال بھر کے بعد واپس آئیں تو کیا ایک دن میں اتنے پیسے آ جائیں گے کہ گھر والے بھی سارا سال کھاتے رہیں اور ہم بھی کھاتے رہیں۔ برائے مہربانی جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

سائلین: محمد عارف مکرانی، آدم جی نگر، غازی صلاح الدین روڈ، کراچی

الجواب:-

تبلیغ کا اصل معنیٰ غیر مسلموں تک اسلام پہنچانا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ برائی کرنے والوں کو برائی سے روکا جائے اور اچھائی کو پھیلایا جائے۔ اسے اصطلاحِ شرع میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" یعنی "اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا" کہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت نے تبلیغ کا نام لے کر جو کام کیا اسے نہ تبلیغ کہتے ہیں نہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق ہے، یہ وہابی بنانے والی ایک تحریک ہے۔ تبلیغی جماعت والے نہ کسی سنیما، شراب خانے اور کسی برائی کے اڈے پر جا کر تبلیغ کرتے ہیں بلکہ جو مسجد میں نماز پڑھنے آتا ہے اس کو بٹھاتے ہیں اور اپنے مولویوں کی تعریفیں کر کے عوام کو ان کا معتقد بناتے ہیں اور بیوی بچے چھوڑ کر جانے کے لیے تیار کرتے ہیں، جو بالکل غلط طریقہ ہے۔

احکامِ تبلیغ

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک پیش امام کا کہنا ہے کہ اہلِ سنت و جماعت مسلکِ بریلوی کے یہاں تبلیغ نہیں ہے۔ لہٰذا برائے کرم اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔ نیز درس دینے کا حق کس کو ہے؟ اس کا تعلیمی معیار کیا ہونا چاہیے؟ کیا کوئی شخص کتاب دیکھ کر درس دے سکتا ہے؟

سائل: سید انور اشرفی، اورنگی، کراچی

الجواب:-

اہل سنت وجماعت کے یہاں وہ تبلیغ نہیں ہے جو بدعقیدہ تبلیغی جماعت کرتی ہے۔ بلکہ صحیح معنی میں وہ تبلیغ ہے جس کا حکم قرآن وحدیث میں ہے یعنی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" یعنی اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا۔ یہ تبلیغ واجب ہے اور اسی کا حکم قرآن وحدیث میں ہے۔

درس وہ شخص دے سکتا ہے جو قرآن وحدیث کو سمجھتا ہو، عربی زبان جانتا ہو اور مسائل کو کتابوں سے سمجھ سکتا ہو۔ آجکل اردو زبان میں بھی کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کو دیکھ کر بھی مذہبی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں مگر درس دینے والے میں اتنی صلاحیت ہو کہ جیسا کتاب میں لکھا ہے ویسا ہی بیان کرے، اگر اس میں کوئی آیت یا حدیث آجائے تو اس کی تشریح کر سکے۔ یا کتاب دیکھ کر پڑھ کر سنا سکے تو ایسا شخص درس دے سکتا ہے۔

مودودی کی تفسیر "تفہیم القرآن" کا درس سننا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین اسلام مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ اہلسنت وجماعت صحیح العقیدہ بریلوی مسلمان کے لیے مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن کا درس سننا اور اس کی جماعت یعنی جماعت اسلامی میں شامل ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر ان کی جماعت میں داخل ہونا جائز نہیں تو کن وجوہ پر؟ بینوا وتوجروا

الجواب:-

جواب سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انسانی قلب کا حال حدیث میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

مثل القلب مثل الریشۃ تقلبھا الریاح بفلاۃ۔

(سنن ابن ماجہ، مقدمہ، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی انسانی دل کی مثال اس "پَر" کی طرح ہے جو کسی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اس کو اڑا کر الٹ پلٹ کرتی رہیں۔

اسی لیے کسی کتاب کو پڑھنے سے پہلے یا کسی کے وعظ وتقریر کے سننے سے پہلے یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ کتاب کے مصنف یا مقرر کے نظریات واعتقادات کیسے ہیں؟ اسی لیے مسلم شریف میں ابن سیرین جو اجلہ

تابعین میں سے ہیں ان کا قول نقل کیا گیا :

ان هذا العلم دين فانظروا عن من تأخذون دينكم

(مسلم شریف ، صفحہ : ۱۱ ، قدیمی کتب خانہ ،کراچی)

بے شک یہی علم ، دین ہے بس غور کرلو کس سے اپنا دین حاصل کرتے ہو ۔

انہی ابن سیرین کا عمل سنن دارمی میں نقل کیا ہے :

دخل رجلان من اصحاب الاهواء على ابن سيرين فقالا يا ابابكر نحدثك بحديث ؟ قال : لا ۔ قالا : فنقرأ عليك آية من كتاب الله ؟ قال : لا ، لتقومان عنى او لاقومن قال فخرجا ، فقال بعض القوم يا ابابكر ، ماكان عليك ان يقرأ عليك آية من كتاب الله تعالٰى ؟ قال : انى خشيت ان يقرا على آية فيحرفانها فيقر ذالك فى قلبى

(سنن دارمی ، جلد اول ، صفحہ : ۱۲۰ ، باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومة)

یعنی ابن سیرین کے پاس دو آدمی آئے جن کے عقیدے خراب تھے انہوں نے کہا کہ اے ابوبکر (ابن سیرین کی کنیت ہے) ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نہیں سنوں گا ، دونوں نے کہا کہ ہم آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے ہیں انہوں نے فرمایا : میں نہیں سنوں گا تم دونوں میرے پاس سے چلے جاؤ یا میں اٹھ کر چلا جاتا ہوں ۔ وہ چلے گئے تو بعض لوگوں نے کہا : اے ابوبکر آپ کا کیا نقصان تھا اس بات میں کہ وہ دونوں آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سناتے ۔ آپ نے جواب میں فرمایا : مجھے اندیشہ تھا کہ یہ دونوں آیت پڑھتے اور اس میں تحریف کردیتے اور وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی ۔

مقصد یہ ہوا جس کے عقیدے میں خرابی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ، ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی ایسی بات وعظ و تقریر کرتے ہوئے یا کوئی کتاب لکھتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں شامل کردے جو غلط ہو اور سننے والے کے دل میں بیٹھ جائے ۔ جس سے اس کا ایمان ختم ہوجائے ۔ ابن سیرین اجلہ تابعین میں سے ہیں اور خود بہت بڑے عالم ہیں ان کو بہکانا اور گمراہ کرنا آسان نہ تھا اور آنے والے ان کو آیت اور حدیث سنانا چاہتے تھے ، مطلب سمجھانا نہیں چاہتے تھے ، پھر بھی انہوں نے سننا گوارہ نہ کیا ۔ آج کل کے عوام جو عربی زبان سے بھی ناواقف اور صحیح مذہبی معلومات سے بھی کماحقہ آگاہ نہیں ہیں ، ان کو کتابیں لکھ کر اور لچھے دار تقریریں سنا کر جن میں اپنے اعتقادات کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ ملادیا جاتا ہے جن کو عوام بے سمجھے قبول کرلیتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں ۔ آج کل جتنے فرقے اہل حق کے خلاف اپنے مذہب و اعتقادات کو پھیلا رہے ہیں ان سب کا طریقہ کار یہی ہے ۔

اب مودودی صاحب کے نظریات سنیئے ، اس کے بعد ان کی کتابیں پڑھنے اور سننے کے متعلق غور کیجئے ۔

مودودی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص تنقید سے مبرا نہیں ، اسی لیے

انہوں نے صحابہ کرام پر تنقیدیں کی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ٹھہرا کر خلافت کا نااہل قرار دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روح جہاد سے ناآشنا قرار دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم کے اقوال و افعال کو دلیل ماننے سے انکار کیا، امام غزالی رحمہ اللہ کی "مجددیت" میں خامیاں بیان کیں، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا کہ انہوں نے قوم کو تصوف کی تعلیم دی جس سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے تھا۔

اس کے علاوہ خود اپنے متعلق لکھا کہ میں حنفیت کا پابند ہوں نہ شافعیت کا جو حق جانتا ہوں اسے لے لیتا ہوں اور ایک جگہ لکھا میرے نزدیک پڑھے لکھے آدمی کے لیے تقلید ناجائز بلکہ گناہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب جو یہ کہتے رہے کہ ہمارا کسی فرقہ سے تعلق نہیں ہے۔ ہماری جماعت میں ہر مسلک کے لوگ ہیں، یہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ ورنہ ان کا مسلک یہ ہے جو مودودی صاحب نے رسائل و مسائل میں بیان کیا ہے۔ ان سے سوال کیا گیا تھا کہ علمائے بریلوی اور علمائے دیوبند میں سے کون حق پر ہے؟ انہوں نے جواب دیا: علماء دیوبند حق پر ہیں، علماء بریلوی نے زیادتی کی ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے دیوبندی ہونے کا اقرار کرلیا۔

مگر جب علمائے دیوبند سے اختلاف ہوا اور حسین احمد مدنی دیوبندی نے اپنی جماعت کے ساتھ مل کر مودودی پر کفر کا حکم لگایا تو مودودی نے کہا کہ میں علمائے دیوبند کے ساتھ بہت حسن ظن رکھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا مقام بریلی کے کافر ساز علماء سے بلند و بالا نہیں ہے۔

مودودی کے نظریات کے متعلق مختصراً اتنا جان لینے کے بعد علامہ ابن سیرین کے عمل کو اپنے ذہن میں رکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ایسے بے باک اور گمراہ شخص کی کتب کو پڑھنا، سننا یا ایسی جماعت کے ساتھ رہنا، جس کا مقصد ہی مودودی کو کم از کم امام مہدی بنا کر عوام میں روشناس کرانا ہے۔ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اور ایسا لٹریچر پڑھ کر ایمان کو محفوظ رکھنے کی کیا صورت ہے؟

خاص طور پر "تفہیم القرآن" کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قرآن کی تفسیر ہے یا مودودی صاحب کے خیالات کا مجموعہ۔ خود مودودی صاحب نے تفہیم القرآن کے دیباچہ صفحہ 10 پر لکھا ہے کہ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل میں پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔

ہر ذی عقل یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسا لیڈر جس نے اسکول کے نصاب کی چند عربی کتابیں پڑھ لی ہوں اور جسے عربی بولنا بھی نہ آتی ہو، اس کی شہادت مدینہ یونیورسٹی کی مجلس مشاورت میں شریک ہو کر اردو میں مشورہ دینا ہے۔ جس کا بیان شبیر احمد عثمانی نے پاکستان میں یہ اعلان کر کے کر دیا کہ وہاں تاثر یہ تھا کہ عربی یونیورسٹی میں مشورہ کے لیے ایسے آدمی کو شریک کیا گیا ہے جو نہ عربی بول سکتا ہے اور نہ ہی عربی سمجھ سکتا ہے۔ تو جس کی عربی زبان کے بارے میں یہ استعداد ہو وہ قرآن پڑھ کر اپنے تاثرات کو جمع کر دے۔ اس کو تفسیر کا نام دینا ہی غلط ہے۔

بلکہ ایسے شخص کا حکم تو وہ ہے جو حدیث میں فرمایا۔ ترمذی میں ہے :

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن کے بارے میں بغیر علم کے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا :

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار

یعنی جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

اور ترمذی ہی میں ایک اور حدیث ہے :

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء

(ترمذی ، جلد ثانی ، ابواب تفسیر القران ، باب ما جاء فی الذی یفسّر القرآن برأیہ) یعنی جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں کچھ کہا اتفاقاً وہ صحیح بھی ہو تو یہ کہنے والا شریعت میں خطا کار ہے۔

ان احادیث کی شرح میں مرقات شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا :

من قال فی القرآن برأیہ ای من تکلم أی فی معناہ أو قراء تہ أی من تلقاء نفسہ من غیر تتبع أقوال الأئمۃ من أھل اللغۃ والعربیۃ المطابقۃ للقواعد الشرعیۃ بل بحسب ما یقتضیہ عقلہ و ھو مما یتوقف علی النقل

(جلد اول ، بیان تفسیر القران بالرأی)

یعنی من قال برایہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا قرأت کے بارے میں جو شخص اپنی جانب سے کچھ کہے ، بغیر اس کے کہ وہ اہل لغت اور عربیت کے ماہرین کے اقوال قواعد شرعیہ کے مطابق ہوں تلاش کرنا ، بلکہ اس کی عقل نے جو چاہا وہ کہہ دیا حالانکہ قرآن کے معنی کا سمجھنا نقل پر موقوف ہے۔

خود قرآن کریم ان لوگوں میں نازل ہوا جن کی مادری زبان عربی تھی اور عربیت پر انہیں عبور حاصل تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا :

یعلمھم الکتاب

(سورۃ (۲) البقرۃ ، آیت : ۱۲۹)

یعنی نبی کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کو کتاب سکھائیں گے۔

مودودی نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ صرف اپنے خیالات کے مجموعے تفہیم القرآن کو پڑھنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو یہ مشورہ دیا کہ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا اچھی بات تو ضرور ہے۔ لیکن تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے ہرگز نہیں۔ بہر حال مودودی لٹریچر ایسے گمراہ کن مواد سے بھرا ہوا ہے ، جس کو پڑھنے کے بعد ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جماعت اسلامی کے لوگوں کے ذہن پہ یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ مودودی جیسا مفکرِ اسلام

دوسرا کوئی نہیں ہے۔ اسی عقیدت نے انہیں جماعت اسلامی کی کتابوں میں کسی قسم کی برائی نظر آنے سے روک رکھا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس شخص کا لٹریچر شہادت دیتا ہے اور جس کا نظریہ ہی یہ تھا کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کی ذات تنقید سے مبرّا نہیں ہے، اس کے ماننے والے مودودی کو تنقید سے مبرّا و ماورا سمجھتے ہیں، انہیں خود مودودی کی کتابوں میں کوئی غلطی نظر آتی ہے نہ وہ غلطی کی نشاندھی سننے کو تیار ہیں۔

ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسی مجالس میں شرکت نہ کریں جہاں تفہیم القرآن کا درس دیا جاتا ہے یا جماعت اسلامی کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس جماعت کے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست، میل و محبت ترک کر دیں۔ اور ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں جن سے بچنے کا قرآن و حدیث میں واضح حکم آیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا:

لا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین

(سورۃ (٦) الانعام، آیت: ٦٨)

یعنی نصیحت آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔

اسی طرح حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

فایّاکم وایّاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم

(مسلم شریف، جلد اول، صفحہ: ١٠، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تم اپنے آپ کو ان سے جدا رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کردیں اور فتنوں میں ڈال دیں۔

پروفیسر طاہر القادری

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
دارالعلوم امجدیہ، کراچی

مندرجہ ذیل کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں:

ایک شخص نے خواب دیکھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم اگر پاکستان میں میرے میزبان بن جاؤ تو میں پاکستان میں کچھ دنوں کے لیے رک سکتا ہوں۔ اس شخص نے ایک رسالے میں یہی خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکستان میں مجھے اپنا مستقل میزبان مقرر کر دیا ہے۔

اس جملے پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور اس جملے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی

بتاتے ہیں۔ لہذا آپ سے استدعا ہے کہ شریعت کی رو سے فتویٰ صادر فرمائیں کہ کیا شخص مذکورہ بالا کسی شرعی جرم کا مرتکب ہوا ہے یا نہیں؟

سائل: سب انسپکٹر سید قبا بادشاہ، تھانہ آرام باغ، کراچی

الجواب:-

طاہر القادری کا یہ خواب نوائے وقت لاہور میں چھپا، اس کے علاوہ دیگر مختلف رسائل نے اور خصوصاً "تکبیر" نے تفصیل سے چھاپا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواب انسان کے اختیار میں نہیں اور انسان خواب میں عجیب و غریب امور بھی دیکھتا ہے۔ مگر کسی خواب کو اپنی فضیلت کے لیے چھاپنا اور بیان کرنا یہ انسان کا اختیاری فعل ہے۔ لہذا طاہر القادری کا خواب بیان کرنا اور یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکستان میں مجھے مستقل اپنا میزبان مقرر کر دیا ہے اس کے علاوہ بھی اس خواب کی بہت سی باتیں بیان کیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہونے اور طاہر القادری سے مدد طلب کرنے، ٹھہرانے، کھانے پینے کا انتظام کرنے اور واپسی کے ٹکٹ کا انتظام کرنے کا بھی مطالبہ ہے۔ ان سب باتوں سے ایک امتی کے مقابلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محتاجی کا اظہار ہوتا ہے۔ لہذا یہ توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور توہین کرنے والوں کی جو سزا ہے طاہر القادری اُسی سزا کا مستحق ہے۔

الاستفتاء:-

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین! دام ظلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا! آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں امید ہے جلد ہی جواب عنایت فرمائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ تین ماہ سے رسالہ "رضائے مصطفیٰ" (جسے حضرت علامہ ابو داؤد محمد صادق صاحب "گوجرانوالہ" شہر سے شائع کرتے ہیں) ہمارے ملک میں پروان چڑھتے ہوئے مبلغ "پروفیسر طاہر القادری صاحب" کے خلاف لکھ رہا ہے اور اس میں یہ نشاندھی کی ہے کہ غلطی سے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں وہ مودودی جیسے عزائم رکھتا ہے نیز اس نے "صلح کلی" والا مسلک بھی اختیار کیا ہوا ہے۔

اب آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ آیا پروفیسر طاہر القادری مسلک اہل سنت و جماعت (بریلوی) سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور ہمیں ان کے بارے میں کیا رائے رکھنی چاہیے؟ رسالہ رضائے مصطفیٰ کے مطابق یہ دیوبندیوں کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں اور ان سے اختلافات کو فروعی گردانتے ہیں۔ تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کافر نہیں سمجھتے اور یہ کہ ان کے نزدیک احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی فروعی مسئلہ ہے۔ کیا یہ شخص "من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر" (جو شخص بد مذہبوں کے کافر ہونے اور ان پر عذاب ہونے میں شک کرے گا تو بے شک وہ خود کافر ہو جائے گا۔) کے تحت آئے گا یا نہیں؟ امید ہے کہ

ہمارے علمائے کرام اس طرف جلد توجہ دیں گے اور اپنے اسلاف کی طرح ، "بلا لومۃ لائم" (کسی ملامت گر کی ملامت سے بے خوف ہو کر) بلا جھجک حق گوئی کا مظاہرہ کریں گے ۔

سائل : محمد عبد الرشید نوری ، یکے از غلامان مفتی اعظم ہند

الجواب :-

پروفیسر طاہر القادری کے متعلق حافظ ابو داؤد محمد صادق صاحب رسالہ "رضائے مصطفیٰ" میں جو کچھ لکھ رہے ہیں ، وہ درست ہے ۔ پروفیسر طاہر القادری کا کہنا یہی ہے کہ یہ اختلافات فروعی ہیں ۔ مورخہ 28 ستمبر 1987ء کے جنگ اخبار میں یہ خبر چھپی ہے کہ انہوں نے ہوٹل میں عورتوں سے خطاب کیا ۔ ایک خاتون نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ اسلام اتحاد کا درس دیتا ہے تو پھر اتنے فرقے کیوں ؟ اس کے جواب میں پروفیسر طاہر القادری نے جواب دیا کہ تمام فرقوں کی بنیاد ایک ہے صرف جدا جدا طریقہ ہے اس لیے اتحاد متاثر نہیں ہوتا ۔ اور انہوں نے اپنے انٹرویو میں پہلے بھی کہا تھا کہ ان کے یہاں دو مدرس دیوبندی ہیں اور ایک شیعہ ہے ۔

لہٰذا اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ ان کے خیال میں اور "ندوہ" والوں کے خیال و اعتقاد میں کیا فرق ہے ؟

الاستفتاء :-

جناب عزت مآب قبلہ مفتی محمد وقار الدین صاحب !
دار العلوم امجدیہ ، کراچی
السلام علیکم

بعد سلام عرض یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید یہ کہتا ہے کہ "پروفیسر طاہر القادری سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کرنے والے مسلمان ہیں ، مجھے طاہر القادری کی اس بات کے علاوہ (کہ دیوبندیوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے) تمام باتوں سے اتفاق ہے اور میں انکے کام سے مطمئن ہوں اور طاہر القادری کو گمراہ یا شیعہ اور بدمذہب کا چاہنے والا نہیں سمجھتا ہوں اور نہ ہی وہ گستاخ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے" ۔ مزید یہ کہ زید نیا چورنگی پر واقع شیخ جواو کے دار العلوم (جو کہ اہل حدیث کا ہے) میں بھی پڑھنے کا مشورہ دیتا ہے ۔ اس مسئلے کے متعلق مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں ۔

(۱) زید اگر کہیں امامت کرائے تو اسکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

(۲) زید میں اور اہلسنت بریلوی مکتبہ فکر میں جو فرق ہے اسے واضح فرما دیں ۔

سائل : عبد الصمد قادری ، دھوراجی کالونی ، کراچی

الجواب :-

اس زمانے میں اسلام کا دعویٰ کرنے والے مختلف گروہ ہیں اور ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ میں عاشق

رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرتا ہے۔

مگر کسی شخص کے اسٹیج پر بیانات سے اسکے عقائد کا پتہ نہیں چلایا جاسکتا، کسی شخص کے عقیدے اور مذہب کا پتہ اسکی تحریروں سے چلتا ہے۔ طاہر القادری بہت زمانے سے اپنے مختلف انٹرویوز میں یہ کہتا رہا ہے کہ شیعہ، دیوبندی، غیر مقلد اور بریلوی چاروں مذاہب میں فروعی اختلافات ہیں۔ ان میں اصولی اختلاف نہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانا، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلیفہ برحق نہ جاننا، ان کی خلافت کا انکار کرنا، قرآن کریم کو بیاض عثمانی سمجھنا۔ یہ تمام باتیں پروفیسر صاحب کی نظر میں فروعی ہیں۔ حالانکہ خلافت ابوبکر کے حق ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور اجماعِ صحابہ کا منکر کافر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانیوالا قرآن کا منکر ہے اور قرآن کو بیاضِ عثمانی کہنے والا بھی کافر ہے۔ طاہر القادری نے اپنے اس عقیدے کی کھل کر تائید کردی ہے۔ منہاج القرآن جو انکا اپنا رسالہ ہے اس کے دسمبر ۱۹۹۰ء کے شمارے میں صفحہ: ۴۴ پر پروفیسر محبوب علی زیدی کا مضمون چھاپا ہے جس میں لکھا ہے:

" موجودہ نازک حالات میں اہل تشیع کو کافر قرار دینے والے اور بھولے بھالے مسلمانوں میں اسکا پروپیگنڈہ کرنیوالے بعض خود پرست انتہا پسند مولوی صاحبان تو ہوسکتے ہیں اہل سنت والجماعت ہرگز نہیں ہوسکتے۔ "

اسکے چند سطر بعد لکھا ہے:

" اس حقیقت باہرہ اور برہان قاطعہ کے باوجود اہل تشیع کو بالمجموع کافر سمجھنا، کہنا یا قرار دینا مطلقاً باطل ہے بالکل اسی نہج پر اگر کوئی فرقہ یا کوئی فرد اہل سنت کو کافر سمجھے کہے یا قرار دے وہ بھی قطعی طور پر باطل ہوگا۔ درحقیقت حنفی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، مالکی، حنبلی، شافعی اور اہلحدیث سب کے سب مسلمان ہیں ان فرقوں میں فروعی اختلافات تو بہر طور موجود ہیں مگر بنیادی اختلاف کوئی نہیں۔ "

دیوبندیوں کی توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل وہ کتابیں جن پر علماء حرمین وشام و مصر نے حکم تکفیر کیا اور یہ لکھا:

من شک فی کفرہ فقد کفر

(حسام الحرمین مع الترجمہ، صفحہ: ۹۴، اشرفی کتب خانہ، اندرون دہلی دروازہ، لاہور)

جو اس میں شک کرے وہ بھی کافر۔

وہ کتابیں ابتک اسی طرح چھپ رہی ہیں۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک یہ بھی فروعی اختلافات ہیں"۔ ان چند مثالوں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ پروفیسر صاحب کا ایک نیا مذہب ہے اور ان کے مذہب کے مطابق ان باطل فرقوں اور اہلسنت میں کوئی فرق نہیں ہے وہ سب کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز بھی جائز سمجھتے ہیں۔

تو زید کا قول اگر ناواقفی کی بناء پر ہے تو اسے سمجھنا چاہیے اور ان کو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے اسلام کا برباد کرنے والا کہنا چاہیے۔ اور اگر جان بوجھ کر کہا ہے تو اسکا بھی وہی حکم ہے جو علماء حرمین نے بیان کیا ہے۔ لہٰذا اسکی امامت باطل وناجائز ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اسکے مشورہ سے ایسے

مدرسہ میں داخلہ نہیں لینا چاہیے۔ جہاں بدعقیدگی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

الاستفتاء:-

قبلہ جناب مفتی محمد وقار الدین صاحب!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ادارہ منہاج القرآن کے بانی پروفیسر طاہر القادری کا پروگرام مسلک اہل سنت کی ترویج و ترقی کے لیے ہے یا نہیں؟ اور جو مولوی، پروفیسر طاہر القادری کے ہم خیال ہیں وہ مسلک اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں؟ طاہر القادری کے ہم خیال مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا، شرعی لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟

سائلین: منتظمین رضا لائبریری، کراچی

الجواب:-

طاہر القادری نے جب یہ کہنا شروع کیا کہ بریلوی، دیوبندی، غیر مقلد اور شیعہ اختلافات فروعی ہیں، اور سب کو مسلمان شمار کیا۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ پاکستان میں نیا "ندوہ" قائم کر رہا ہے۔ اور اس کے نزدیک حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانا بھی فروعی بات ہے اور اس کے نزدیک یہ لوگ مسلمان ہیں۔ اور جن لوگوں کی کتابیں توہین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھری پڑی ہیں، ان کو بھی مسلمان قرار دینا ان کے مزعومہ فروعی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا ایسا شخص سنی کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اب حال ہی میں جن پارٹیوں سے اتحاد کیا ہے اس سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا یہ شخص سنیت کو تباہ کرنے والا ہے۔ اہل سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے ہم خیال اور ہم نوا مولوی و امام، امامت کے لائق نہیں۔ اہلسنت ان سے اپنے تعلق منقطع کر لیں۔

متفرق

عقائد اہلسنت

الاستفتاء:-

مکرم جناب مفتی صاحب !
السلام علیکم

بعد سلام مسنون ۔ گزارش ہے کہ چند مسائل کی وجہ سے میں کافی پریشان ہوں ، برائے مہربانی مندرجہ ذیل سوالات کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیجیے تاکہ میری پریشانی دور ہو :

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کس طرح جاننا چاہیے ؟ کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ رب العزت ہی ہے ۔

(۲) فاتحہ میں کسی بھی چیز کو اس طرح سامنے رکھنا جیسے کہ فرض نماز کی جماعت میں امام کا ہونا ضروری ہے ، کس حدیث سے ثابت ہے ؟ جبکہ فاتحہ ہم تمام نمازوں میں پڑھتے ہیں ۔

(۳) محفل سماع میں آج کل حرام چیزیں شامل ہیں ۔ اسکا سننا جائز ہے یا ناجائز ؟ کیونکہ آج کل کئی جگہ محفل سماع بڑے جوش و خروش کے ساتھ منعقد ہوتی ہے ۔

(۴) مزاروں پر عورتوں کا جانا ، چادر چڑھانا ، مراد مانگنا یا عرس کرانا کیسا ہے ؟

(۵) سلام پڑھنا ، محفل میلاد کرانا ، یا نبی ، یا علی ، یا حسن ، یا حسین اور علی مشکل کشا کہنا کیسا ہے ؟ جبکہ

مشکل کشا صرف خدا کی ذات ہے۔

(۶) جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے والی اذان عموماً ممبر کے سامنے دی جاتی ہے۔ مسجد کے بیرونی دروازے پر جا کر اذان کہنا کیسا ہے؟

(۷) ہر اذان کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اور ہر نماز کی دعا میں آیت درود و سلام "ان اللہ وملئکتہ....." کا پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟ نیز عید کے دن عید کی نماز سے قبل اور گیارھویں کی فاتحہ کرانا کیسا ہے؟ تفصیل سے تحریر کریں۔

(۸) رجب کے ماہ میں کونڈے کرانا، محرم میں تعزیہ نکالنا، بدھی وغیرہ کا دوڑانا، امام حسین کے نام پر بھیک مانگنا، منت کے لیے تعزیہ پر پھول چڑھانا اور جھنڈے نکالنا کیسا ہے؟

ان تمام سوالوں کا قرآن وحدیث سے مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ جب مولانا اشرف علی تھانوی اور احمد رضا بریلوی ایک ہی مدرسہ دار العلوم دیوبند کے فارغ ہیں اور ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں تو پھر اہل سنت اور اہل دیوبند کی فرقہ بندی کیوں ہے؟

ان تمام سوالات کا جواب صاف صاف تحریر کر کے بھجوا دیں۔ مجھے امید ہے کہ مایوس نہیں کریں گے۔

میں نے پہلے بھی ایک خط تحریر کیا تھا مگر جواب سے محروم رہا ہوں۔ اب جواب ضرور تحریر فرمائیے۔ نوازش ہوگی۔

سائل: محمد زبیر ربانی، کورنگی، کراچی

الجواب:-

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "شاہدا" کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی حاضر کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها

(مشکوۃ، صفحہ: ۵۱۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی تو میں نے زمین کے مشارق اور مغارب دیکھ لیے۔

(۲) فاتحہ میں کھانے کو سامنے رکھنا فرض، واجب تو کوئی نہیں کہتا۔ ہاں جائز ہے۔ مسلم شریف میں حدیث ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا تھا:

ثم قال فيه رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم ماشاء اللہ ان يقول

یعنی اس کھانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دعائیہ کلمات کہے، اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا پڑھتے رہے۔

اور اسی حدیث میں آگے جا کر " دعا " کا لفظ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے پر دعا فرمائی۔

(مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ: ۱۷۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(۳) کسی قسم کا باجا شریعت میں جائز نہیں ہے۔ بغیر باجے کے اچھے مضمون کے اشعار پڑھنا و سننا جائز ہے۔

(۴) صحیح مسلک پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کے علاوہ کسی مزار پر عورتوں کا جانا جائز نہیں ہے۔ باقی تمام کام جو سوال میں مذکور ہیں، جائز ہیں۔

(۵) یہ سب الفاظ جائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور انسان کے متعلق بھی فرمایا:

فجعلنٰہ سمیعاً بصیراً

(سورۃ (۷٦) الدھر، آیت: ۰۲)

تو ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

حقیقتاً دینا اور مشکل حل کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور محبوبانِ خدا کی طرف ان فعلوں کی نسبت مجازی ہے۔

(٦) حدیث اور فقہ کی روشنی میں کوئی اذان مسجد میں نہیں دی جا سکتی، لہٰذا جمعہ کی اذان بھی ممبر کے سامنے مسجد سے باہر دینا چاہیے۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، چاروں خلفاء کے زمانے میں بھی یہ طریقہ رہا۔

(حصہ اول، صفحہ: ۱٦۲، مطبوعہ: مکتبہ حقانیہ، ملتان)

عبد الملک کے زمانے میں یہ بدعت ایجاد ہوئی کہ اس اذان کو مسجد کے اندر ممبر کے قریب کر دیا گیا۔

فتح القدیر میں باب جمعہ میں بیان فرمایا:

کرہ الاذان فی المسجد (ملخصاً)

(جلد دوم، صفحہ: ۲۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

(۷) درود شریف ہر وقت جائز ہے۔ اذان سے پہلے ہو یا بعد۔ دعا سے پہلے ہو یا بعد، بلکہ اگر دعا میں درود نہ پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے دعا کے بعد آیت درود پڑھ کر درود و سلام پڑھنا جائز ہے۔

اہل حق کے ہاں فاتحہ مطلقاً جائز ہے۔ گیارھویں کی ہو، اپنے ماں باپ کی ہو یا کسی بزرگ کی، عید سے پہلے ہو یا عید کے بعد۔

(۸) کونڈے کرنا بھی فاتحہ ہی کی طرح ہے۔ باقی تمام کام جو سوال میں مذکور ہیں وہ ناجائز ہیں۔

یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور اشرف علی تھانوی نے ایک

ساتھ پڑھا۔

مزید تفصیل کے لیے اہل سنت کے رسائل کا مطالعہ کریں۔ جن میں یہ اور ان جیسے دیگر تمام مسائل کے جوابات دلائل کے ساتھ لکھے ہوئے۔ کم از کم مولانا مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "جاء الحق" کی جلد اول کا مطالعہ کرنے سے ان تمام سوالوں کے جوابات کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

اسلامی تعلیمات اور جدید مسائل

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) انشورنس کے متعلق اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ جبکہ بہت سے علماء اس کے حق میں ہیں اور بہت سے مخالف۔

(۲) جدید بینکنگ سسٹم کا کیا کیا جائے؟ اس کے بغیر اقتصادی اور کاروباری زندگی کیسے چلائی جائے، اس کے انٹرسٹ کو نفع شمار کیا جائے یا سود؟ یہاں امریکہ میں ہر شخص جس میں مسلمان بھی ہیں، ان کا سارا کاروبار بنک اور انشورنس سے ہے، ساری زندگی سود لینے اور دینے میں گزر جاتی ہے۔

(۳) اسلام میں لاش کا احترام ضروری ہے۔ مگر اب سرجری میں لاشوں کی چیر پھاڑ روز مرہ کا کام ہے۔ طب جدید میں اس سے کیسے احتراز کیا جائے؟ یہاں امریکہ میں انتقال کے بعد فوراً لاش کو ہسپتال لے جایا جاتا ہے جہاں اس کا ایکسرے ہوتا ہے اور انجکشن وغیرہ لگایا جاتا ہے پھر لاش ورثاء کو نہیں بلکہ "جنرل ہوم" کو دی جاتی ہے، وہیں اس کو غسل و کفن دیکر لاش تابوت میں رکھ کر دفن کر دی جاتی ہے۔

(۴) آج کل مریض کے جسم میں خون داخل کیا جاتا ہے، ظاہراً اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ خون حرام ہے۔ کسی کو ہلاکت سے بچانا ہو تو یہ دوسری بات ہے، مگر اب تو یہ طریقہ علاج بن گیا ہے۔ اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ کہ لوگ وصیت کر جاتے ہیں کہ مرتے وقت میری آنکھ کسی ضرورت مند کو لگا دی جائے یا میرا گردہ کسی ضرورت مند کو لگا دیا جائے وغیرہ

(۵) سنیما کو لیجیے، فلموں کے کاروبار میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ فحاشی کا کاروبار ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔ مگر عرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۶) فوٹو کی حیثیت کیا ہے؟ اسے عکس قرار دیا جائے یا مجسمہ سازی میں شمار کیا جائے۔ آج کل فوٹو ایک اہم اور ضروری چیز ہے، لائسنس، پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور ویزا وغیرہ سب میں اس کی ضرورت ہے۔ جرائم کی تفتیش، تلاشِ گمشدہ اور سائنس وغیرہ کی تعلیم میں اس کا استعمال لازمی ہے۔

(۷) جہاز میں دورانِ پرواز سمتِ قبلہ کا تعین کیسے ہو؟ نیز ایک جگہ جہاں سے جہاز اڑا تو وہاں ظہر کا وقت

تھا اور دوسری جگہ جہاں اب پہنچا تو نماز فجر ہو رہی تھی ایسی صورت میں کونسی نماز فرض ہے ظہر یا فجر؟

(۸) لڑکیوں کو ڈاکٹری کی تعلیم دلانا کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو لیڈی ڈاکٹروں کی کمی کو کیسے پورا کیا جائے اور اگر جائز ہے تو تعلیم کے دوران کی قباحتوں سے کیسے بچایا جائے؟

(۹) اسلام میں عورتوں کے لیے پردے کا واضح حکم قرآن میں آیا ہے۔ مگر آج کل یہاں امریکہ میں اسے حائل اور رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر عورتیں تعلیم یافتہ ہونے کے باعث ملازمت کرتی ہیں اور یہاں کی تہذیب و تمدن کو اپنا کر مردوں جیسا لباس پہنتی ہیں، مردوں کے ساتھ دفتروں، کمپنیوں میں کام کرتی ہیں اور پردہ ضروری نہیں سمجھتیں۔

ان تمام مسائل پر روشنی ڈالیں۔

سائل: عبدالصمد، یو۔ ایس۔ اے

الجواب:-

(۱) لائف انشورنس، ایسی کمپنیوں کے ذریعے ناجائز ہے جن میں مسلمان حصہ دار ہوں۔ ایسی کمپنیاں جن میں کسی مسلمان کا حصہ نہ ہو جیسے امریکہ، برطانیہ، روس اور چین وغیرہ کی کمپنیاں ہیں، ان سے انشورنس لینا جائز ہے۔

(۲) صاحب ہدایہ نے ربٰوا کے باب میں حدیث نقل کی:

لا ربٰوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب

(ہدایہ آخرین، صفحہ: ۸٦، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان)

یعنی مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہوتا۔

تو جتنے غیر مسلم ممالک ہیں جہاں اسلامی حکومت نہیں، ان ملکوں میں بینک جو انٹرسٹ کے نام سے دیتے ہیں وہ حقیقتاً سود نہیں ہے اس کا لینا جائز ہے۔ مگر مسلمان کا سود دینا وہاں بھی جائز نہیں ہے۔

(۳) اسلام نے انسانیت کا احترام سکھایا ہے۔ لہٰذا لاش کے ساتھ بھی کوئی ایسا فعل جائز نہیں رکھا جس سے انسانیت کی توہین ہو۔ اب تو ڈاکٹروں کے سکھانے کے لیے پلاسٹک کے اعضاء کا مجسمہ انسانی شکل میں بنا لیا گیا ہے جس سے سرجری سکھائی جاتی ہے اور امریکہ میں بھی ہر لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں کیا جاتا۔ لاوارث لاشوں کا یا ایسی لاشوں کا جن کے متعلق موت کی تحقیق کرنا مقصود ہوتا ہے "پوسٹ مارٹم" کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کی لاش گھر میں نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کو گورنمنٹ کے ایسے محکموں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں ان کو غسل اور کفن وغیرہ دیا جاتا ہے اور پھر خاندان والوں کو دے دی جاتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے مطابق اس کو دفن کرتے ہیں اور جلانے والے جلا دیتے ہیں۔

(۴) قرآن کریم میں خون کو حرام اور ناپاک بیان کیا گیا ہے۔

(سورۃ (۶) الانعام، آیت : ۱۴۵)

اسے حلال سمجھنے والا قرآن کا منکر ہے۔ اس لیے ہم خون دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور حرام قطعی سے علاج کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اس لیے کہ علاج ظنی طریقہ ہے یعنی یقینی علم کا طریقہ نہیں ہے۔ کتنے ہی مریض ہیں جو خون دینے کے بعد بھی مر جاتے ہیں۔ لہٰذا ظنی دلیلوں سے قرآن کے یقینی حکم کو نہیں بدلا جا سکتا۔ لہٰذا دواؤں سے علاج کیا جائے۔ انسانی اعضاء کو کاٹنا نکالنا اور کام میں لگانا انسانیت کی توہین ہے۔ اس کا نتیجہ بھی سامنے آگیا کہ انسانی اعضاء فروخت ہونے لگے اور آئندہ انسانی کھال بھی بکنے لگے گی۔ لہٰذا یہ سب وصیتیں ناجائز ہیں اور حقیقتاً مرنے والے کو ایسی وصیت کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ مرنے کے بعد اسے اپنے جسم پر کوئی حق نہیں رہتا بلکہ لاش کو عزت کے ساتھ دفن کرنا، ورثاء کی ذمہ داری ہے۔

(۵) اگر تعلیم کے لیے یا کچھ عملی طور پر سکھانے کے لیے سنیما سے کام لیا جائے تو جائز ہے۔

(۶) فوٹو حرام ہے۔ بخاری میں حدیث ہے کہ

قیامت کے دن سب سے سخت عذاب مصوروں کو دیا جائے گا۔

(جلد (۲)، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیمۃ)

کچھ لوگ تصویر کو عکس کہہ کر جائز بتاتے ہیں۔ یہ غلط اور دھوکہ ہے۔ اس لیے کہ عکس جس چیز کا ہوتا ہے اس کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا ہے اور اس کے غائب ہو جانے سے غائب ہو جاتا ہے، جیسے کوئی انسان روشنی میں چلتا ہے تو اس کا عکس راستے پر ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جب وہ روشنی کے سامنے سے ہٹ جائے تو عکس ختم ہو جاتا ہے۔ بخاری میں حدیث ہے :

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کپڑے کا تصاویر والا پردہ کھڑکی پر لٹکا دیا تھا جس کی وجہ سے جبریل امین حاضر نہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم (فرشتے) اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر اور کتا ہو۔

(بخاری، جلد دوم، کتاب اللباس، باب لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ)

ظاہر ہے کہ کپڑے پر بنی ہوئی تصویر جسم والے بتوں کی طرح نہیں تھی۔ صرف بنانے کا طریقہ بدل گیا ہے پہلے تصویریں برش سے بنائی جاتی تھیں اب کیمرہ سے بنائی جاتی ہیں اگر بنانے کے طریقہ سے حکم بدل جاتا ہے تو پہلے بت ہتھوڑا چھینی سے کاٹ کر بنائے جاتے تھے اب مشینوں سے تراش کر بنائے جاتے ہیں تو کیا بت بنانے کو بھی جائز کر دیں گے؟ البتہ گورنمنٹ کے قانون کی وجہ سے جہاں فوٹو لگانا ضروری ہے وہاں لگانا جائز ہے۔

(۷) قبلہ کا تعین یا تو قطب نما سے کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ کتاب بھی ساتھ ہو جس میں ہر ملک کا قبلہ بتا دیا گیا ہے اور اگر کتاب نہ ہو تو جہاز والوں سے معلوم کر لیا جائے کہ جہاز کس سمت میں اڑ رہا ہے۔ اور مصلی (نمازی) جس جگہ پر ہوگا وہاں کے وقت کے اعتبار سے نماز ادا کرے گا اس جگہ جس نماز کا وقت ہوگا وہی نماز پڑھے گا اس

میں اس جگہ کی زمین کا اعتبار ہو گا جہاں جہاز اڑ رہا ہے۔

(۸) لڑکیوں کو ڈاکٹری کی تعلیم اس نیت سے دلائی جاسکتی ہے کہ وہ عورتوں کا علاج کریں گی۔ ان کو زنانہ میڈیکل کالجوں میں تعلیم دلائی جائے اور مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچایا جائے۔

(۹) آج کل مردوں اور عورتوں دونوں نے اسلام کے احکام پر عمل چھوڑ دیا اور غیر مسلموں کے طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ اسی لیے مسلمان دنیا بھر میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ ان کی ساری عزتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری سے تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ○

(سورۃ (۳) آل عمران، آیت: ۱۳۹).

اور تم ہی بلند رہو گے اگر تم مومن رہو گے۔

اشیاء خورد و نوش میں حلال و حرام کی تفصیل

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل کھانے پینے کے آداب کے سلسلے میں دریافت طلب ہیں۔ حسبِ ترتیب عبارت کے آگے حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی تحریر فرمادیں۔ آپ کی عین نوازش ہو گی۔

الف:

(۱) اتنا زیادہ کھانا کہ دست یا جگر کی خرابی یا دیگر بیماریاں پیدا ہوں یا جس سے فرض عبادت یا صحت میں کمی آئے (۲) حرام جانور کا گوشت (۳) حرام جانور کو تکبیر کے ساتھ ذبح کرنا (۴) حلال جانور بغیر شرعی ذبح کے کھانا (۵) مرے ہوئے حلال جانور کا گوشت کھانا (۶) ذبح شدہ حلال جانور کا سڑا ہوا گوشت کھانا (۷) جس قدر مٹی سے ضرر پہنچے اسکا کھانا۔

ب:

ذبح شدہ حلال جانور کے جسم کا وہ حصہ یا چیز جو شریعتِ مطہرہ نے حرام، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی قرار دی مثلاً

(۱) پاخانہ (۲) پیشاب (۳،۴) پاخانہ اور پیشاب کے مقام مخصوص (۵،۶) پاخانہ اور پیشاب کی نالیاں

(۷) مطلق منی (۸) کپورے (۹) اوجھڑی (۱۰) پتہ (۱۱) غدود (۱۲) بال (۱۳) کھال (۱۴) پٹھے (۱۵) رگیں (۱۶) جوڑوں کے درمیان کا لعاب (۱۷) حرام مغز (۱۸) حلال جانور کا دل اور کلیجی چھوڑ کر خون (۱۹) مثانہ (۲۰) مطلق ہڈی اور سینگ میں باریک ہڈی کی نسیں جو چھری کو چلنے میں مدد دیتی ہیں (۲۱) ہٹ (۲۲) سنگ دانہ (مرغی کا) (۲۳) سنگ دانے کے اندر کی جھلی جس میں پاخانہ ہوتا ہے (۲۴) آنتیں (۲۵) گردہ (۲۶) ذبح کرتے ہوئے اگر گردن جسم سے جدا ہو جائے (۲۷) مرتد کے ذبح کردہ جانور کا گوشت (۲۸) کافر غیر کتابی کا ذبیحہ، اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا ہو اور (۲۹) تلی۔

نیز حلال جانوروں میں مندرجہ بالا کے علاوہ مزید جو چیزیں حرام، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہوں وہ بھی تحریر فرمائیں۔

ج:

حرام کمائی سے کھانا مثلاً

(۱) شراب بنانے کی اجرت (۲) شراب کی فروخت کی کمائی (۳) سودی اضافی رقم (۴) حرام ذریعوں مثلاً چوری سے حاصل شدہ رقم (۵) ڈاکہ اور زبردستی چھینی ہوئی رقم (۶) جھوٹ بول کر کمائی ہوئی رقم (۷) زنا اور اغلام کی کمائی (۸) کسی مسلمان یا ذمی کافر کا مال مغصوبہ (۹) یتیم، بیوہ یا معذور کا غصب کردہ مال (۱۰) صاحبِ نصاب کیلئے زکوٰۃ کی رقم (۱۱) مسکین سید کے لئے زکوٰۃ کی رقم (۱۲) حلال و جائز چیز رمضان کے روزہ کی حالت میں کھانا پینا جبکہ روزہ یاد بھی ہو اور اضطراری حالت بھی نہ ہو (۱۳) مریض کی جان خطرے میں پڑ جانے کے خوف سے مسلمان و دیندار حکیم یا ڈاکٹر کے روزہ رکھنے سے منع کرنے پر کھانا (۱۴) سونے یا چاندی کے برتن میں کھانا (۱۵) سونے یا چاندی کے چمچے یا خلال یا سرمہ کی سلائی کا استعمال۔

د:

کسی مرد یا عورت کا نشہ آور شئی کھانا یا پینا مثلاً

(۱) شراب (۲) گانجا (۳) بھنگ (۴) چرس (۵) اسپرٹ (۶) مٹی کا تیل (۷) ہیروئن یا اس کی مثل کوئی اور شئی (۸) حکیم یا ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر افیون کھانا (۹) سنکھیا (۱۰) زہر (۱۱) نیلا تھوتھا یا (۱۲) جمال گوٹہ۔

سائل: انیس احمد نوری

الجواب:-

الف:

(۱) اتنا زیادہ کھانا جس سے پیٹ خراب ہو یا دوسری بیماریاں پیدا ہونے کا گمان ہو، حرام ہے اور اتنا کم

کھانا کہ جس کے باعث اس قدر ضعف پیدا ہو کہ کھڑے ہو کر نماز بھی نہ پڑھ سکے، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ اگر اسقدر کمزوری پیدا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (۲) حرام جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ (۳) گوشت پاک ہو جائے گا مگر اس کا کھانا حلال نہیں۔ (۴) حرام ہے۔ (۵) حرام ہے۔ (۶) حرام ہے۔ (۷) ناجائز ہے۔

ب:

(۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷) ناجائز (۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲) مکروہ تحریمی (۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶) جائز (۱۷) مکروہ تحریمی (۱۸) حرام ہے۔ (۱۹) مکروہ تحریمی (۲۰) ہڈی اور اس کا لعاب جائز ہے لیکن اگر اس کا کوئی حصہ مضرِ صحت ہو تو وہ جائز نہیں (۲۱) حرام (۲۲، ۲۳، ۲۴) مکروہ (۲۵) جائز ہے (۲۶) بلاکراہت جائز ہے۔ (۲۷، ۲۸) حرام (۲۹) جائز ہے۔

ج:

(۱ تا ۹) ان تمام صورتوں میں حرام ہے۔ (۱۰، ۱۱) ناجائز ہے (۱۲) حرام ہے (۱۳) جائز ہے ۱۴، ۱۵) حرام ہے۔

د:

(۱ تا ۸) یہ سب حرام ہیں۔ (۹ تا ۱۲) بطور دوا اتنی کم مقدار میں کہ جس سے مرض میں افاقہ ہو، جائز ہے ورنہ نہیں۔

نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:
نماز کے بعد مصافحہ کرنا کہاں سے ثابت ہے؟

سائل: خالد رفیق، طیبر سٹی، کراچی

الجواب:-

مصافحہ مطلقاً مسلمانوں میں سنتِ قدیمہ ہے اور نماز کے بعد بھی مصافحہ کرنا اچھی بات ہے۔ درمختار اور فتاوی شامی میں ہے:

واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقاً ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اي مباحة حسنة كما افاده النووي في اذكاره

(درمختار، جلد: ۵، صفحہ: ۲۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور مصنف کا مطلقاً بیان کرنا، پیروی ہے درر، کنز، وقایہ، نقایہ، مجمع اور ملتقی وغیرہ (مشہور کتب فقہ) کی۔ اس سے مطلق مصافحہ کا جواز ثابت ہو رہا ہے، اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور ان کا قول کہ یہ بدعت ہے یعنی اچھی بدعت ہے۔ جیسا کہ نووی نے اپنی "اذکار" میں بیان کیا۔

علامہ شامی نے اس جگہ فجر اور عصر کا لفظ بڑھایا اور اس کے بعد فرمایا کہ تمام نمازوں کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔

(ملخصاً، جلد: ۵، صفحہ: ۲۷۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

قسمت اور تقدیر کا بیان

الاستفتاء:-

محترم مفتی صاحب!

دار العلوم امجدیہ، عالمگیر روڈ، کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلے کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

عموماً کوئی شخص تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ کامیاب کرتا ہے لیکن بعض دفعہ باوجود کوشش کے بھی انسان منزل مقصود سے محروم رہتا ہے اور آخر کار قسمت اور تقدیر کا معاملہ آ جاتا ہے کہ اس کی قسمت میں تعلیم نہیں تھی وغیرہ۔

براہ کرم قسمت اور تقدیر کی وضاحت کریں کہ کہاں تک انسان کے بس میں ہے اور کہاں تک انسان کے بس سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک طرف جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا۔" اور دوسری جگہ قاتل اور زانی کے لیے قصاص اور کوڑوں کی سزا کا حکم ہے۔ حالانکہ خدائے قدوس نے جیسے اور جس جگہ موت لکھی ہے اسی طریقے اور جگہ پر آئے گی۔ جب تقدیر میں لکھا ہے کہ زید، عمر کے ہاتھ سے مارا جائے گا اور فلاں کا فلاں کے ہاتھ سے نقصان ہو گا۔ تو پھر جزا اور سزا کا کیا معنیٰ اور بہتر تعلیم حاصل کرنے اور بلند مقام پر فائز ہونے کے لیے کوشش کیسی؟ اس کی قسمت میں ہو گی تو مل جائے گی۔

سائل: محمد اکبر

الجواب:-

تقدیر کا معاملہ ایسا ہے کہ اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس میں بحث کرنا اور "کرید" کرنا سخت منع ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو تقدیر میں لکھ دیا ہم وہی کرنے پر مجبور ہو گئے، نہ وہ

لکھتا نہ ہم یہ کام کرتے، یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ تقدیر کا مقصد یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں، اور اس کا علم بھی قدیم ہے، وہ جانتا تھا اور جانتا ہے کہ میں دنیا، اس میں یہ یہ چیزیں اور اتنے انسان پیدا کروں گا، وہ یہ یہ کام کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی چیز ایسی نہیں کہ اللہ کے علم سے باہر ہو۔ "

لہٰذا اپنے اس علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا علم غلط نہیں ہو سکتا جو اس نے جانا صحیح جانا اور انسان وہی کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے۔ اور جو اس نے لکھا ہے اس کا مقصد یہ ہوا کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا اس لیے میں کرتا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ اگر نہ لکھتا جب بھی یہ انسان ایسا ہی کرتا۔ اس کے اعمال کو اس کے کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا تھا۔ لہٰذا انسان نہ اللہ کے علم کی وجہ سے یہ کرتا ہے نہ لکھنے کے وجہ سے۔

اس امر کے سمجھنے کے لیے یہ مثال دی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی ڈاکٹر سے معائنہ کروائے، ڈاکٹر اس کے حالات دیکھ کر یہ بتا دے کہ اس مریض پر آئندہ دل کا دورہ پڑ جائے گا یا فالج گر جائے گا، اس کے کچھ دن بعد جیسا ڈاکٹر نے کہا تھا ویسا ہو گیا تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر نے کہا تھا اس لیے یہ بیماری ہو گئی اگر نہ کہتا تو نہ ہوتی۔ ڈاکٹر کا علم ظنی ہے اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا یہ تو تقدیر کا مفہوم ہوا۔

انسان کو خود یہ معلوم نہیں کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ لہٰذا یہ تقدیر کا مکلف نہیں، بلکہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا مکلف ہے، اسے حکم دیا گیا کہ نیکی کے کام کرو، برائی سے بچو، قتل نہ کرو اور زنا نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ اس نے قتل کیا تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف کیا لہٰذا مجرم ہوا۔ قاتل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہٰذا میری کوئی خطا نہیں۔ اس لیے کہ تمہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ میرے ہاتھ سے فلاں شخص قتل ہو گا۔ لہٰذا اس کے تم مکلف ہی نہ تھے اور جس چیز کے مکلف تھے اس حکم کے خلاف کیا اور یہ جرم ہے۔ انسان کو یہی حکم دیا کہ وہ دنیاوی اسباب کو کام میں لائے، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے اور ممنوعات سے اپنے آپ کو بچائے۔ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھے اور ناکام ہونے کی صورت میں اپنی سعی کی کوتاہی سمجھے اور راضی برضائے الٰہی ہو کر سکوت اختیار کرے۔ یہ نہ کرے کہ تقدیر پر بھروسہ کر کے اسباب کو چھوڑ دے یا اسباب پر عمل کرے اور تقدیر کے متعلق زبان درازی کرے۔

صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اونٹ کو رسی سے باندھ کر اللہ پر توکل کرے یا کھلا چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ کو باندھ دو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

یعنی اسباب کو ترک کر دینا عقل کے خلاف ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

زندگی کیا ہے ؟

الاستفتاء :-

زندگی کیا ہے ؟ کیا یہ جسمانی اور روحانی مشترکہ ہے یا صرف روحانی ۔ جسم کی حقیقت واضح ہے کہ فانی ہے کیونکہ وہ عناصرِ اربعہ سے بنا ہے ۔ جبکہ روح لافانی ہے ۔ ازل میں ارواح پیدائش کے وقت سے زندہ ہیں اور ابد تک زندہ رہیں گی ۔ اگر یہ صحیح ہے تو موت اور قیامت کے دن دوبارہ زندگی یا قبر میں زندگی کا کیا مطلب ہے ؟ عالم برزخ کے متعلق بھی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں ۔

الجواب :-

زندگی جسم میں روح ڈالنے سے ہوتی ہے اور روح کا جسم سے نکل جانا موت ہے ۔ جسم فنا ہو جاتا ہے مگر وہ اجسام جن کو اللہ تعالیٰ حفاظت اور سلامتی عطا فرماتا ہے وہ محفوظ رہتے ہیں ۔ ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق

(سنن ابن ماجہ ، کتاب الجنائز ، باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو خراب کرنا حرام فرما دیا پس اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے ۔

علامہ شامی نے انبیاء کرام کے علاوہ علماء باعمل ، اولیاء کرام ، شہداء ، قرآن پر عمل کرنے والے حفاظ اور اپنے اوقات کو " درود " میں مستغرق رہنے والوں کے متعلق بھی لکھا کہ ان کے اجسام بھی خراب نہیں ہوتے ہیں ۔

روح کے بدن سے نکل جانے کے بعد حشر ہونے تک کے درمیان کا جو زمانہ ہے اس کو " برزخ " کہتے ہیں ۔ اس زمانہ میں " انسان و جن " جس لائق ہیں اس کے اعتبار سے ثواب یا عتاب پاتے ہیں ، برزخ کا تذکرہ قرآن کریم کی سورہ مومنون ، آیت : ۱۰۰ میں موجود ہے ۔ اور دوبارہ زندگی ، روح کو جسم میں ڈالنے سے ہوگی وہ جسم ، اللہ تعالیٰ فنا ہونے والے جسم کے غیر فانی اجزاء اصلیہ سے پیدا فرمائے گا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مخلوق اور گناہ

الاستفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ " جس طرح انسان اور جنات گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں کی سزا پائیں گے اسی طرح جانور بھی گناہ کے مرتکب

ہوتے ہیں اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ " جبکہ عمر یہ کہتا ہے کہ " اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام گناہ ہے اور انسان و جنات کے علاوہ دوسری کسی مخلوق کے لیے کوئی حکم نہیں ہے اور گناہ کرنے کا تعلق چونکہ عقل سے ہوتا ہے اور جانوروں کو تو عقل ہی نہیں۔ تو وہ گناہ کے مرتکب کیسے ہوں گے ؟ "

اب آپ سے درخواست ہے کہ فقہ حنفی کی روشنی میں فیصلہ مرحمت فرمائیں کہ کس کا خیال درست اور شریعت کے مطابق ہے۔

سائل : حامد محمود حامد

الجواب:-

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

(سورۃ (۵۱) الذٰریٰت ، آیت : ۵۶)

اور میں نے جن اور آدمی اپنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن و انسان ہی مکلف ہیں۔ جانور احکام الٰہی کے مکلف نہیں ہیں۔ جو مکلف ہو کر نافرمانی کرے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اور جو مکلف ہی نہ ہو اس سے نافرمانی نہیں۔ لہٰذا وہ سزا کا بھی مستحق نہیں۔ جیسے ناسمجھ بچے، پاگل، اسی طرح جانور نہ مکلف ہیں نہ سزا کے مستحق۔ بعض روایتوں میں صرف اتنا ہے کہ "جانوروں نے ایک دوسرے کو اگر دنیا میں مارا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مارنے والے جانور سے دلا دے گا اور سب جانوروں کو فنا کر دیا جائے گا" یہ مکلف ہونے کی وجہ سے سزا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا اظہار فرمانے کے لیے ایسا کرے گا اور دنیا میں اس کو بیان فرما دیا تاکہ مکلف لوگ عبرت حاصل کریں۔

روزِ قیامت والد یا والدہ کے نام سے پکارے جانے کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قیامت کے دن ماں کے نام سے پکارا جائے گا یا باپ کے نام سے ؟ وضاحت سے جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : معراج الدین

الجواب:-

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ امام بخاری نے بخاری میں ایک باب باندھا جس کا عنوان ہے۔ "یدعی الناس بآبائھم" جس میں حدیث نقل کی:

ان الغادر یرفع لہ لواء یوم القیامۃ یقال ھذہ غدرۃ فلان ابن فلان

(جلد دوم، صفحہ: ۹۱۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی قیامت کے دن دھوکے باز کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کی دھوکہ بازی ہے۔

اور ابوداؤد میں ایک حدیث ہے:

انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء ابائکم فاحسنوا اسمائکم

(حصہ دوم، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسماء)

یعنی قیامت کے دن بلایا جائے گا تمھیں تمھارے ناموں اور تمھارے باپوں کے نام سے۔ لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو۔

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کیا لفظ "سور" بولنے سے زبان ناپاک ہوتی ہے؟

الاستفتاء:-

جناب انچارج شعبہ افتاء، دارالعلوم امجدیہ!

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ میں نے آپ کے دارالعلوم کے بارے میں کافی پڑھا ہے اور بہت شہرت سنی ہے۔ مجھے ایک مسئلے نے بہت پریشان کیا ہوا ہے کیونکہ مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا تھا، لیکن میرے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔ میں نے ایک ایسے دوست سے بھی سوال کیا جو کہ شرعی مسائل کے بارے میں کافی جانتا ہے لیکن اس نے بھی اس کا جواب نہیں دیا۔ البتہ مجھے خط لکھنے کے لیے آپ کا پتہ لکھوا دیا کہ یہاں سے تمھارے سوال کا تسلی بخش جواب مل جائے گا۔

میرا سوال یہ ہے کہ ایک جانور جس کا نام "سور" ہے کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اتنا پلید (نجس) ہے کہ اس کا نام لینے سے بھی زبان پلید ہو جاتی ہے۔ خنزیر اس قدر نجس کیوں ہے؟ مثلاً کتا اس لیے پلید ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اس نے انکار کیا اور حضرت آدم (جو ابھی محض مٹی کا بت تھے) پر تھوکا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے مٹی نکال کر کتا بنا دیا، چونکہ اس کے تھوک کی وجہ سے وہ مٹی پلید ہو گئی تھی، اس لیے کتا پلید ہے اور اس کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ کلمہ شہادت پڑھ

کر دھونے سے پاک ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا جانور کیونکر اتنا پلید ہے کہ اس کا نام لینے سے زبان بھی پلید ہو جاتی ہے۔ مکمل تفصیل کے ساتھ فتویٰ دیکر میری پریشانی دور کریں۔

سائل: اقبال جاوید

الجواب:-

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر

(سورۃ (۵) المائدۃ، آیت: ۳)

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت۔

اس آیت میں خنزیر کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا خنزیر حرام اور نجس ہے۔ اور دیگر حرام جانوروں کی بہ نسبت اس کی نجاست سخت ترین ہے کہ شریعت میں اسے " نجس العین " کہا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی کھال بھی دباغت (پکانے) سے پاک نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

کل اھاب دبغ فقد طھر جازت الصلوۃ فیہ والوضوء منہ الاجلد الخنزیر

(ہدایہ اولین، صفحہ: ۴۰، مکتبۃ شرکۃ علمیۃ، ملتان)

یعنی ہر کھال جسے دباغت (پکایا) کیا گیا پس وہ پاک ہو گئی اور اس پر نماز پڑھنا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے سوائے خنزیر کی کھال کے۔

سوال میں آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ خنزیر کا نام لینے سے زبان ناپاک ہو جاتی ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ لہٰذا یہ غلط ہے۔ احکام شریعت کو قرآن و حدیث سے معلوم کیا جاتا ہے عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔ اس لیے شرعی دلائل ہم نے بیان کر دیئے۔

عقلی دلائل سے صرف مصلحتیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ تمام درندوں اور نجس جانوروں کی حرمت میں مصلحت یہ ہے کہ انسان پر غذاؤں کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اور اس کا مزاج اور عادتیں بھی غذا سے تبدیل ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمیشہ سے یہ انسانی معمول رہا ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے اچھی خصلتوں والی اور شریف عورت کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ لوگ کسی کم ذات اور بد کردار عورت کا دودھ اپنے بچوں کو پلانے سے بچتے تھے، تاکہ بچوں کی عادات واطوار پر اس کی بری خصلتوں کا اثر نہ پڑے۔ درندوں کا گوشت کھانے سے انسان میں درندوں جیسی خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شیر کا گوشت جن لوگوں کو کھلایا گیا ان کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ وہ بہت غضبناک واقع ہوئے ہیں۔

تمام درندوں میں خنزیر سب سے زیادہ نجس، بد خصلت اور بے حیا ہے۔ تقریباً تمام جانوروں کی یہ عادت ہے کہ جس نر سے مادہ حاملہ ہو جاتی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا نر اس مادہ کے پاس نہیں جاتا۔ صرف خنزیر کی یہ عادت ہے کہ اس کی مادہ کے پاس دوسرے خنزیر بھی جاتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانی خصائل کی

حفاظت کے واسطے اس کو حرام کیا اور سخت ترین حکم دیا۔ خنزیر کھانے والی قوموں میں جو سب سے زیادہ بے حیائی پائی جاتی ہے یہ اسی غذا کا اثر ہے۔ کتا بننے کی جو روایت آپ نے لکھی ہے یہ بھی بے بنیاد اور لغو ہے۔ صحیح روایت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

غیر مسلموں کے ساتھ خورد و نوش کا حکم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ مجھے چند مسائل درپیش ہیں، جن کی وجہ سے بہت پریشان ہوں امید کرتا ہوں کہ جوابات دے کر مشکور فرمائیں گے۔

(۱) اہل کتاب عورت کا مسلمان مرد سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس طرح کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہے اور مسلمان اپنے مذہب پر یعنی بغیر مسلمان کیے ہوئے۔ کوئی حوالہ ہو تو دے دیں مہربانی ہوگی۔

(۲) میں K.E.S.C میں ملازم ہوں اور ایک عیسائی کے ماتحت کام کرتا ہوں، ہمارے ڈپارٹمنٹ میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ عیسائی اپنے گھر کھانا کھانے جاتا ہے اور میں اپنے ڈپارٹمنٹ میں کھاتا ہوں۔ میں عیسائی سے اخلاقی طور پر کھانا کھانے کو کہتا ہوں وہ کبھی کبھی ایک دو لقمے میرے ساتھ میرے برتن میں کھالیتا ہے، لوگ مجھے منع کرتے ہیں کہ عیسائی کو کھانا نہیں کھلایا کرو۔ کیا مجھے عیسائی کو کھانے کے لیے نہیں پوچھنا چاہیے، کیا میرا یہ عمل غلط ہے؟

سائل: امتیاز الدین خان

الجواب:-

(۱) اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے۔ اس کا ثبوت خود قرآن وحدیث سے ہے۔ مگر آج کل کے عیسائی و یہودی اپنے مذہب پر نہیں ہیں بلکہ ان کی اکثریت دین سے بیزار ہے۔ لہذا ان سے نکاح باطل ہے۔

(۲) یہ اخلاق مسلمانوں کے ساتھ برتنا چاہیے، غیر مسلموں سے نہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ کھانا پینا اور تعلقات رکھنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وہ مسلمان جو ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں ان کی رہائش بھی ایک جگہ ہے اور کھانے پکانے کا انتظام بھی ایک ساتھ ہے۔ کھانا کبھی ہندو اور کبھی مسلمان تیار کرتے ہیں تو اس صورت میں مسلمانوں کا ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں ایک ساتھ کھانا کیسا ہے ؟

سائل: میاں سید علی معرفت ظاہر خاں، الخطر کتب برید طائف، سعودی عرب

الجواب:-

مسلمان کو کسی غیر مسلم کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلقات رکھنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک ساتھ کھانا پکانا اور محبت کے تعلقات قائم رکھنا جائز نہیں۔ اگر غیر مسلم کھانا وغیرہ فروخت کرتا ہے تو اس سے وہ چیزیں خرید کر کھانا جائز ہیں جن میں گوشت کی ملاوٹ نہ ہو گوشت غیر مسلم کا پکایا ہوا مسلمان خرید کر بھی نہیں کھا سکتا۔ لہٰذا سب لوگ جب ایک مکان میں رہتے ہیں تو مسلمانوں کو اپنے کھانے پینے کا انتظام علیحدہ کرنا چاہیے۔

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اہل کتاب کے ساتھ نکاح یا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ان کے ساتھ کھانا پینا یا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:-

اہل کتاب جب وہ کتب سماوی کے ماننے والے رہیں اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہوں، جب بھی مسلمان مرد، کتابیہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ مسلمان عورت کا کتابی مرد سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کو کافر بھی بتایا گیا اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال بتایا گیا اور اہل کتاب کے کھانے کو بھی حلال بتایا گیا مگر دوستی کرنا اور دوستی کی دعوتیں کھانا منع ہے اور کھانے میں بھی یہ شرط ہے کہ حلال کھانا ہو، ان کا مردار گوشت یا خنزیر مسلمان کے لیے ہر صورت حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غیر صحابی کے ساتھ " رضی اللہ عنہ " لگانے کا حکم

الاستفتاء:-

صحابہ کرام کے علاوہ کسی اور کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو قرآن مجید یا حدیث شریف کے حوالے سے آگاہ کریں۔

سائل: ولی محمد، خورشید احمد

الجواب:-

قرآن کریم میں ہے:

والذین اتبعو ھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ

(سورۃ (۹) التوبۃ، آیت: ۱۰۰)

اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

یہ جملہ جب کسی مسلمان کے لیے بولا جاتا ہے تو مقصد دعا ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کے لیے یہ جملہ دعا کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

درمختار میں ہے:

ویستحب الترضی للصحابہ والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والعباد و سائر الاخیار و کذا یجوز عکسہ الترحم للصحابۃ والترضی للتابعین و من بعد ھم علی الراجح

(صفحہ: ۵۳۲، جلد پنجم، مکتبہ رشیدیہ: کوئٹہ)

اور مستحب ہے رضی کا لفظ صحابہ کے لیے اور رحمت کا لفظ تابعین اور ان کے بعد کے علماء اور اللہ کے بندوں اور سارے نیک لوگوں کے لیے۔ اور ایسے ہی اس کے برعکس یعنی رحمت کا لفظ صحابہ کے لیے اور رضی کا لفظ تابعین اور ان کے بعد والوں کے لیے استعمال کرنا صحیح قول کے مطابق جائز ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت سے لوگ یہ غلط استدلال کرتے ہیں کہ رضی اللہ عنہ صرف صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے۔ استدلال اس لیے غلط ہے کہ آیت میں رضی اللہ عنھم جملہ خبریہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور دوسروں پر جب یہ جملہ بولا جاتا ہے تو یہ جملہ انشائیہ دعاء کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ ان سے راضی ہو جائے اور رحمۃ اللہ و غفراللہ لہ اور اس قسم کے جو جملے مسلمانوں کے لیے بولے جاتے ہیں وہ دعا کے معنی میں ہوتے ہیں ان کو بھی انشاء کے معنی میں ہر کسی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں کسی کے مرنے کے بعد کے حالات کا علم نہیں۔

الاستفتاء:-

محترم جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

بعد سلام گزارش یہ ہے کہ ہم دو افراد کے درمیان ایک مسئلہ پر تھوڑا اختلاف پایا جارہا ہے۔ میرا کہنا ہے کہ " رضی اللہ عنہ " صرف صحابہ کرام کے ساتھ لکھا جاتا ہے جبکہ دوسرے کا دعویٰ ہے کہ " رضی اللہ عنہ " دوسرے بزرگان دین کے ساتھ بھی لکھا اور بولا جاسکتا ہے۔ میرا کہنا ہے بزرگان دین کو صرف " رحمۃ اللہ علیہ " کہا جانا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ بھی رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے چونکہ انہوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا تھا، پھر میرا کہنا ہے اس لحاظ سے نور الدین زنگی کے ساتھ بھی رضی اللہ عنہ لگانا چاہیے چونکہ انہوں نے مسلسل تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا تھا۔ آپ مجھے شریعت کے مطابق جو صحیح اور درست ہے بتائیں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہاں اور کن اشخاص کے ساتھ لکھا اور پڑھا جائے؟

الجواب:-

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ کا استعمال صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ صحابہ، تابعین، علماء، صلحاء اور نیک لوگوں کے لیے بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

و کذا یجوز عکسه الترحم للصحابة والترضی للتابعین و من بعدهم

(صفحہ: ۵۳۲، جلد، پنجم، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور ایسے اس کا الٹا یعنی رحمت کا لفظ صحابہ اور رضی کا لفظ تابعین اور ان کے بعد والوں کے لیے استعمال جائز ہے۔

اصحابِ صفہ سے مستانوں کا کوئی تعلق نہیں

الاستفتاء:-

مکرم و معظم حضرت قبلہ مولانا مفتی محمد وقار الدین! دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک صاحب سے مذہبی موضوع پر بات چیت ہو رہی تھی دورانِ گفتگو میں نے یہ بات کہی کہ ایسے مستان قسم کے لوگ جو اپنا سارا کام کرتے ہیں لیکن صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور دیگر فرائضِ شریعت سے علیحدہ رہتے ہیں، یہ خرابی کب اور کیسے پیدا ہو گئی؟ تو سننے والے نے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں ہے اصحاب صفہ سے یہ بات چلی آ رہی

ہے۔ میں نے دوبارہ پوچھا: کیا اصحابِ صفہ نماز بھی نہیں پڑھتے تھے۔ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، اس دور کے مستان لوگ انھیں کی نقل کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں میرے دل میں جو تشویش پیدا ہوئی ہے اسے دور فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد عبدالمجید صدیقی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:-

اصحاب صفہ کے متعلق اس قسم کی بات کہنا سخت گمراہی ہے۔ تمام صحابہ کرام متبع شریعت، متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اصحاب صفہ کا مشغلہ یہ تھا کہ وہ دن کو مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو یہ عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ اور کسی فرصت کے وقت میں جنگل سے لکڑی کاٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دروازوں پر رکھ دیتے۔ جاڑوں میں رات میں پانی گرم کر کے فجر کے وقت میں ازواج مطہرات کے دروازوں پر پہنچا دیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب صفہ میں اہم شخصیت ہیں۔ بخاری وغیرہ میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنی کثرت سے حدیثیں کیسے روایت کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ ” انصار زمینوں اور باغات کے مالک تھے وہ ان کی دیکھ بھال کے لیے نکل جاتے تھے۔ مہاجرین گزر اوقات کے لیے بازار میں جا کر خرید و فروخت کرتے تھے۔ ہم اصحاب صفہ دنیا سے مستغنی ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اگر کچھ مل گیا تو کھا لیتے تھے ورنہ بھوکے رہتے تھے۔ لہٰذا ہم لوگ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال دیکھتے اور سنتے رہتے تھے اس لیے ہمارے پاس احادیث زیادہ ہیں۔

جو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں وہ نماز نہ پڑھتے ہوں، یہ بات کوئی عقل سے عاری ہی کہہ سکتا ہے۔

ٹی بی کے مریض سے تعلق رکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ کیا ٹی بی کے مریض سے نفرت کرنا چاہیے؟

سائل: عبداللہ قادری

الجواب:-

نفرت کسی مریض سے نہیں کرنا چاہیے لیکن ایسے امراض جو جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں ان سے اپنے آپ کو احتیاطاً بچانا چاہیے ۔ حدیث میں ہے :

فر من المجذوم کما تفر من الاسد

(بخاری ، کتاب الطب ، باب الجذام)

مجذوم (کوڑھی) سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

گنجا ہونے کا بیان

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے کہا کہ گنجا ہونا شیطانی کام ہے ؟

سائل : محمد فاروق

الجواب:-

" صحاح ستہ " کی کتابوں میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ گمراہ فرقے نکلنے والوں کے متعلق فرمایا کہ :

ان میں ایک فرقہ ایسا ہوگا کہ جو نماز تم سے زیادہ پڑھتے ہوں گے اور قرآن بھی بہت پڑھتے ہوں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دلوں میں ایمان کا اثر نہیں ہوگا وہ ایمان سے نکلے ہوئے ہوں گے ۔

صحابہ کرام نے اس فرقے کی نشانی پوچھی تو حضور علیہ السلام نے اس کی ایک نشانی یہ بیان فرمائی :

سیماھم التحلیق

(ابو داؤد ، حصہ دوم ، صفحہ : ۳۰۸ ، مکتبہ حقانیہ ، ملتان)

یعنی ان کی نشانی سر منڈانا ہے ۔

تو جس شخص نے یہ کہا کہ گنجا ہونا شیطانی کام ہے ، اس حدیث کو سن کر کہا ہے تو ٹھیک کہا ہے ۔

سہرا باندھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) زیر ناف بال مونڈنے کی شرعی حد کیا ہے کہ پوری سنت ادا ہو سکے؟

(۲) شادی بیاہ کے موقع پر مرد کو سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد ابراہیم قادری، پاکستان اسٹیل

الجواب:-

(۱) ناف سے نیچے خصیتین اور عضو تناسل کے اردگرد کے بال صاف کرنا سنت ہے اور "دبر" کے بال صاف کرنا مستحب ہے۔

(۲) سہرا باندھنا مسلمانوں میں شادی کی رسم ہے اور رسموں کے بارے میں قانون یہ ہے کہ جن رسموں کی ممانعت قرآن و حدیث میں آگئی وہ رسمیں ناجائز ہیں اور جن رسموں کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں آئی وہ جائز۔ سہرے کی مخالفت پر کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

گھر میں تصویر رکھنے کا حکم

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس بارے میں کہ کیا اس گھر میں نیکی کے فرشتے نہیں آتے جس میں تصویر ہو؟ اور جو شخص تصویر بناتا ہے بروزِ قیامت اس پر سخت سے سخت عذاب الٰہی ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں سے فرمائے گا کہ جو تصویر تم نے بنائی ہے ان کو زندہ کرو۔ حدیث شریف کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل: السید انور علی

الجواب:-

مشکوٰۃ شریف میں بخاری و مسلم کے حوالے سے یہ حدیث ہے:

عن ابی طلحة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتدخل الملئکة بیتاً فیہ کلب ولا تصاویر

(باب التصاویر، الفصل الاول)

حضرت طلحہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصاویر ہوں۔

مشکوۃ ہی میں ہے :

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیہ الصورۃ لا تدخلہ الملائکۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ان تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا اس میں جان ڈالو جو تم نے بنایا۔ اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

اور اسی صفحہ پر ہے :

عن عبداللّٰہ بن مسعود قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذاباً عند اللّٰہ المصورون

(صفحہ : ۳۸۵ ، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ تصاویر بنانے والوں کو سخت ترین عذاب سے دوچار کرے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب
السلام علیکم

نہایت ادب سے عرض ہے کہ درج ذیل مسئلہ کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دے کر راہنمائی فرمائیں :

جس کمرہ میں کسی جانور کی تصویر (فوٹو جو آج کل کیمرہ کی مدد سے بنائے جاتے ہیں) رکھی ہو اس کمرہ میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ اگر تصویریں الٹ دی جائیں تو پھر کیا حکم ہے ؟

الجواب:-

صورت مسئولہ میں خواہ تصویر الٹ دی گئی ہو ، نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس مکان میں جاندار کی تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

خط لکھنے کا سنت طریقہ

الاستفتاء:-

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ اوپر جو صلوٰۃ وسلام لکھا ہوا ہے کیا اس کو ہر خط میں لکھ سکتے ہیں؟ نیز خط لکھنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: غلام یسین قادری، کتیانہ محلہ، گلستان مصطفیٰ، کراچی

الجواب:-

عام طور پر ہر خط حفاظت و ادب سے نہیں رکھا جاتا۔ لہٰذا ہر خط میں صلوٰۃ وسلام، قرآن کریم، حدیث کی عبارات یا تسمیہ نہیں لکھنی چاہیے۔ خط لکھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ لکھی جائے مگر اب بسم اللہ نہ لکھی جائے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا۔

ختنہ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک صاحب سے میں نے کہا کہ اپنے بیٹے کی ختنہ کرا دیجیے کیونکہ اس کی عمر 6 سال سے اوپر ہو چکی ہے تو انہوں نے کہا کہ کس حدیث میں ہے کہ بچے کا ختنہ کروانا سنت ہے؟ لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ ختنہ کی شرعی حیثیت تحریر فرمائیں۔

سائل: محمد فاروق

الجواب:-

تمام کتب احادیث میں ہے کہ دس باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں ان میں سے ایک ختنہ کرنا بھی ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ یا تو جاہل ہے یا جان بوجھ کر انکار کرتا ہے اور یہ تو سخت گناہ ہے۔

اچھی اور بری روحوں کے اثرات

الاستفتاء:-

بخدمت جناب مفتی صاحب!
السلام علیکم

مجھے چند مسائل درپیش ہیں ان کا جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

(۱) دیو، پری، چڑیل اور سرکٹا وغیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ کیا ان چیزوں کا دنیا میں وجود ہے اور کیا کسی مرد یا عورت پر اچھی یا بری روحوں کا اثر یا سایہ ہوتا ہے؟ مثلاً کوئی کہے کہ فلاں عورت پر غوث اعظم یا کسی اور بزرگ کی روح آتی ہے یا کسی عورت پر گندہ (آسیب کا) اثر ہو گیا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

(۲) فاؤنٹن پین یا مارکر پین اگر جیب میں رکھا ہو تو کیا نماز ہو جائے گی؟ سنا ہے کہ روشنائی اسپرٹ سے بنائی جاتی ہے۔

سائل: امتیاز الدین خان، لانڈھی، کراچی

الجواب:-

(۱) کافر جب مرتے ہیں تو وہ مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں اس کے اعتبار سے لوگوں نے مختلف نام رکھ لیے ہیں۔ کسی انسانی روح کا کسی پر سایہ نہیں ہوتا صرف جنات کا اثر انسان پر ہوتا ہے اگر وہ جن اچھی صورت میں نظر آتا ہے اور کبھی واقعی مسلمان بھی ہوتا اور کبھی جھوٹ بول کر اپنا مسلمان ہونا بتاتا ہے، اسے لوگ مسلمان روح قرار دے کر مختلف معنی گڑھ لیتے ہیں اور اگر کافر ہوتا ہے اور کفریات کرے تو اسے بھوت کہنے لگتے ہیں اور اگر اپنا عورت ہونا ظاہر کرتا ہے تو لوگ اسے چڑیل کہہ دیتے ہیں۔

(۲) فاؤنٹن پین میں جو روشنائی بھری جاتی ہے اس میں اسپرٹ ہوتی تو ہے، مگر چند قطرے۔ جتنی روشنائی قلم میں ہوتی ہے اسکا ایک درہم کے برابر وزن نہیں ہوتا، لہٰذا پین کے جیب میں لگے ہونے کے باوجود نماز ہو جائے گی۔

عبدالغفور یا عبدالستار جیسے ناموں کو غفور یا ستار بولنا

الاستفتاء:-

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) بعض لوگوں کو جب بھوک لگتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ "میری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔"

اس طرح کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) کچھ نعتوں میں نعت گو حضرات پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو "کملی والے" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ اس طرح لکھنے اور پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ آیا سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو "کملی والا" کہنا درست ہے نہیں؟ اگر نہیں تو ممانعت کی وجہ بیان فرمائیں۔

(۳) بعض لوگوں کے نام عبدالغفور، عبدالستار، عبدالغفار، عبدالجبار اور عبدالرؤف وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایسے اشخاص کے ناموں کو بغیر "عبد" لگائے مثلاً ستار، غفور، جبار وغیرہ بولنا کیسا ہے؟

الجواب:-

(۱) اس طرح سے کہنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم یا اسکی کسی سورت کو کسی ایسی جگہ استعمال کرنا، جہاں اسکے معنی سے کوئی تعلق نہیں، سخت گناہ ہے۔

(۲) "کملی والا" لکھنے اور بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ بعض نعت خواں "کملی" کی جگہ "کملیا" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔

(۳) ایسا کہنا سخت گناہ ہے، پورا نام لینا چاہیے۔

منتخب مآخذ و مراجع کا اجمالی تعارف

وقار الفتاوی میں جن کتب سے مسلک اہلسنت و جماعت کے معمولات کے سلسلے میں حوالے درج کیے گئے ہیں، ان میں سے چند کے مولفین کی سن ولادت و وصال اور ان کی تالیفات کا مرتبہ و مقام وغیرہ تحریر کیا جارہا ہے۔ تاکہ قارئین کرام اس بات کا از خود اندازہ لگا سکیں کہ اہلسنت و جماعت کے عقائد کوئی نئے نہیں بلکہ اہلسنت کے عقائد وہی ہیں جو صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے تھے اور جو اہلسنت نہیں ان کے عقیدوں میں خرابی ہے اور وہ راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

تفسیراتِ احمدیہ

تفسیرات احمدیہ الشیخ احمد معروف بہ ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لکھی ہوئی تفسیر ہے۔ آپ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد محترم تھے۔ اورنگ عالمگیر وہی ہستی ہیں جنہوں نے اپنے دور حکومت میں پچاس علماء کرام کی جماعت کی نگرانی میں فقہ حنفی میں فتاوی عالمگیری مرتبہ کروایا۔ ملا جیون علیہ الرحمۃ کی دوسری مشہور کتاب "نور الانوار" ہے جو اصول فقہ میں مستند اور عظیم کتاب ہے اور تقریباً تمام دینی مدارس کے نصاب میں یہ کتاب شامل ہے۔

فتاوی شامی

سید محمد امین عابدین ابن سید عمر عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ کی تالیف ہے۔ متاخرین فقہائے احناف میں علامہ شامی کا مقام بہت بلند ہے۔

ولادت: ۱۱۹۸ھ شام کے معروف شہر دمشق میں پیدا ہوئے۔

نسب: آپ خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے۔ معروف بزرگ شیخ محمد صلاح الدین عابدین کی ساتویں پشت میں ہوئے۔ بزرگ موصوف خاندان سادات کی معروف شاخ "عابدین" (جو ملک شام میں آباد تھی) کے مورث اعلیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ "ابن عابدین" کہلائے، جبکہ "شامی" ملک شام کے ساتھ آپ کی نسبت کا اظہار ہے۔

متاخرین فقہاء میں علامہ شامی کی امتیازی شان اور تبحر علمی کا ہر وہ شخص معترف ہے جو "فتاویٰ شامی" کی دقیق تحقیقات کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ علامہ شامی کا طرز استدلال محققانہ اور اثر آفرین ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کسی کتاب میں متقدمین کی طرف منسوب کسی مسئلے کو اس وقت تک شامل کتاب نہیں کرتے تا آں کہ اس مسئلے کے تہ اور محولہ کتاب تک نہ پہنچ جائیں۔ یہی نہیں بلکہ متقدین کے تسامحات سے آگاہ بھی کرتے ہیں۔

وفات :-

آپ نے تقریباً ۵۴ سال کی عمر پائی۔ ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ بروز بدھ آپ کا انتقال ہوا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون) آپ کو وصیت کے مطابق شام میں علامہ علاء الدین الحصکفی کی قبر شریف کے قریب دفن کیا گیا۔

(ملخصاً عن قرة عيون الاخيار لتكملة ردالمحتار)

فتاویٰ عالمگیری

یہ ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے نامور حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) میں لکھی جانے والی فقہ حنفی کی ۶ جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ اورنگ زیب نے جب برصغیر میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے سامنے فقہ حنفی کی ایسی تفصیلی اور مرتب و مدون کتاب کوئی نہ تھی جس پر مملکت کے تمام شعبے انحصار کر سکتے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی نگرانی میں برصغیر کے چیدہ چیدہ اور چوٹی کے پچاس علماء کی ایک جماعت تیار کی اور شیخ نظام کو اس مجلس المولفین کا صدر مقرر کیا۔ علماء کی اس جماعت نے فقہ کی سینکڑوں کتابوں سے مسائل کا استقصاء کیا اور ان کو یکجا کرنے کی نہایت خوبصورت کوشش کی۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس چیز کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ "مختلف فیہ" مسائل میں اگر ناگزیر ہو تو متعدد اقوال نقل کیے جاتے ہیں اور ان میں ترجیحی قول کو دلائل کی قوت یا ضعف کے مطابق ترجیح دی جاتی ہے ورنہ عموماً "مفتیٰ بہا" اقوال ہی نقل کیے جاتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف نے فقہی مسائل جاننے والوں کو فقہ کی ضخیم اور مبسوط کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری پوری دنیا کے اہل علم میں مقبول و متداول ہے۔

فتاوی قاضی خان

امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی حنفی متوفی ۲۹۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں اس کا جو ایڈیشن ہے اسے ۱۹۸۳ء میں قاری محمد اسمٰعیل نے مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ، طوغی روڈ، کوئٹہ سے طبع کروایا۔ فتاوی قاضی خان، فتاوی عالمگیری کی ابتدائی تین جلدوں کے حاشیے پر پھیلی ہوئی ہے۔
یہ فقہ حنفی کے مستند اور معتبر ترین فتاوی میں سے ایک ہے۔ اور پوری دنیا میں مشہور و متداول ہے۔ اس میں مصنف نے مختلف فیہ اقوال میں سے "مفتی بہا" اقوال نقل کیے ہیں اور جہاں ضروری ہوا دونوں اقوال ذکر کیے اور "قول اظہر" کو مقدم رکھا۔

فتاوی بزازیہ

اس کا اصل نام "الجامع الوجیز" ہے اور یہ امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری متوفی ۸۲۷ھ کی تصنیف ہے۔ امام محمد بن شہاب، "ابن بزاز" کے نام سے معروف ہیں۔ اسی نسبت سے "الجامع الوجیز"، فتاوی بزازیہ کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ فتاوی قاضی خان کی طرح یہ بھی فتاوی عالمگیری کے حاشیے پر ہے۔ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں لکھا ہے: امام ابن بزاز ۸۱۲ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ فتاوی قاضی خان کی طرح یہ بھی ہر چہار دانگ عالم میں شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر ہے۔ فتاوی عالمگیری کے حاشیے پر جلد چہارم (آغاز) پنجم اور ششم (تا اختتام) پھیلا ہوا ہے۔
"وقار الفتاوی" میں اس کے جس ایڈیشن کے حوالہ جات آئے ہیں یہ مکتبہ ماجدیہ۔ کوئٹہ سے ۱۹۸۳ میں طبع ہوا ہے۔

ہدایہ --- ۵۱۱ھ تا ۵۹۳ھ

ہدایہ، علم فقہ میں سب سے بلند مرتبہ کتاب ہے جو چھٹی صدی ہجری میں لکھی گئی۔ سیکڑوں کی تعداد میں اس کی شروح اور حواشی لکھے گئے۔ آج بھی مختلف جامعات اور دینی مدارس میں شامل نصاب ہے۔ درس نظامی میں فقہ کی تمام کتب کے آخر میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس عظیم کتاب کے موٴلف: شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی ہیں۔ آپ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی ولادت : ۵۱۱ھ ماہ رجب بروز پیر بعد نماز عصر ہوئی۔ ۵۴۴ھ کو حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۵۹۳ھ ماہ ذی الحج کی ۱۴ تاریخ بروز منگل آپ کا وصال ہوا اور آپ سمرقند میں دفن ہوئے۔

صاحب ہدایہ کی مزید چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔ کتاب مجموعہ النوازل، کتاب فی الفرائض، کتاب التجنیس والمزید، کتاب بدایۃ المبتدی وغیرہ۔

فتح القدیر

فتح القدیر نو جلدوں پر مشتمل عظیم فقہی ذخیرہ اور فقہ حنفی میں مستند ترین فتاوی ہے۔ یہ ہدایہ کی شرح ہے۔ فتح القدیر کے ساتھ ہدایہ کا متن بھی ہے۔ پھر فتح القدیر کے متصل کفایہ بھی ہے جو کہ صاحب ہدایہ کی دوسری تصنیف بدایہ المبتدی کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ فتح القدیر کے حاشیہ پر ہدایہ کی ایک اور شرح " عنایہ " ہے۔ یہ امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی متوفی ۷۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ فتح القدیر کے حاشیے پر پانچویں کتاب حاشیۃ السعدی ہے۔ یہ عنایہ کی شرح ہے۔

صاحب فتح القدیر کا پورا نام الشیخ امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندری ہے۔ جبکہ آپ ابن ھمام کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کا وصال ۶۸۱ھ میں ہوا۔

فتاوی عزیزی

یہ حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے دیئے گئے فتاوی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز وہ شخصیت ہیں جو کہ اہلسنت اور دیوبندیوں کے نزدیک مسلمہ شخصیت ہیں۔

الاذکار للامام نووی

امام حافظ شیخ الاسلام محی الدین ابی زکریا یحیی بن شرف النووی کی تصنیف ہے۔ آپ کا زمانہ ۶۳۱ھ تا ۶۷۶ھ ہے۔

تاثراتِ اعیانِ کرام

حضرت قبلہ علامہ مفتی ظفر علی نعمانی مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم امجدیہ ، کراچی

حضرت قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی دامت برکاتہم العالیہ مہتمم دارالعلوم امجدیہ کی خدمت میں فقیر حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ نے اور حضرت وقار الملت مفتی محمد وقار الدین نور اللہ مرقدہ نے ایک طویل عرصہ ایک ساتھ گزارا ۔ لہٰذا آپ حضرت قبلہ مفتی اعظم کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائیں ۔ حضرت قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے بڑی شفقت فرمائی اور وقار الملت کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کروائے ۔

حضرت قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے فرمایا کہ " ہمارا ایک تفصیلی دورہ مشرقی پاکستان کا ہوا تھا اور اسی دورہ میں حضرت علامہ مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات ہوئی ۔ میں نے عرض کی کہ آپ ہمارے ساتھ مغربی پاکستان چلیں اور وہاں خدمات سر انجام دیں تو علامہ نے جواب دیا کہ " اگر میں یہاں سے چلا گیا تو پھر یہاں مسلک حقہ اہلسنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کا جو سلسلہ چل رہا ہے وہ رک جائے گا ۔ " اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کو مسلک کا کتنا درد تھا حالانکہ اس وقت آپ کو کئی طرح کی پریشانیوں کا سامنا تھا اور ہمیشہ سے علماء حق کا یہ کردار رہا ہے کہ پرچم حق کی سربلندی کے لیے انھوں نے بڑی تکالیف برداشت کیں ۔

پھر جب وہاں کے حالات زیادہ خراب ہو گئے تو حضرت علامہ وقار الملت والدین یہاں مغربی پاکستان

تشریف لے آئے جیسے ہی مجھے علم ہوا کہ حضرت یہاں قدم رنجہ ہو چکے ہیں. تو میں ان کے پاس حاضر ہوا اور دارالعلوم امجدیہ کی سرپرستی کے لیے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ " علامہ ازہری ہمارے ہم سبق ساتھی ہیں اور استاد زادے بھی ہیں میرے دل میں ان کا بڑا ادب و احترام ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک ساتھ کام کرتے ہوئے ہمارے درمیان شکر رنجی ہوجائے تو میں یہ مناسب نہیں سمجھتا ۔ " میں نے کہا کہ انشاء اللہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی ۔ آپ دارالعلوم کی سرپرستی ضرور فرمائیں ۔ چنانچہ آپ نے دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت ناظم تعلیمات خدمات قبول فرمائیں ۔ اور اس شعبہ میں آپ کا ایک طویل تجربہ تھا ۔ آپ پہلے بریلی شریف اور بعد ازیں چاٹگام میں بھی اس عہدہ پر فائز رہے تھے ۔ دارالعلوم امجدیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ بڑی بڑی شخصیات نے یہاں فرائض منصبی سر انجام دیے ۔ حضرت جو بھی کام کرتے انتہائی خلوص اور دیانتداری سے کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں ادارے نے بڑی ترقی کی اور ملک کے کونے کونے سے تشنگان علم آپ کا نام سن کر دارالعلوم امجدیہ میں آتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے ۔ "

مہتمم صاحب سے حضرت مفتی اعظم کی فقاہت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ " علم فقہ میں آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا ۔ جب آپ فتوی دیتے تو بڑی دقت نظر سے دیتے تھے اور جواب اتنا جامع اور مختصر ہوتا کہ ہر سطح کا سائل آپ کے پاس آکر یا آپ کے لکھے ہوئے فتوی کو پڑھ کر ایک دم مطمئن ہوجاتا تھا ۔ "

اسی طرح آپ کے تقوی اور پرہیزگاری کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ " حضرت کا تقوی اور پرہیزگاری میں بڑا بلند مقام تھا وہ تمام خوبیاں آپ میں پائی جاتی تھیں جو ایک اللہ کے ولی میں ہونی چاہئیں ۔ آپ کا کوئی کام خلاف سنت نہیں دیکھا گیا ، آپ کی زندگی فقر والی تھی ۔ دنیاوی زیب و زینت سے آپ دور رہتے تھے ، آپ کا لباس ، نشست ، رہائش اور چال ڈھال سادگی کا ایک نمونہ تھیں ۔ "

قبلہ مفتی صاحب سے پوچھا گیا : حضرت کے آنے سے ادارہ میں آپ نے کیا تبدیلیاں محسوس کیں ؟ آپ نے فرمایا : " حضرت کی تشریف آوری سے دارالعلوم امجدیہ ایک مثالی ادارہ بن گیا تھا ۔ درس نظامی کے جملہ فنون کی کتب پڑھائی جاتی تھیں ۔ علمی ، روحانی ، نظم و ضبط ، طلباء کی ذہنی اور اخلاقی ، ظاہری و باطنی تربیت اور شرعی اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی کے اعتبار سے آپ کے دور میں ادارہ اپنے عروج پر رہا ۔ آپ کا اپنا کوئی کام خلاف شرع نہ تھا اور نہ ہی آپ ایسے علماء یا طلبہ کو پسند کرتے تھے جو خلاف شرع کام کرنے والے ہوں ۔ دارالعلوم میں کوئی جلسہ وغیرہ ہوتا اور اس میں تصویر کشی ہوتی تو آپ سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے اور اپنی تصویر نہیں بنواتے تھے ۔ "

حضرت کی سیاست سے وابستگی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا : " حضرت سیاست سے دور رہتے تھے کیونکہ آپ کا موقف یہ تھا کہ سیاست اور کسی ادارہ میں تدریس ایک ساتھ نہیں چل سکتے ، آئے دن سیاسی لوگوں کی میٹنگ اور جلسے و جلوس ہوتے رہتے ہیں ، ان سے طلباء کا نقصان ہوتا ہے ۔ ویسے ملکی و قومی اور بین الاقوامی حالات

پر آپ گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اہلسنت کے اتحاد کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہے اور آپ کی یہ کوشش رہی کہ اہل سنت آپس میں متحد رہیں۔ چنانچہ آپ کی حیات کا جو آخری خطاب ہے اسمیں آپ نے اہلسنت کے نام ایک عظیم پیغام دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کی کرامت ہے کہ آپ نے اپنے منصب کے مطابق سنیت کے بچاؤ کے لیے مختلف تجاویز دیں اور "صلح کلی" والوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین و تاکید فرمائی ورنہ عموماً آپ کا خطاب صرف علمی، روحانی اور اصلاحی ہوتا تھا۔

مفتی صاحب سے آخری سوال کیا گیا کہ "حضرت کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟" تو قبلہ مفتی صاحب اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بے اختیار رو پڑے، پھر ڈبڈبائی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ "علامہ وقار الدین اور علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہما کے وصال کے بعد ادارہ یتیم ہو گیا ہے۔ اس حیثیت کے لوگ تو پاکستان بھر میں نہیں تھے۔ یہ عظیم ہستیاں تھیں جن کی وجہ سے اہلسنت روحانی اور علمی فیض پاتے تھے۔ علماء اور عوام اہلسنت علمی اعتبار سے اپنے آپ کو ان ہستیوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت قبلہ مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص کیسا ہی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ لے کر آجاتا، وہ مکمل تسلی کے ساتھ واپس ہوتا تھا۔ واقعی سچ ہے:

موت العالم موت العالم

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی قبور پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ حضرت کے فتاویٰ کو کتابی شکل دینے پر میں، بزم وقار الدین کے تمام احباب و کارکنان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

انٹرویو: محمد شعیب قادری
فاضل دارالعلوم امجدیہ،
خطیب جامع مسجد گلفشاں، کریم آباد، کراچی

عزیزم مولانا ریاض احمد قادری !

سلام مسنون

فقیر کا کام شب و روز بڑھ رہا ہے۔ اسمیں ایک آپ کے خط کا جواب بھی ہے اس کے لیے جی تو یہ چاہتا تھا کہ ایک مفصل خط لکھوں لیکن متعدد تصانیف کی ترتیب میں مصروفیت کی وجہ سے مختصر لکھ رہا ہوں۔ قبول فرمائیں۔

فقیر، حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام سے ایک عرصہ دے واقف تھا۔ نا معلوم میری قسمت کیسے بیدار ہوئی کہ اس نادیدہ درویش کو خواب میں حضور سیدی استاذی علامہ محدث اعظم مولانا الحاج محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یکجا دیکھ کر حیران رہا کہ ان دونوں حضرات کی بیک وقت معیت کیسی؟ بعد کو معلوم ہوا کہ موصوف کو حضرت محدث اعظم پاکستان (رحمۃ اللہ علیہ) سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ اس نسبت سے فقیر کو ان سے مزید انس ہو گیا۔ اسی لیے ۱۳۹۹ھ میں سعادت زیارت حرمین یعنی حج و عمرہ و زیارت گنبد خضراء کی سعادت نصیب ہوئی تو باب المدینہ (کراچی) سے روانگی سے قبل صرف اور صرف حضرت مفتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے دار العلوم امجدیہ حاضر ہوا۔ فقیر کے چند تلامذہ نے آپ کو فقیر کی حاضری کی اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے۔ جب فقیر حاضر ہوا تو ایسے مفروح و مسرور ہوئے جیسے کوئی شخص ایک معزز دوست کی ملاقات سے خوش ہوتا ہے میں حیران ہوا کہ مجھ جیسے حقیر کے لیے یہ اعزاز۔ اللہ اکبر، مختصر وقت میں فقیر نے نشست کو برخاست سے خود بدلا کہ آپ اسوقت اسباق سے فارغ ہوئے تھے مناسب یہی تھا کہ تھکے ہوئے کو تھکانا اچھا نہیں۔

بس یہی پہلی اور آخری زیارت تھی۔ فقیر اسکے کارناموں اور علمی تحقیقات کا معترف ہے۔ پھر لکھے تو کیا لکھے، انکی علمی تحقیقات اور عملی زندگی اسکے فضائل و مناقب و کمالات کی خود شاہد ہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

فقط والسلام

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۵ شوال المکرم، ۱۴۱۷ھ

مفتی عبد السبحان قادری مہتمم دار العلوم قادریہ سبحانیہ
شاہ فیصل کالونی ، کراچی

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک ممتاز عالم دین تھے ، علوم نقلیہ و عقلیہ پر آپ کو دسترس حاصل تھی بالخصوص علم فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ واقعی آپ مفتی اعظم پاکستان تھے۔ فقاہت میں کوئی دوسرا شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ جب شیخ الحدیث عبد المصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس دنیائے فانی سے پردہ کیا اور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ، مسند شیخ الحدیث پر بیٹھے تو حدیث پڑھانے میں بھی کوئی دوسرا عالم آپ کے مقابل کا نہیں تھا۔ یہ ہستیاں اللہ کی نعمت تھیں جن کے اٹھ جانے کی وجہ سے ہم علمی طور پر یتیم ہو گئے۔ حضرت قبلہ علامہ مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ و پرہیزگاری امانت و دیانت ، خودداری ، تواضع و انکساری ، منکساری ، تشنگان علم کی سرپرستی اور مسلک حقہ کی خدمات ضرب المثل ہیں۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں بزم وقار الدین کے کارکنان کو جنہوں نے حضرت کے جاری کردہ فتاووں کو کتابی شکل دے کر عظیم علمی اور فقہی کام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یقیناً یہ حضرت کے لیے ایک صدقہ جاریہ ہے اور قیامت تک مسلمان اس فقہی اور علمی ذخیرہ سے مستفید ہوتے رہیں گے اور میں مبارکباد پیش کرتا ہوں فتاویٰ کے مرتبین کو اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔ (آمین)

فقط : عبد السبحان قادری
مہتمم دار العلوم قادریہ سبحانیہ ، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم کی متعدد آیات طیبہ اور مختلف احادیث مقدسہ میں علماء کرام کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اس وقت تو احقر کو " بزم وقار الدین " کے اراکین کے ارشاد و اصرار کے مطابق چند سطور میں فاضل جلیل عالم نبیل محدث عظیم فقیہ کریم بقیۃ السلف حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین صاحب قادری رضوی علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں نہایت اختصار کے ساتھ اپنے تاثرات پیش کرتے ہیں۔

جہاں تک میری یادداشت ساتھ دے رہی ہے اس کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی مرتبہ شرفِ ملاقات، احقر کو علامہ موصوف سے حضرت مولانا محمد عبد الحامد صاحب بدایونی قادری علیہ الرحمۃ کے درِ دولت پر (۱۹۶۰ء کے بعد) حاصل ہوا۔ کیونکہ اس وقت حضرت کا قیام سابق مشرقی پاکستان میں ہوا کرتا تھا۔ پھر ۱۹۷۱ء کے بعد تو متعدد ملاقاتیں مختلف محافل میں حضرت سے رہیں۔ جب بھی کسی محفل یا مجلس میں حضرت سے شرفِ نیاز حاصل ہوا ہمیشہ شفقت و محبت بزرگانہ سے پیش آئے۔

ایک سفر کی روئداد کچھ یوں ہے کہ جب ضیاء الحق نے قاضی کورس کا آغاز کرنا چاہا تو سب سے پہلا پروگرام ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء، جامعہ نعیمیہ لاہور میں منعقد ہوا، اس پروگرام کے روحِ رواں حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی دامت برکاتہم العالیہ تھے۔ ان کی دعوت پر اس اجلاس میں علماء کرام کی کثیر تعداد نے شرکت فرمائی اور یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ اس پروگرام میں کراچی سے وقار الملت والدین حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین صاحب قادری رضوی، برادرِ محترم جسٹس (ریٹائرڈ) مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اور راقم السطور نے شرکت کی۔ پورے سفر میں علامہ موصوف نے نمازوں کے علاوہ اپنے اوراد و وظائف کا سلسلہ بھی پابندی سے جاری رکھا۔ جس سے اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب سفر و حضر میں اپنے معمولات کے بہت پابند تھے۔

موصوف بے شک بقیۃ السلف تھے۔ علامہ موصوف کی خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تھی۔ آپ کے دل میں محبت اولیاء کرام کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت کا درد بھی تھا۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کئی مناصب جلیلہ پر فائز رہنے کے باوجود اخلاق و مروت اور تواضع و انکسار کا پیکر تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت کاملہ اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے حضرت کے فیوض و برکات کو ہمیشہ کے لیے جاری و ساری فرمائے، نیز مریدین و متوسلین اور تمام احباب اہلسنت کو حضرت کے ان فیوض و برکات سے مستفیض ہونے اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین الکریم۔

احقر جمیل احمد نعیمی غفرلہ
۶ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

باسمہ سبحانہ

جو اس دنیا میں آیا اسکو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کرنا ہے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کو بعد میں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا اور بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے عرصہ دراز تک یاد رکھے جاتے ہیں ۔ انھیں یاد رکھے جانے والوں میں سے ایک شخصیت مفتی محمد وقار الدین صاحب مرحوم و مغفور کی ہے ۔

غالباً ۱۹۴۳ء میں جب راقم الحروف " مولوی " کے امتحان کے سلسلہ میں بریلی گیا تو والد محترم تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید مصطفےٰ علی صاحب مرحوم کو میرے قیام و طعام کے انتظام کے لیے بریلی بھیجا تھا ۔ مولانا سید مصطفےٰ علی صاحب مرحوم اور مفتی وقار الدین صاحب نے درس نظامی کی کتابیں ساتھ پڑھی تھیں ۔ اس لیے ان حضرات میں خاصی بے تکلفی تھی ۔ اس سفر کے دوران مفتی وقار الدین صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا ۔ مفتی صاحب اس دوران مدرسہ منظر الاسلام میں موقوف علیہ کی کتابیں پڑھاتے تھے ۔ یہیں حضرت علامہ مولانا عبد المصطفےٰ ازہری مرحوم و مغفور سے بھی ملاقات ہوئی ۔ اسکے بعد جب بھی بریلی جانا ہوا ان حضرات سے ملاقات ہوتی ۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا مفتی وقار الدین صاحب مرحوم مشرقی پاکستان (حالیہ بنگلہ دیش) چلے گئے اور چاٹگام میں اقامت گزین ہوئے تو آپ سے بالواسطہ تعلق رہا اور حالات سے آگاہی رہی ۔ جب مولانا کراچی تشریف لائے تو میں اکثر مولانا کے مکان پر اور کبھی کبھی دار العلوم امجدیہ ملاقات کے لیے جاتا رہتا تھا ۔ مولانا سے ایک ملاقات ہر ماہ ہوتی تھی ۔ مولانا جب مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے رکن تھے اور میں زونل رویت ہلال کمیٹی صوبہ سندھ کا ممبر تھا تو مولانا سے ملاقات رہتی تھی ۔ مفتی صاحب کے متعلق اختصار کے ساتھ عرض کروں ۔ مفتی وقار الدین صاحب کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی ۔ مفتی صاحب کے علمی مقام پر دوسرے حضرات نے اظہار خیال کیا ہوگا ۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ مولانا سادگی کا مرقع ، خلیق اور متواضع شخصیت کے مالک اور بہترین مدرس تھے ، اصلاحی تقریر فرماتے ، فتویٰ نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے ، فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کی علمی تحقیق کو حرف آخر سمجھتے تھے (گو یہ جملہ بعض طبائع پر گراں گزرے گا لیکن میں سمجھتا ہوں) کہ مولانا کا یہ انداز فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کمال محبت کا آئینہ دار ہے ۔

مولانا مفتی وقار الدین صاحب کی شخصیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے یہ چند سطریں لکھ کر مولانا مرحوم کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہوں ۔

محمد اطہر نعیمی
مفتی دار العلوم نعیمیہ

باسمہ تعالیٰ

استاذ الاساتذہ فخر الجہابذہ یعسوب العلماء زینت الفضلاء فقیہ العصر شیخ الحدیث و التفسیر وقار الملت والدین حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی ابن حافظ حمید الدین نور اللہ مرقدہ کی شخصیت علمی حوالے سے محتاج بیان نہیں اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی علمیت و قابلیت کے معترف ہیں کسی بھی حقیقت پسند اور علم سے وابستہ شخص کو اس سے انکار نہیں۔ علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری، سادگی و قناعت، تواضع و انکساری اور حلم و بردباری کا آپ پیکر تھے، تکلفات و تصنع سے مجتنب۔ اپنے اکابر کی تعظیم اور اپنے اساتذہ کا بہت ہی احترام فرماتے اور بہت ہی ادب سے ان کا ذکر کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قبلہ استاذ محترم سلف اور خلف کی یادگار تھے۔

اللہ رب العزت نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ اب آپ جیسا متبحر فقیہ نہ رہا تو یہ بے جا نہیں۔ مسند افتاء کی آپ رونق تھے۔ علوم و فنون کے حوالے سے آپ کی شخصیت پر نظر کی جائے تو اس میں بھی آپ یکتاء روزگار نظر آتے ہیں۔ درس و تدریس کے اعتبار سے دیکھیے تو آج دینی اداروں میں جو مروجہ نصاب ہے اس سے متعلق ہر فن کی کتاب پڑھانے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، اس انداز سے کتاب پڑھاتے کہ جس سے طلباء کو نفس متن بھی بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا۔ حضرت کو یہ خوبی ہر فن کی کتاب پڑھانے میں حاصل تھی۔ دورہ حدیث تو اس شان سے پڑھاتے کہ اس میں تفسیر اور فقہ کے خاص طور پر اس انداز سے بیان فرماتے جس سے احادیث مبارکہ کی تشریح و توضیح اور باب کے عنوان سے مطابقت کی بھی وضاحت ہوجاتی نیز یہ کہ احادیث شریفہ کے مابین تطبیق قائم کرنے کا بھی آپ کو درک حاصل تھا۔ غرض یہ کہ درس و افتاء میں آپ کا منفرد مقام ہے۔ وعظ و تقریر میں بھی آپ کا انداز بیان عالمانہ تھا۔ آپ سامعین و مخاطبین کے اذہان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقریر فرماتے۔ بڑے موثر طریقے سے اس طرح وضاحت فرماتے کہ ہر شخص اس سے محظوظ ہوتا۔ وعظ و تقریر ہی تک آپ محدود نہ تھے بلکہ احقاق حق کی خاطر آپ نے بد مذہبوں اور گستاخان رسول سے متعدد مناظرے فرمائے جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل کامیابی اور کامرانی سے سرفراز ہوئے اور باطل کو شکست سے دوچار کیا۔

(عبد العزیز حنفی اشرفی)
رئیس دار الافتاء
دار العلوم امجدیہ،
کراچی

ہیں یہیں شیخ ازہری حضرت وقار الدین بھی
آپ ہی کی کاوشوں سے علم کی دولت ملی
(حافظ البرکاتی)

علامہ مفتی محمد وقار الدین قدس سرہ فتویٰ ، تقویٰ اور سادگی کا حسین امتزاج

از : ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی ، حیدر آباد

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ رشیدہ میں شاید ہی کوئی ایسا شاگرد ہو ، جسکا رنگ زمانہ والوں پر نہ چڑھا ہو ۔ یہ تلامذہ جہاں جہاں آفتابِ فقاہت بن کر ابھرے ، ایک جہاں روشن کر گئے ۔ تحریر کا میدان ہو یا تقریر کا ، تدریس کا فیضان ہو یا تذکیر کا ، یہ حضرات ہر مقام میں اظہار حق کا بلند مینار نظر آتے ہیں ۔ اگرچہ ان میں سے اکثر اب ہم سے اور اہل دنیا سے پردہ کر گئے مگر ان کی روشنیاں قیامت تک عالم کو جگمگاتی رہیں گی ۔ خلیل ملت مفتی محمد خلیل خان برکاتی ، محبوب ملت قاری مفتی محبوب رضا خاں رضوی اور وقار الملت مفتی محمد وقار الدین قادری بھی ایسے ہی جادہ نور تھے جن کے فیض سے عالم منور ہوتا رہے گا ۔

حضرت مفتی محمد وقار الدین صاحب قدس سرہ جب پہلی مرتبہ ۱۹۷۱ء میں دار العلوم امجدیہ تشریف لائے ، اس وقت فقیر امجدیہ میں زیر تعلیم تھا ، فقیر کے کئی اسباق حضرت کے ہاں رکھے گئے ۔ فلسفہ کی کتاب " ہدیہ سعیدیہ " جو نہایت مشکل کتاب مانی جاتی ہے ، حضرت نے ایسی کھول کر پلائی کہ آج بھی اسکا حرف حرف ذہن میں ہے ۔ یہ پہلی کتاب تھی جو فقیر نے حضرت سے امجدیہ میں پڑھی ۔ پھر تو راستہ کھل گیا اور اکثر کتب درسی اور کتب حدیث حضرت سے پڑھنے کا موقعہ مل گیا ۔ میں نے درسی کتب پڑھانے کا ایسا آسان انداز صرف تین ہی اساتذہ میں دیکھا ، ایک میرے والد گرامی نور اللہ مرقدہ ، دوسرے حضرت علامہ محمد حسن صاحب حقانی زید مجدہم اور تیسرے وقار الملت حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین رضی اللہ عنہ ۔ یہ حضرات کتابوں کو ایسا گھماتے ہیں کہ نفس کتاب کا مضمون ، کند سے کند طالب علم کے ذہن میں بھی فوراً نقش ہو جاتا ہے ۔

۱۹۷۳ء میں ، حضرت علامہ ازہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب قومی اسمبلی کے اجلاس میں تشریف لے جاتے تو ہم لوگوں کو ، حضرت مفتی وقار الدین صاحب سے حدیث کی کتاب " مسلم شریف " پڑھنے کا خوب موقعہ ملتا ، حضرت کا درس اتنا حسین اور دلنشین ہوتا تھا اور آپ ایسے ایسے علمی نکتے ارشاد فرماتے تھے کہ ذہن دنگ رہ جاتا تھا ۔ کاش کہ حضرت کے یہ درس تحریری طور پر محفوظ ہو سکتے ۔ فقیر نے ایک مرتبہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کی حدیث ریکارڈ کی تھی ۔ جو الحمدللہ محفوظ ہے ۔

حضرت کا سینہ علم کا خزینہ تھا۔ وہ بلا کے ذہین تھے۔ قوت حافظہ بے مثال تھا۔ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے۔ میرے والد گرامی قطب دوراں، فقیہ زماں مفتی محمد خلیل خاں قدس سرہ نے ایک مرتبہ، حضرت وقار الملت قدس سرہ کی ذہانت اور شوق علم کی تعریف، فقیر سے یوں فرمائی کہ:

"میاں! مفتی وقار الدین صاحب جس زمانے میں بخاری شریف پڑھتے تھے، تو سبق پڑھنے کے لیے "عینی شرح بخاری" کا مطالعہ کر کے جایا کرتے تھے۔ جبکہ آج بہت سے پڑھانے والے بھی "عینی" کو نہیں دیکھتے۔

ایک ہم عصر عالم کا اپنے استاد بھائی کے بارے میں یہ تبصرہ بڑا وزن رکھتا ہے۔ سچ ہے "ولی را ولی می شناسد"

فقیر جب تک امجدیہ میں رہا، کوشش یہی ہوتی تھی کہ اکثر فارغ وقت حضرت سے کچھ پوچھنے میں یا ان کی صحبت میں گزرے۔ حضرت کی محبت تھی اور نظر عنایت تھی کہ آپ اپنے تلامذہ کے ساتھ استاد شاگرد والا معاملہ نہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں کی طرح برتاؤ فرماتے تھے اور مجھ پر تو حضرت کی خاص مہربانی تھی۔ ہمیشہ مسئلہ کو دلائل سے سمجھاتے اور کتابوں کے صفحات تک دکھایا کرتے۔ راقم کو کبھی ایسا تاثر نہیں ملا کہ حضرت سوالات کی کثرت کے باعث اکتا گئے ہوں۔ اور اسی وجہ سے فقیر ان سے ہر مسئلہ بے دھڑک پوچھ لیا کرتا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد، فقیر نے ڈھائی سال تک امجدیہ میں حضرت کی سرپرستی میں فتوی نویسی کی مشق کی۔ حضرت نے اس کام کے لیے فقیر کو اور مولانا عبد العزیز حنفی کو منتخب کیا تھا۔ فقیر تو ۷۶ء میں اپنے والد گرامی کے فرمان پر حضرت سے رخصت لے کر حیدر آباد آگیا اور مولانا حنفی، حضرت کے ساتھ آخر لمحہ تک لگے رہے، اسی صحبت نے بالآخر مولانا حنفی کو مفتی وقت بنا دیا۔ فقیر بھی ہر دوسرے تیسرے ماہ بہت سے مسائل لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک آپ کی رائے معلوم کرتا تھا۔ آپ نہ صرف یہ کہ مکمل تشفی فرماتے بلکہ پوچھتے کہ کہاں سے آرہے ہو؟ جب بتاتا تو فوراً چائے بسکٹ سے تواضع فرماتے اور مکمل حال و خیریت دریافت فرماتے۔ کئی مرتبہ حیدر آباد سے سائل آپ سے فتوی لینے کراچی حاضر ہوئے، اگر مسئلہ میں کوئی الجھاؤ یا تحقیق حال مقصود ہوتی تو سائل سے فرماتے کہ پہلے حیدر آباد میں احمد میاں برکاتی سے مل لو اور پوری تحقیق کے بعد پھر میرے پاس آنا، پھر جب فقیر آپ سے ملنے حاضر ہوتا تو فوراً پوچھتے کہ "ارے وہ فلاں سائل کو تمہارے پاس بھیجا تھا وہ پہنچا یا نہیں؟" کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضرت سے جیسے ہی ملاقات ہوئی فوراً پوچھا کہ "تم نے وہ جو فلاں فتوی دیا ہے اس میں یہ بات کیسے لکھ دی" فقیر عرض کرتا اور بتاتا تو بہت خوش ہوتے اور اسکو مزید سمجھاتے اور مزید اصلاح فرماتے۔ یہ حضرت ہی کے فیض صحبت اور آپ کے ساتھ نسبت تلمذ کا اثر ہے کہ حضرت نے کبھی فقیر کے جواب پر گرفت نہ فرمائی۔

ایک مرتبہ فقیر نے فتاوی رضویہ سے "عالم وقت کے لیے فسخ نکاح کے اختیار" پر بہت سے دلائل نقل کیے اور حضرت کو دکھائے، آپ نے فرمایا کہ "یہ درست ہے کہ اگر قاضی وقت مطابق شرائط (شرعیہ) نہ ہو تو عالم

وقت کو اختیار ہے کہ وہ فسخ نکاح کرائے، مگر اس اجازت کے باوجود، نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں۔ نہ صحابہ کرام کے زمانے میں اور ائمہ دین کے زمانے میں کسی قاضی نے کسی کا نکاح فسخ کیا، تو ہم کیسے اپنے زمانے میں جانتے بوجھتے اس کام کو شروع کریں، کیا اس زمانہ میں زن و شوہر میں ایسا اختلاف نہ ہوتا تھا۔" یہ حضرت کی احتیاط تھی کہ آپ نے باوجود "اعلم" عالم ہونے کے، اس اختیار کو پسند نہ فرمایا، آپ ان اکابرین میں شامل ہیں جو سلف صالحین کے طریقے سے ذرہ بھر بھی ہٹنا پسند نہ فرماتے تھے بلکہ اسے روا نہ رکھتے تھے۔

حضرت مفتی وقار الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم و فضل، ولایت و فقاہت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود نہایت سادہ لباس اور سادہ مزاج تھے۔ اکثر گرمی میں آپ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوتے مگر سینہ بنیان سے ڈھکا ہوتا تھا۔ یہ آپ کی بے خودی کی نشانی تھی۔

آپ کسی امام کے بارے میں اس وقت تک فتویٰ نہ دیتے تھے جب تک فریقین کو بلا کر اصل معاملہ کی تہہ تک نہ پہنچ جاتے اور اکثر مسئلہ صلح سے ہی حل ہو جاتا، اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ امام بے قصور نکلتا اور یہ راز کھل جاتا کہ یہ استفتاء محض ذاتی رقابت کے لیے تھا۔

حضرت علامہ وقار الدین صاحب اور میرے والد گرامی میں قریبی محبت تھی۔ جب بھی والد گرامی کراچی تشریف لے جاتے، حضرت سے مسائل پر ضرور گفتگو ہوتی تھی۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ جب ماہ رمضان میں حضرت والد گرامی قدس سرہ کا وصال ہوا تو ۲۹ رمضان کو باوجود علیل ہونے کے حضرت مفتی وقار الدین صاحب، مفتی ظفر علی نعمانی کے ہمراہ علی الصبح حیدرآباد پہنچ گئے اور یہاں خلیل ملت کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰحضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیض تھا کہ حضرت مفتی وقار الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کتب فتاویٰ کے صفحات بھی قطار میں کھڑے رہتے تھے۔ جب جہاں ضرورت پڑی بلا تامل کتاب کھول کر فتویٰ میں عبارت کا نگینہ جڑ دیا۔ آپ کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ بیک وقت گفتگو بھی فرما لیتے اور فتویٰ بھی لکھوا دیتے تھے اور ذرہ بھر تشنگی نہ آتی۔ بہت سے علماء وقت آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ آپ بیعت بھی فرماتے تھے، آپ کے مریدین میں بہت سے نامور پیر بھی شامل ہیں، مثلاً دعوت اسلامی کے مرکزی امیر مولانا محمد الیاس قادری آپ ہی سے بیعت ہیں اور ان کے شجرے میں حضرت مفتی وقار الدین قدس سرہ کا تذکرہ شعر کی صورت میں موجود ہے۔

حضرت کے تلامذہ میں بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں۔ فقیر جب بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا آپ دارالعلوم احسن البرکات کے بارے میں تفصیل سے ضرور پوچھتے اور خصوصی توجہ کے ساتھ رمضان میں خصوصی تعاون فرماتے تھے۔ حضرت سے فقیر کا علمی تعلق آخر لمحہ تک رہا اور قلبی تعلق تادم مرگ فقیر رہیگا۔

یہ بے ربط سی چند سطریں اخی المحترم مولانا ریاض القادری کی فرمائش پر حیدرآباد سے کراچی آتے ہوئے ٹرین میں ایفائے وعدہ کے لیے قلم برداشتہ لکھدی ہیں۔ حضرت کے فضائل کے اظہار کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ اس حسن اتفاق کا ذکر بھی فقیر کے لیے فضیلت و شرف سے خالی نہیں ہے کہ جس کمرے میں، اب ممتاز المحدثین

شیخ الحدیث حضرت علامہ عبد المصطفٰے ماجد ازہری رحمۃ اللہ علیہ اور قرۃ الواصلین حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی قبور پُر انوار ہیں ، اس کمرے میں یہ فقیر عرصہ تین سال تک رہائش پذیر رہا ہے۔ بزرگوں کے مدفن پہلے ہی سے منبع فیوض و برکات ہوتے ہیں۔ اس نسبت سے بھی فقیر نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا ہے۔ اللہ رب کریم ان اکابر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)۔

فیض پائے گا زمانہ اب مزار پاک سے

(فقیر ابو حماد احمد میاں برکاتی غفرلہ القوی)
خادم الحدیث النبوی شریف ،
دار العلوم احسن البرکات ،
شاہزادہ مفتی خلیل خاں ،
حیدر آباد
مورخہ ۲۲ ؛ صفر ، ۱۴۱۴ھ ،
۱۴ ، اگست ۱۹۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
وسلام علی عبادہ الذین الصطفی

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ بزم وقار الدین، کراچی کی جانب سے مفتی اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والتفسیر وقار الملت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی نور اللہ مرقدہ کے دیئے گئے فتاویٰ کو کتابی شکل دی جارہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اخیار امت کے کارناموں کا بیان اور اسلاف کرام کا ذکر جہاں رحمتِ الٰہی کے نزول کا باعث ہے وہیں قوموں کو حیات بخشی کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ زندہ قوموں کا یہی وطیرہ ہے کہ وہ ماضی کے روشن دریچوں سے کرنیں سمیٹ کر حال کو منور کرتی ہیں اور مستقبل کو تابناک بناتی ہیں۔ جب تک کوئی قوم اکتساب نور کا یہ سفر جاری رکھتی ہے تو قوم زندہ کہلاتی ہے اور جب کبھی ماضی سے کسبِ فیض کا یہ سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے تو وہیں اس قوم کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

وقار الملت والدین علامہ مفتی وقار الدین صاحب علیہ الرحمۃ و رضوان کا شمار بلاشبہ ملت اسلامیہ کے انہی اخیار کرام میں ہوتا ہے جن سے ایک زمانے نے کسبِ فیض کیا، علم کی پیاس بجھائی اور قلب و روح کے لیے تسکین کا سامان بہم پہنچایا۔ بہت سے گم گشتگان راہ، راہ ہدایت پر گامزن ہوئے اور بہتیرے طالبان سلوک نے طریقت کی منزلیں طے کیں، حضرت خود فرماتے ہیں:

" الحمد للہ میرے شاگرد آج بھی بنگال سے لیکر کشمیر اور سرحد تک پھیلے ہوئے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے کہ مجھے دین کی خدمت کی توفیق دی۔ "

(وقار المواعظ، حصہ اول، صفحہ: ۲، ناشر: بزم وقار الدین، کراچی)

اللہ رب العزت کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کو خیر کثیر عطا فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے تفقہ کی دولت سے مالا مال فرما دیتا ہے۔

علامہ مفتی وقار الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث مبارکہ کی مجسم تفسیر تھے۔ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں دین کی جو سمجھ اور فقاہت میں جو کمال ان کو حاصل تھا وہ کم ہی لوگوں کو حاصل ہے۔

وہ صاحب اوصافِ حجازی تھے، ان کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ براہ راست فیض یافتہ اور تربیت یافتہ تھے ان نفوس قدسیہ سے جنہوں نے مجدد ملت طاہرہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

بلاواسطہ اور مباشرا تعلیم و تربیت حاصل کی تھی ۔ علامہ وقار الدین نے اپنی تعلیم کے ابتدائی مراحل میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے شاہزادہ اکبر حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور انہی کی زیر تربیت امام احمد رضا کے دارالعلوم " منظر الاسلام " بریلی شریف میں علوم اسلامیہ عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم مکمل کر کے سند امتیاز حاصل کی ۔

وقار الملت نے امام احمد رضا کے دور کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اس زمانہ کے نابغہ عصر اساتذہ سے تحصیل علم کی ۔ آپ کے اساتذہ کرام میں حجۃ الاسلام کے علاوہ محدث اعظم پاکستان علامہ مولانا سردار احمد خاںصاحب ، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں (شہزادہ اصغر امام احمد رضا) ، صدر الشریعہ علامہ مولانا مفتی امجد علی قادری رضوی اعظمی علیہم الرحمۃ جیسی نادرِ روزگار ہستیوں کے نام آتے ہیں ۔

آپ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے دارالعلوم منظر الاسلام میں حصولِ سندِ فراغت کے فوراً بعد ، ۱۹۳۸ میں درس و تدریس کی مسند سنبھالی اور تقریباً دس سال وہاں درس دیا ، آپکی تدریسی صلاحیتوں کے اعتراف میں مفتی اعظم ہند عبد المصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ نے آپ کو نائب صدر مدرس اس فرمان کے ساتھ مقرر فرمایا کہ

" یہ صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہونے کے لائق ہیں ۔ "

(وقار المواعظ ، حصہ اول ، صفحہ : ۲ ، ناشر : بزم وقار الدین ، کراچی)

آپ کی اعلیٰ تدریسی صلاحیتوں کا اعتراف ، بریلی شریف ، ہندوستان ، بنگال اور کراچی (پاکستان) اور ان تمام جگہوں پر کیا گیا جہاں جہاں آپ نے درس و تدریس کا مقدس فریضہ انجام دیا ۔ آپ نہ صرف ایک اچھے مدرس بلکہ درسگاہ اور جامعات کے ایک باصلاحیت مہتمم اور منتظم بھی تھے ۔ آپ آخری ۲۲ برسوں میں دارالعلوم امجدیہ کراچی سے وابستہ رہے جہاں آپ نے شیخ الحدیث والتفسیر اور مہتمم کی حیثیت سے بہترین کارکردگی کا ثبوت دیا ہے ۔

آپ کی چوتھی لیکن سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ اس ذات گرامی کے سچے عاشق ، غلام اور پیروکار تھے جس کو ہم امام عصر و مجدد ملت طاہرہ اور زمانہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یاد کرتا ہے لیکن وہ خود کو " عبدِ مصطفیٰ " کہلوانا پسند کرتا ہے ۔ یعنی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ ۔ آپ اعلٰحضرت عظیم البرکت کے تفقہ پر اعتماد کرتے تھے ۔ فتاویٰ رضویہ اور تعلیمات امام احمد رضا پر جتنی گہری نظر آپ کی تھی ، آج کے دور میں شاید ہی کسی کی ہو ۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ امام احمد رضا کے فکر اور مشن کے سب سے بڑے مبلغ اور داعی بھی تھے ۔ اعلٰحضرت کے مشن کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" اعلٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا مشن کیا ہے ؟ ان کے اقوال ، اعمال و افعال سے ظاہر ہے ، کہ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی کمی نہ ہونے دیں گے ، مسلمانوں کے دل میں عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت رسول کو کماحقہ باقی رکھیں گے ، یہی ایمان ہے اور اسی پر ایمان کا دارومدار ہے ، سارا مشن یہی تھا ، یہ ان کا آج کا نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا بھی یہی مشن تھا ۔ "

(وقار المواعظ ، حصہ اول ، صفحہ : ۳ ، ناشر : بزم وقار الدین ، کراچی)

یہی بات سمجھنے کی ہے، یہی خصوصیت وجہ امتیاز ہے اور دراصل یہی وہ خصوصیت ہے جس نے حضرت علامہ مفتی وقار الدین صاحب کو وقار الملت بنا دیا۔ دنیائے سنیت میں مفتی و عالم تو بہت ہیں، مدرس، محدث اور مفسر بھی، واعظِ خوش بیاں بھی لیکن مشنِ اعلحضرت کو حرزِ جاں بنانے والے خال خال ہیں۔

بزمِ وقار الدین کے کار پردازوں نے وقار الملت کی دینی و فقہی خدمات کو کتابی صورت میں پیش کر کے یقیناً ایک عظیم نیکی انجام دی ہے اسکے لیے وہ قابلِ صد مبارکباد ہیں۔

احقر کی رائے میں اگر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی صحبت کے فیض یافتہ علماء یا ان کے شاگرد، خلفاء یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ کے حالات مرتب کرتے وقت تحریر و تحقیق کے جدید انداز اختیار کیے جائیں اور دوسرے درجہ کی روایات کو چھوڑ کر اصل مآخذ و مصادر سے رجوع کیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ان کی سیرت، حیات و افکار اور [illegible] کے مستند تذکرے سامنے آئیں گے بلکہ علم و تحقیق کے جویا جوہریوں کو ایسے گہر ہائے گرانمایہ ہاتھ آئیں گے جو ان کی نگاہ قدر شناس کی تسکین کا باعث بنیں گے۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا کے تلامذہ و خلفاء اور پھر ان سے فیض یافتہ علماء و مشائخ کی علمی تحقیقات اور ملی خدمات کے منصۂ شہود پر آنے سے اہلِ علم و دانش کو ان کی جلالتِ علمی کا اندازہ ہو سکے گا اور وہ بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ جب شاگردوں کے شاگرد کے علمی قد و قامت کا یہ عالم ہے تو خود استاذ الاساتذہ اور امامِ عصر کی وجاہتِ علمی کا کیا عالم ہوگا؟

ـ قیاس کن راز گلستانِ من :

(سید وجاہت رسول قادری)
صدر: ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا،
۲۵- جاپان مینشن،
رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی،

مورخہ ۳، ربیع الاول شریف، ۱۴۱۴،
۰۳ اگست ۱۹۹۳

ڈاکٹر مجید اللہ قادری
سیکرٹری ادارہ تحقیقات امام احمد رضا
و پروفیسر شعبہ ارضیات ، جامعہ کراچی

حضرت مفتی وقار الدین اپنے دور کے وقار الملت تھے ۔ ہر کسی کی نظر آخری فتوے کے لیے آپ ہی پر پڑتی تھی اور آپ نے جب کوئی فتویٰ دیا ہے عوام اہلسنت کے ساتھ ساتھ علمائے اہلسنت نے بھی اسکو وقار کی نظر سے دیکھا ہے ۔ آپ کے فتاوی مسلک امام احمد رضا کے صحیح ترجمان تھے ۔ آپ دارالعلوم امجدیہ میں ۲۰ سال کے طویل عرصہ تک فتوی نویسی فرماتے رہے ۔ اس دوران آپ نے روز مرہ مسائل ۔ کے علاوہ دور جدید کے مسائل کے سلسلے میں بھی کثیر تعداد میں فتاوی لکھے ہیں اور فقہی مسائل بھی حل فرمائے ہیں ۔ اس ذخیرہ کو دارالعلوم امجدیہ نے محفوظ رکھا ۔ آپ کے چند سو فتاوی جلد اول میں ترتیب دیئے گئے ہیں اور اس کو بزم وقار الدین شائع کر رہی ہے جو وقت کی اہم ضرورت تھی ۔ توقع ہے کہ بقیہ فتاوی بھی طبع ہو کر جلد منظر عام پر آجائیں گے ۔

احقر کی نظر سے اس جلد کے چند فتاوی گزرے ہیں جو درود و سلام کے مسائل سے متعلق ہیں ۔ قبلہ مفتی صاحب کا طریقہ استدلال عالمانہ اور نہایت پر اثر ہے ۔ ہر بات کی تہ تک پہنچاتے ہیں ۔ ان فتاوی میں اصول دین کو پورا پورا ملحوظ رکھا ہے ۔ آپ پہلے قرآن کی آیات سے دلیل لاتے ہیں اس کے بعد احادیث سے اپنی دلیل کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر فقہ کی معتبر و مستند کتابوں سے حوالے دیتے ہیں ۔

مفتی وقار الدین علیہ الرحمہ سے احقر کی کئی ملاقاتوں میں کئی مسائل پر گفتگو بھی رہی ہے ۔ اس وقت بھی میں نے یہی محسوس کیا ۔

احقر بزم وقار الدین کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انہوں نے ایک بہت ہی عظیم علمی ذمہ داری کو نہایت خوبصورتی سے نبھا کر اہم صدقہ جاریہ کا اجرا کیا ہے ۔ جس کا ثواب ان کو قیامت تک ملتا رہے گا ۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے ۔ آمین

۲۵ صفر المظفر، ۱۴۱۷ھ
1 جولائی 1997ء

منقبت

قبول حق ہوا سجدہ وقار الدین مفتی کا
زمانہ ہو گیا شیدا وقار الدین مفتی کا

زہے قسمت کہ عرس آیا وقار الدین مفتی کا
فضا میں رنگ پھر چھایا وقار الدین مفتی کا

بڑے عالم شریعت کے ہیں کامل طریقت کے
ہے کتنا معتبر رتبہ وقار الدین مفتی کا

ہزاروں تاجدار علم دیکھے شہر میں ہم نے
کوئی ثانی نہیں دیکھا ، وقار الدین مفتی کا

غرور علم ان کے پاس سے ہو کر نہیں گزرا
بہت مشہور ہے تقوی وقار الدین مفتی کا

رسول پاک کی نسبت اسے حاصل ہوئی فوراً
جو بندہ بن گیا بردا وقار الدین مفتی کا

بھر آئی آنکھ میری دل ہوا مغلوب یادوں سے ۔
جو محفل میں خیال آیا وقار الدین مفتی کا

میرے مرشد نذیر احمد ہیں ان کے معترف ناظم
مرے دل پہ ہے یوں قبضہ وقار الدین مفتی کا

گلشن وقار رحمۃ اللہ علیہ

اس گرمی گفتار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ
ملت کے اس وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

تھا جو نبرد آزما مسلک کے واسطے
اس پیکرِ وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

بے دین جس کے نام سے کانپے گا حشر تک
اس دبدبہ وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

ہے دھاک آج بھی تری قلبِ رجیم پہ
اس رعد وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

تھی جس سے معطر درِ مسلک کی بہاریں
اس دورِ پُر وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

خالد تجھے پتہ ہے کہ خوشبو کے واسطے
اب گلشنِ وقار کو ڈھونڈا کریں گے لوگ

سیف الدین خالد قادری رضوی